Certa



دختر فرعون

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دختر فرعون حصہ دوم

باب اکیسواں

امداد غیبی

دوسرے دن دوپہر ہوتے ان تمام واقعات کی خبر بابل میں پھیل گئی۔ شہر کی گلی کوچوں میں لوگوں کا مجمع تھا اور شہنشاہ کی دغا باز و مکار منظور نظر مصری شہزادی کی ذلت ورسوائی دیکھنے کے لئے ہر شخص بے چین تھا۔ اکثر شراب کے نشہ سے جو جشن سالگرہ کے موقعہ پر مفت تقسیم ہوئی تھی مدہوش و بیخود نظر آتے تھے۔ اور سڑکوں پر شور و غل مچاتے پھر رہے تھے۔ اسی لئے جگہ جگہ اہل پولیس "کوڑے بردار" مصروف انتظام تھے۔ اور تماشائیوں کو حرکات بیجا و فساد سے روک رہے تھے کچھ عرصہ بعد جب بردیہ اور اس کے رفقا کی سزائے موت کی خبر مشتہر ہوئی تو اُسے سُنتے ہی اس مجمع کا تمام نشہ ہرن ہو گیا۔ لوگوں کی عجیب حالت ہو گئی ہر طرف سے آہ و بکا کے نعرے اُٹھنے لگے اور سب نے بلا خوف و خطر یہ چلانا شروع کیا" ہائے افسوس! ہمارا بہادر پیارا شہزادہ بھی قتل ہوتا ہے!!" عورتوں کے کان میں یہ صدائے دردناک پڑی تو اپنی شرم و حیا بھول کر پردے سے باہر

نکل آئیں اور سینے کوٹ کوٹ کر ماتم کرتی ہوئی مردوں کے مجمع کے پیچھے ہولیں
ابھی کچھ دیر ہوئی کہ اپنی ہم جنس کی تشہیر و رسوائی کا تماشہ اُنکے لئے بڑی دلچسپی
و مسرت کا باعث تھا لیکن نوجوان و خوشرو بردیہ کی مصیبت نے سب کچھ بھلا دیا وہ
سر پیٹنے لگیں اور اُنکے رنج واندوہ کی کچھ انتہا نہ رہی۔ غرضکہ مرد و زن۔ بچے۔ بوڑھے
سب چلاتے۔ چیختے۔ کوستے۔ آہ وزاری کرتے۔ ایک دوسرے کو بغاوت و
شورش پر آمادہ کرنے لگے۔ دوکانیں بند ہوگئیں کارخانے خالی ہوگئے۔ اور علما ؤں
کے گروہ اور درسگاہوں کے طلبار بھی جنھیں بادشاہ کی سالگرہ کی خوشی میں ایک
ہفتے کی چھٹی ملی تھی مجمع میں شامل ہو کر گلے پھاڑ پھاڑ کر چلانے لگے۔ ان میں سے
اکثر اصلی واقعات سے بالکل بے خبر تھے مگر دوسروں کی دیکھا دیکھی فساد پر آمادہ
ہوگئے۔ بالآخر جب "کوڑہ برداروں" نے دیکھا کہ عوام کا جوش و خروش حد سے
زیادہ بڑھتا جاتا ہے اور وہ اس کے روکنے سے مجبور ہیں تو سواران خاصہ کا
ایک دستہ سڑکوں کو خالی کرنیکے لئے فی الفور طلب کیا گیا۔ ان کے چمکدار زرہ بکتر
اور لمبے لمبے نیزوں پر نظر پڑتے ہی لوگوں میں بھگدڑ مچ گئی اور ادھر اُدھر گلیوں میں
چھپ گئے۔ مگر جب سوار مطمئن ہو کر محل شاہی کی طرف چلے گئے اور نظروں
سے اوجھل ہوگئے تو فسادیوں کے گروہ از سر نو جمع ہونے لگے۔ خصوصاً باب ایل
کے قریب جہاں سے بڑی شاہراہ مغرب کی طرف جاتی ہے۔ اس وقت ایک
بہت بڑا ہجوم تھا اور یہ افواہ گرم تھی کہ مصری شہزادی جو شہر میں اسی پھاٹک سے
داخل ہوئی تھی اب اُسی سے بذلت و خواری بدر کی جائے گی۔ یہاں کوڑے
برداروں کی بھی ایک کافی تعداد پہونچ گئی تھی اور اس انتظام میں کہ مسافروں
کے آنے جانے میں دقت نہ ہو مصروف و سرگرم ہوگئی۔ مگر آج تو شاید ہی کوئی
بھولا بھٹکا شہر سے باہر گیا ہو۔ سب کے دل میں ایک ایسے نظارے و تماشہ کا

شوق دامنگیر تھا کہ تمام ضرورتیں و خواہشیں بالائے طاق تھیں اور کوئی باہر سے آنے والا بھی یہاں پہنچتا تو یہ سنتے ہی کہ عنقریب کیا ہونے والا ہے۔ فوراً اپنا سب کام کاج چھوڑ کر اسی جگہ منتظر دید کھڑا ہو جاتا تھا۔ آفتاب اب نصف النہار پر پہنچ گیا تھا اور صرف چند گھنٹے بے گناہ اسیروں کے قتل کو باقی تھے کہ اتنے میں ایک قافلہ بڑی عجلت کے ساتھ شہر کی طرف آتا ہوا نظر آیا۔ اس کے آگے آگے ایک ہرماکس[1] تھا جس میں چار گھوڑے جتے تھے۔ پیچھے ایک دو پہیہ گاڑی اور اس کے بعد ایک چھکڑا تھا جسے چار خچر کھینچ رہے تھے۔ پہلی گاڑی میں ایک وجیہ اور رعب دار شخص جس کی عمر قریب پچاس سال ہوگی نہایت زرق برق پوشاک پہنے بیٹھا تھا اور اس کے پاس ہی ایک دوسرا معمر شخص تھا جس کا لباس نہایت سادہ اور ڈھیلا ڈھالا تھا۔ دوسری گاڑی میں بہت سے غلام تھے جن کے سروں پر چوڑی چھجّے دار نمدے کی ٹوپیاں تھیں اور ان کے ساتھ ساتھ ایک بوڑھا شخص ایرانی خادموں کا لباس پہنے گھوڑے پر سوار تھا۔ جب یہ قافلہ باب بل کے قریب آیا تو اگلی گاڑی کے کوچبان کو جس کے گھوڑوں کی گردنوں میں بہت سی گھنٹیاں رچھندنے لٹک رہے تھے۔ عوام کے انبوہ کثیر سے گذرنا دشوار نظر آیا۔ اس نے فوراً راسیں کھینچ لیں اور چلّا کر افسر پولیس کو آواز دی اور یہ کہا "ذرا مہربانی کر کے ہمارے لئے راستہ کر دیجئے۔ یہ شاہی ڈاک کی گاڑی ہے۔ محل عالی پر اسے جلد پہنچنا ہے۔ اس میں ایک نہایت نامور رئیس بھی سوار ہیں جنھیں اگر دیر ہوئی تو آپ سب کی خبر لے ڈالیں گے۔"

افسر پولیس۔ (ہاتھ اٹھا کر) ٹھیرو! آگے نہ بڑھنا۔ ذرا صبر سے کام لو۔ یہاں راستہ بند ہے۔ تم دیکھ رہے ہو لوگوں کا اس قدر مجمع ہے کہ اس وقت شہر میں داخل ہونا ذرا کار دارد۔ تمہاری گاڑی میں یہ کون شخص ہے؟

---

[1] ایرانی سفری گاڑیاں جن کا ذکر زنوفن نے کیا ہے۔ (ایڈیٹر)

کوچبان۔ یہ ایک معزز امیر ہیں جن کے پاس شاہی پروانہ راہداری ہے۔
افسر۔ ان کا ساز وسامان تو کچھ زیادہ امیرانہ معلوم نہیں ہوتا۔
کوچبان۔ "اس سے تمہیں کیا مطلب۔ پروانہ ......"
افسر (مسافروں پر مشتبہ نظر ڈال کر) میں پہلے ان کا پروانہ دیکھنا چاہتا ہوں پھر اندر داخل ہونے کی اجازت دونگا۔

یہ سنتے ہی وہ شخص جو ایرانی لباس پہنے تھا اپنی آستین کے اندر سے پروانہ نکالنے لگا اور افسر پولس مڑ کر اپنے ایک ساتھی سے کہنے لگا "واہ کیا عجب سواری ہے! کبھی ایسا جلوس بھی تمہاری نظروں سے گذرا ہے؟ مجھے اس میں کچھ بھید و فریب معلوم ہوتا ہے۔ اگر نہ ہو تو میرا نام گیتو نہ رکھنا۔ اس شخص کا لباس تو ضرور امیرانہ ہے اور اپنے پاس ایک پروانہ راہداری بھی بتاتا ہے مگر خدم و حشم تو دیکھو۔ ہمارے یہاں کا ایک شاہی فراش بھی اس سے کہیں زیادہ شان کے ساتھ سفر کرتا ہے۔"

اتنے میں مشتبہ شخص نے ایک ریشمی ٹکڑا جو مشک و عنبر سے بسا ہوا تھا اور جس پر شاہی مُہر اور چند حروف کندہ تھے نکال کر افسر کے حوالہ کیا جس نے اُسے لیکر پہلے مُہر کو غور دیکھا اور جب اس کی صحت کا یقین ہو گیا تو نوشتہ کو پڑھنے لگا۔ ابھی مشکل سے پہلے حروف پر نظر پڑی ہو گی کہ یکایک اُس کے چہرہ کا رنگ بدل گیا۔ فوراً لپک کر اُس نے گھوڑوں کی راس پکڑ لی اور نہایت غصہ سے مسافروں کی طرف گھور کر اپنے آدمیوں کو آواز دی۔ "جوانو! اس گاڑی کو گھیر لو۔ یہ شخص کوئی جعل ساز و فریبی معلوم ہوتا ہے۔" چشم زدن میں پولس کے گارد نے گاڑی کو حراست میں لے لیا۔ پھر اُنکے افسر کو جب یقین ہو گیا کہ اجنبی کہیں بھاگ کر نہیں جا سکتا تو آپ آگر اُس سے اس طرح مخاطب ہوا "یہ پروانہ تمہارا نہیں ہو سکتا۔ بلکہ جعلی ہے۔ کیونکہ اس پر گیجیس اسپر گری سس کا نام لکھا ہے جو قید میں ہے اور آج ہی قتل کیا جائے گا۔ تمہاری شکل و شباہت بھی اُس سے نہیں ملتی۔

تمہیں معلوم نہیں کہ یہ کتنا بڑا جرم ہے دیکھو تو اس دھوکا دہی کی کیسی سخت سزا ملتی ہے گاڑی سے اُترو اور میرے ساتھ چلو"۔ اجنبی پر ان الفاظ کا مطلق اثر نہ ہوا اور نہ اُس نے اس حکم کی پرواہ کی۔ بلکہ نہایت اطمینان کے ساتھ اپنی ٹوٹی پھوٹی فارسی میں افسر کو جواب دیا کہ مجھے تم سے ایک خفیہ بات کہنی ہے۔ ذرا مہربانی کر کے تھوڑی دیر کے لئے خود ہی گاڑی کے اندر چلے آؤ۔ افسر پہلے تو ہچکچایا مگر جب اس نے دیکھا کہ سپاہیوں کی کافی تعداد موجود ہے اور ایک دوسرا گارڈ بھی آرہا ہے تو اشارہ سے اُن سے کہہ کر کہ ذرا ہوشیار رہنا۔ خود گاڑی کے اندر پہنچا۔ اجنبی نے اب افسر کو بہت غور سے گھورا۔ پھر اُس کا ہاتھ پکڑ کر مسکراتے ہوئے نہایت اطمینان بھرے لہجہ سے پوچھا "سچ بتاؤ! کیا میں شکل و صورت سے کوئی مکار و فریبی معلوم ہوتا ہوں"۔

افسر پولیس۔ میں نہیں کہہ سکتا۔ بلکہ خود حیران ہوں۔ کیونکہ گو تمہارا لہجہ و زبان ایرانی نہیں ہے۔ لیکن بظاہر ایک شریف و معزز آدمی معلوم ہوتے ہو۔

اجنبی۔ میں ایک یونانی امیر ہوں اور شہنشاہ کمبوجیہ کے ایک بہت بڑی خدمت انجام دینے یہاں آیا ہوں۔ یہ پروانہ راہداری میرے دوست گیجیس کا عطیہ ہے جب وہ مصر میں تھے تو انھوں نے اِسے دیکر مجھسے کہا تھا کہ جب کبھی ایران آنے کا قصد کروں تو بلا خوف و خطر اسے استعمال کر سکتا ہوں۔ تم یقین جانو۔ میں بالکل صحیح تم سے کہہ رہا ہوں بلکہ بادشاہ کے سامنے بھی اسی طرح کہنے کے لئے تیار ہوں اور اپنے قول کی صداقت کا ثبوت دے سکتا ہوں۔ علاوہ بریں مجھے بعض نہایت اہم واقعات شہنشاہ کے گوشِ مبارک تک پہنچانا ہیں جنھیں سُنکر یقیناً وہ بہت خوش ہونگے۔ اگر تمہیں اپنے فرض منصبی کا خیال ہے تو بہتر ہو گا کہ مجھے کریسس کے پاس لے چلو۔ وہ میرے ضامن ہو جائیں گے۔ (جیب سے اشرفیاں نکالکر) یہ لو اپنے آدمیوں کو تقسیم کر دینا اور ہاں یہ تو کہو کہ میرے غریب دوست گیجیس نے کیا قصور

کیا ہے کہ بقول تمہارے اُسے سزائے موت ملنے والی ہے اور لوگوں کا یہاں اس قدر اژدہام کیوں ہے۔ کیا کوئی میلہ یا تماشہ ہونے والا ہے؟" اجنبی کی فارسی گو ناقص تھی لیکن اسکے طرز کلام میں ایسی خودداری و طمانیت تھی اور اس کا عطیہ ایسا گرانبہا تھا کہ ایرانی افسر پر بہت بڑا اثر ہوا۔ وہ اُسے کسی مُلک کا حاکم یا شہزادہ سمجھا اور نہایت ادب سے معافی مانگ کر اپنی مشکل خدمات کا ذکر کرنے لگا کہ کس طرح گذشتہ تمام رات اُسے دربار میں پہرہ دیتے گذری ہے جہاں ملزموں کی قسمت کا فیصلہ خود اُس نے اپنے کانوں سے سُنا تھا۔ بعدہٗ وہ تمام واقعات جنکی اسے خبر تھی بالتفصیل بیان کرنا شروع کیے۔ یونانی اس گفتگو کو ایک غیر معمولی دلچسپی و غور کے ساتھ سُنتا رہا اور کبھی کبھی خصوصاً جب بردیہ اور دختر فرعون کی باہمی سازش کا ذکر آیا تو گردن ہلا کر بے اعتباری کا اظہار کرنے لگا پھر ملزموں خصوصاً کرمی سس کے متعلق سزائے قتل کا حکم سُنا تو بظاہر نہایت متاثر ہوا۔ اور بڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا۔ پھر یکایک اس کی پریشانی و فکر غائب ہو گئی اور چہرہ پر ایک ناقابل بیان مسرت و خوشی کے آثار نمایاں ہوئے جس سے ظاہر تھا کہ اسکے ذہن میں کوئی ایسی نئی بات آئی ہے جس نے تمام اوہام باطلہ کو دھوئیں کی طرح اُڑا دیا اور فکر و تردد کو بھی دفعتاً دل سے دور کر دیا ہے وہ اپنی خوشی کو ضبط نہ کر سکا اور اپنے زانوؤں پہ دونوں ہاتھ مار کر بڑے زور سے ہنسا۔ پھر افسر پولس کا بڑی گرمجوشی سے ہاتھ دبا کر کہنے لگا "کہو یار! اگر شہزادہ بردیہ کی جان بچ گئی تو تم خوش ہو گے"

افسر۔ (ششدر و حیران ہو کر) بیشک میں بے انتہا خوش ہونگا۔

فینس۔ اچھا تو بندہ وعدہ کرتا ہے اور دو ٹیلنٹ بھی آپ کے نذر کرنیکے لئے تیار ہے مگر شرط یہ ہے کہ ملزموں کی سزا یابی سے پہلے کسی طرح شہنشاہ کے روبرو مجھے پیش کر دو۔

افسر پولیس۔ (گردن ہلا کر) بھلا مجھسے یہ کیونکر ہو سکتا ہے میں ایک معمولی غریب ......"

فینس۔ نہیں میں نہ مانونگا۔ تمھیں ضرور میری مدد کرنا پڑے گی۔

افسر۔ افسوس! یہ میری قدرت سے باہر ہے۔

فینس۔ یہ سچ ہے کہ ایک اجنبی مسافر کے لئے شہنشاہ کے دربار میں جلد باریابی حاصل کرنا از حد مشکل بلکہ قریباً ناممکن ہے۔ لیکن یہ کام بھی تو اس قدر ضروری و اہم ہے کہ اس میں ایک لحظہ کی تاخیر نہیں ہو سکتی۔ تمہارے شہزادے اور اس کے عزیز دوستوں کی جان معرضِ خطر میں ہے۔ میں انکی بے گناہی ثابت کر سکتا ہوں۔ (افسر کا شانہ ہلاکر) دیکھو یہ کتنی بڑی بات ہے۔ کچھ سمجھے بھی کہ میں کیا کہہ رہا ہوں۔ یہ نہایت اہم و نازک معاملہ ہے۔ تمہارا فرض ہے کہ بہت جلد میری رسائی کی کوئی تدبیر نکالو"

افسر۔ آپ ہی بتایئے کہ میں کیا کر سکتا ہوں؟

فینس۔ پھر وہی بہانے و عذر۔ اب ان باتوں کا وقت نہیں ہے فی الفور کچھ کرنا چاہئے تم ابھی کچھ کہہ رہے تھے کہ دارا کو بھی سزا ملنے والی ہے۔

افسر۔ جی ہاں۔

فینس۔ میں نے سُنا ہے کہ اس کا باپ نہایت معزز و با اثر ہے۔

افسر۔ ہاں۔ کورش اعظم کی اولاد کے بعد انہیں کا سب سے بڑا مرتبہ سمجھا جاتا ہے۔

فینس۔ اچھا۔ تو فوراً مجھے اُنکے پاس لے چلو۔ جب انھیں معلوم ہوگا کہ میں انکے فرزند کی جان بچانے آیا ہوں تو میرے لئے اپنی آنکھیں بچھائیں گے اور مدد کرنے میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھیں گے۔

افسر۔ آپ واقعی عجب شخص ہیں۔ اور اپنی بات پر ایسا یقین رکھتے ہیں کہ میں . . . . . "

فینس۔ (مُسکراکر) "کہ تم بھی مجھے سچ سمجھنے لگے! اچھا تو جلد اپنے آدمیوں کو حکم دو کہ اس مجمع کو ہٹا کر میری گاڑی نکل جانے دیں۔"

فطرتِ انسانی کا خاصہ ہے کہ جب کوئی شخص پورے بھروسے اور اعتبار کے ساتھ ایک ایسی امر کی امید دلا رہا ہو جس کا تعلق سُننے والے کی خواہش دلی سے ہو تو

یقیناً اس پر بہت بڑا اثر پڑتا ہے - ایرانی افسر جب اجنبی مسافر کی گفتگو سے اسکی صداقت پر پورا یقین ہو گیا تھا فوراً گاڑی سے اُتر پڑا اور ایک پُرجوش آواز میں لوگوں سے مخاطب ہو کر کہنے لگا دو یہ معزز اجنبی شہزادہ بردیہ کی بیگناہی کا ثبوت رکھتے ہیں اور بادشاہ سے ملنا چاہتے ہیں - دوستو! ان کے لئے راستہ کردو - اور ہمارے پیچھے پیچھے آؤ - اسی اثنا میں باڈی گارڈ کے چند سوار نظر آئے - کپتان پولس دوڑتا ہوا ان کے افسر کے پاس گیا اور تمام واقعہ بیان کرنیکے بعد اسے بھی اجنبی کے ساتھ محل پر چلنے کے لئے آمادہ کیا - دوسرے لوگوں نے بھی اس کی تائید کی اور بڑے جوش خروش سے ہمارے مسافر کا خیر مقدم کیا جسے دیکھتے ہی وہ فوراً گاڑی سے اُتر کر اپنے ایک خادم کے گھوڑے پر سوار ہو گیا - اور ایرانیوں کے پیچھے پیچھے جو اُس کے لئے راستہ صاف کرتے جاتے تھے روانہ ہوا -

چشم زدن میں یہ خبر تمام شہر میں پھیل گئی - لوگوں کی خوشی کی انتہا نہ تھی وہ جوق جوق چاروں طرف سے آکر اجنبی کے جلوس میں اسطرح شامل ہو رہے تھے کہ اس کی سواری اب ایک اچھا خاصہ شاہانہ جلوس معلوم ہوتی تھی جو بڑی تیز قدمی کے ساتھ محل کی طرف رواں تھی جس کے برنجی پھاٹک ابھی تک بند تھے - یہاں آئے زیادہ دیر نہ گذری تھی کہ اتنے میں سامنے سے ایک دوسرا جلوس نظر آیا - اس کے آگے آگے ایک مرد کہن سال پیرہن دریدہ اسپ نیلگوں پر سوار نظر آیا اس کے گھوڑے کی دُم و ایال ماتمی رسم کے مطابق قطع کر کے نیلے رنگ دیئے گئے تھے - یہ گستاشپ تھا جو شہنشاہ سے اپنے فرزند دلبند کی جان بخشی کے لئے منت والتجا کرنے روانہ ہوا تھا - افسر پولس اسے دیکھتے ہی فوراً آگے بڑھا - اور سامنے آتے ہی زمین بوس ہو کر دست بستہ اجنبی کا واقعہ بیان کرنے لگا جسے سنتے ہی گستاشپ کے مردہ دل میں ایک جان پڑ گئی - اس نے اشارہ سے اجنبی کو بلایا اور جب اس کی زبانی کل حالات سنے تو بجائے امید موہوم کے اُسے بھی اطمینان اور بھروسہ ہونے لگا اور خوشی خوشی نووارد کو اپنے ہمراہ لیکر فوراً محل کے اندر پہونچا -

یہاں اس نے میر چوبدار سے کہا کہ بادشاہ کو اس کی آمد کی اطلاع دے اور یونانی کو ہدایت کی کہ تھوڑی دیر کے لئے باہر منتظر کھڑا رہے۔ جب ہمارا معمر و معزز گستاشپ جس کے دل میں امید و بیم کا ایک عجب طوفان بپا تھا ایوان شاہی کے اندر داخل ہوا تو کیا دیکھتا ہے کہ شہنشاہ عالیجاہ ایک خوشنما اونچی مسند پر اپنی ارغوانی چادر اوڑھے ہوئے دراز ہے۔ اس کے زرد چہرہ پر سخت مردنی چھائی ہوئی ہے۔ اس کے قدموں کے پاس ایک ساقی جھکا ہوا اس بیش بہا مصری جام کے ٹکڑے جمع کرنے میں مصروف ہے جسے اس کے آقا نے ابھی غصہ میں زمین پر پھینک دیا تھا۔ سامنے چند امراء و درباری خاموش ہاتھ باندھے کھڑے ہیں۔ ہر ایک شہنشاہ[۱] کے غیظ و غضب سے لرزاں ہے اور اپنے دل میں جلد وہاں سے رہائی پانے کی دعائیں مانگ رہا ہے۔

حجرۂ شاہی کی کھڑکیاں کھلی ہوئی ہیں۔ مئی کا مہینہ ہے۔ سورج کی چکا چوند روشنی اور دھوپ کی گرمی اندر آرہی ہے۔ ہر طرف ایک غیر معمولی سکوت و خاموشی چھائی ہوئی ہے۔ صرف ایک بڑے خونخوار شکاری کتے کی آواز سنائی دیتی ہے جو ایک طرف دبکا ہوا

۱؎ کمبوجیہ پُرنخوت و مغلوب الغضب تھا۔ فردوسی نے جو صفات کیکاؤس کے لکھے ہیں وہ اس پر صادق آتے ہیں۔ فردوسی

چو رفتند و بردند پیشش نماز ... بر آشفت و پاسخ نہ داد ایچ باز
یکے بانگ برزد بگیو از نخست ... پس انگاہ شرم از دو دیدہ بشست
کہ رستم کہ باشد کہ فرمانِ من ... کند سست و پیچد ز پیمانِ من
اگر تیغ بودے کنوں پیشِ من ... سرِ ش کند می چوں برنجی ز تن

بشد تند کاؤس چیں بر جبیں ... شدہ راست مانند شیرِ عریں
خود از جائے برخواست کاؤس کے ... برافروختند برسان آتش زنے

چلاّ رہا ہے۔ کیونکہ کمبوجیہ نے ابھی زور سے لات مار کر اسے اپنے پاس سے ہٹا دیا ہے۔ شہنشاہ کی بیکاری و بے شغلی اس کے اضطراب دل کے لئے ایک تازیانہ ہو گئی ہے۔ غم و غصہ نے خفقان اور زیادہ کر دیا ہے۔ کتّے کی آواز نے اس کے منتشر دماغ میں ایک نیا خیال پیدا کیا۔ فوراً بے تابانہ اٹھ کھڑا ہوا اور اپنے حیرت زدہ درباریوں سے للکار کر بولا "ما بدولت شکار کے لئے جائیں گے۔ فوراً اسی وقت انتظام کیا جائے"۔ یہ سنتے ہی میر شکار۔ میر آخور و محافظ سگان۔ گھبرائے ہوئے دست بستہ سامنے آئے۔ شہنشاہ نے ان سے مخاطب ہو کر اپنی گرجتی ہوئی آواز سے کہا "ما بدولت کی سواری کے لئے رخش[۱] نامی اسپ جس پر آج تک کوئی سوار نہیں ہوا ہے حاضر کیا جائے۔ شاہین و باز لائے جائیں اور تمام شکاری کتے ساتھ رہیں۔ اور ہر شخص جسے نیزے و تیر چلانے میں مہارت ہے ہمراہ چلے۔ آج ہم ایسا شکار کھیلیں گے کہ صید گاہ کا کوئی پرند و چرند زندہ باقی نہ رہے گا"۔

اتنا کہنے کے بعد تکان و ماندگی کے آثار پھر اسکے چہرہ سے ظاہر ہونے لگے وہ مسند پر ہاتھ ٹیک کر بیٹھ گیا اور اس کے غم و اندوہ بھری آنکھیں ان ذرات خاکی کو جو سورج کی کرن میں چمکتے ہوئے رقص کر رہے تھے ٹکٹکی باندھ کر دیکھنے لگیں۔

گستاشپ جس کا اضطراب دلی دم بدم بڑھ رہا تھا۔ شہنشاہ کو اپنی طرف متوجہ نہ دیکھ کر بڑی ہمت و جرأت سے کام لیکر کھڑکی کے سامنے جہاں سے روشنی آرہی تھی۔ کھڑا ہو گیا۔ اس طرح کمبوجیہ کی نگاہ خواہ مخواہ اس پر پڑی اور اس کا لباس ماتمی اور پیرہن تار تار دیکھ کر پہلے تو بہت چین بجبیں ہوا۔ پھر جب اُسے قدم بوس ہوتے دیکھا تو ایک تلخ آمیز مسکراہٹ کے ساتھ بولا "کہو کیوں آئے ہو؟ اور میرے پیروں پر کیوں گر رہے ہو"۔ گستاشپ۔ شہنشاہ کا ہمیشہ بول بالا رہے۔ حضور کا چچا۔ یہ ادنیٰ غلام اپنے آقا سے رحم و کرم کی التجا کرنے آیا ہے"

---

[۱] رخش یعنی:۔ رستم کے مشہور گھوڑے کا بھی یہی نام تھا۔

بادشاہ۔ (غصہ سے) بس میرے سامنے سے دور ہو! جھوٹے دغابازوں کے لئے ہرگز مجھے رحم نہیں آسکتا۔ تمہارا لڑکا بھی اس سازش میں شامل تھا۔ اور گردن زدنی کا مستحق ہے۔ اب تمہیں رنج وغم کرنا فضول ہے۔ ایک روسیاہ فرزند کا مر جانا ہی بہتر ہے۔

گستاشپ۔ لیکن اگر شہزادہ بردیہ بگیناہ ہوں۔ اگر دارا ......"

کمبوجیہ۔ (گرج کر) گستاشپ! تمہاری یہ مجال کہ مابدولت کے فیصلہ کے خلاف رائے زنی کرتے ہو!!

گستاشپ۔ (گردن جھکا کر) آقائے نامدار! غلام کا ہرگز یہ منشا نہیں۔ اور نہ کوئی شخص فرمان والاشان کے خلاف ایک لفظ بھی اپنی زبان سے نکالنے کی جرأت کر سکتا ہے۔ لیکن ......"

کمبوجیہ۔ خاموش! میں نہیں چاہتا کہ کوئی میرے سامنے اب گذشتہ واقعات کا ذکر کرے۔ تم الفت پدری کے سبب قابل رحم ہو۔ مجھے تمہاری پیرانہ سالی پر ترس آتا ہے۔ لیکن میرے لئے بھی یہ چند دن خوشی سے نہیں گذرے ہیں تاہم اپنے حکم کو اسی طرح منسوخ نہیں کر سکتا جس طرح تم اپنے فرزند کو اس کے جرم سے بری الذمہ نہیں کر سکتے۔

گستاشپ۔ لیکن اگر شہزادہ بردیہ بگیناہ ہوں۔ اگر یزدان پاک ....."

کمبوجیہ۔ تمہارا خیال ہے کہ اہرمزد۔ دروغ گو دغابازوں کی مدد کریگا؟

گستاشپ۔ نہیں یہ نہیں ہو سکتا۔ مگر جہاں پناہ! اُس نے ایک شخص کو غیب سے بھیجا ہے۔ ایک نیا گواہ آیا ہے جو ....."

کمبوجیہ۔ (حیرت زدہ) نیا گواہ! میں اپنی نصف سلطنت اس شخص کو بخشنے کے لئے تیار ہوں جو ان مجرموں کی بگیناہی ثابت کر دے۔ میرے بھی تو وہ قریبی عزیز و رشتہ دار ہیں۔

گستاشپ - (جوش مسرت سے) شہنشاہ کا اقبال ہمیشہ قایم رہے!! باہر ایک نووارد یونانی حاضر ہے۔ جو اپنی شکل نہ صورت وطرز و انداز سے اپنے ملک کا کوئی شریف سردار معلوم ہوتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ میں برد یہ کی بیگناہی ثابت کرسکتا ہوں۔

بادشاہ یہ سنکر زور سے ہنس پڑا اور بڑے مضحکہ وطنز آمیز لہجہ سے بولا "یونانی! شاید وہ برد یہ کی معشوقہ کا کوئی رشتہ دار یا چاہنے والا ہوگا - یہ اجنبی کب آیا؟ اسے ہمارے محل کے حالات کیونکر معلوم ہوگئے؟ میں ان بدمعاش یونانیونکو بخوبی جانتا ہوں یہ فطرتاً سخت بے حیا و گستاخ ہیں - اور ہر جگہ دخل دینے کو موجود ہوجاتے ہیں - اپنی چالاکی پر انھیں ناز ہے اور سمجھتے ہیں کہ جھوٹ وفریب سے ہر شخص دھوکے میں آسکتا ہے - ہچاجان یہ تو فرمائیے کہ آپ اس نئے گواہ کو کتنا زرو جواہر دیکر میرے سامنے لائے ہیں؟ میں کیا جانتا نہیں کہ یونانیوں کو دروغ گوئی[۱] اور محبوبیوں کو دعاگوئی میں مشق کامل حاصل ہے مجھے خوب معلوم ہے کہ روپئے کی خاطر وہ سب کچھ کرنے کو تیار ہیں - خیر میں آپ کے اس گواہ کے دیکھنے کا بہت مشتاق ہوں - ذرا بلائیے تو - (آنکھیں لال پیلی نکال کر) اگر وہ میرے سامنے جھوٹ بولنے کے ارادہ سے آنا چاہتا ہے تو بہتر ہوگا کہ باہر ہی رہے

---

[۱] ایرانی عموماً اہل یونان کو دروغ گو - لالچی و کمینہ خیال کرتے تھے - وہ تجارت پیشہ و بت پرست تھے اور اپنی خانہ جنگیوں میں پرانے دشمنوں سے امداد طلب کرتے تھے - جسے ایرانی سخت نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے -

یہی وجوہات تھے کہ گو ان دونو اقوام کا اکثر میل جول رہا - ہزاروں یونانی ایران کی رعایا تھے - یونانی سفارتیں مہینوں ایران میں فروکش رہیں - یونانی مفرورین پناہ گزیں ہوئے - یونانی حکما دربار ایران میں بلائے گئے اور یونانی صناعوں سے مختلف کام لئے گئے مگر ان تمام باتوں کا ایرانی تمدن پر بہت کم اثر پڑا - اور انکے بادشاہ اور امراء وغیرہ یونانی زبان سیکھنا یا انکا طرز معاشرت اختیار کرنا اپنے لئے باعث ننگ و ذلت سمجھتے رہے - اس طرح نہ صرف صنعت و حرفت و مذہب

کیونکہ جس معاملہ میں اپنے بھائی۔ اپنے والد مکرم کورش اعظم کے فرزند دلبند کی کچھ حقیقت میں نہیں سمجھتا۔ اس میں وہ کیا ہزاروں یونانیوں کے سر قلم ہوجائیں تو کچھ پرواہ نہ کرونگا۔

بادشاہ کی آنکھیں غصہ سے چمک رہی تھیں لیکن گستاشپ نے ہمت کرکے یونانی کو اندر بلانے کا اشارہ کیا۔ چوبداروں نے فوراً اُسے خبر کی۔ آداب شاہی سے اُسے مطلع کیا اور منہ پر ایک کپڑا باندھکر اندر لے آئے۔ یونانی ایک نہایت شائستہ و دلپذیر انداز سے شہنشاہ کی طرف جو اُسے بغور دیکھ رہا تھا آہستہ آہستہ بڑھا۔ اور قریب پہنچتے ہی ایرانی طریقہ سے نہایت ادب کے ساتھ زمین بوس ہوا۔ اسکی شریفانہ شکل وصورت۔ اسکی امیرانہ شان۔ اسکی نڈر ردمودبانہ ادانے بادشاہ پر باوجود اس کی خفگی کے نہایت عمدہ اثر کیا۔ اُس نے فوراً اس سے اُٹھنے کے لئے کہا اور کسی قدر ٹھنڈے ہوکر آشتی آمیز لہجہ سے پوچھا "تم کون ہو؟"

اجنبی۔ میں ایک یونانی امیر ہوں۔ میرا نام **فینیس** ہے۔ میرا وطن **اتھنز** ہے اور میں نے دس سال تک مصر میں یونانی فوج کی خدمت سپہ سالاری بہ نیکنامی انجام دی ہے۔

کمبوجیہ۔ کیا تمہیں وہ شخص ہو جس کی سرداری میں مصریوں کو **قبرس** پر فتح حاصل ہوئی تھی"

فینیس۔ جہاں پناہ۔ میں ہی وہ خادم ہوں۔

کمبوجیہ۔ تم کس غرض سے ایران آئے ہو۔

فینیس۔ شہنشاہ کا نام نامی شہرۂ آفاق ہے۔ میں بھی صرف یہ تمنا و خواہش دل میں لیکر آیا ہوں کہ اپنی تلوار اب خدمتِ شاہی کے لئے نذر کردوں۔ گر قبول افتد زہے عزوشرف

کمبوجیہ۔ بس اسی قدر۔ دیکھو صاف صاف بولو اور یاد رکھو کہ ذرہ بھی جھوٹ بولے تو تمہاری جان کی خیر نہیں ہے۔ ہم ایرانی بخلاف تم لوگوں کے صداقت وسچائی کا کچھ اور ہی مفہوم

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) بلکہ زبان بھی اجنبی اثر سے محفوظ رہی۔ چنانچہ فرامین شاہی قدیم فارسی میں لکھے جاتے تھے۔ اور غیر اقوام رعایا کو بھی جن میں بکثرت یونانی شامل تھے دارمی زبان مین احکامات صادر کئے جاتے تھے

(آرٹ آف پرشیا)

سمجھتے ہیں۔
فینیس۔ مجھے بھی دروغ گوئی سے سخت نفرت ہے۔ خصوصاً اس لئے کہ دروغ
ایک فطرتی یعنی سچی واصلی بات کو بگاڑ کر بدنما بنا دیتا ہے۔
کمبوجیہ۔ اچھا تو جو کہنا چاہتے ہو۔ کہو۔
فینیس۔ دراصل وہ امر جو میرے ایران آنے کا باعث ہوا کچھ اور ہی ہے جسے
پھر کسی موقعہ پر عرض کرونگا۔ کیونکہ اس کا تعلق اتنے بڑے اہم مسئلہ سے ہے کہ
اس پر بحث کرنے کے لئے کافی وقت ہونا چاہئے۔ آج ....."
کمبوجیہ۔ آج میں کوئی نئی بات سننا چاہتا ہوں۔ میرے ہمراہ شکار پر چلو۔ تم اچھے
وقت آئے۔ مجھے اپنے دل بہلانے اور غم غلط کرنے کی سخت ضرورت ہے
فینیس۔ غلام بسرو چشم حاضر ہے۔ لیکن حضور ....."
کمبوجیہ۔ مابدولت کوئی بہانہ یا عذر و شرط سننا نہیں چاہتے۔ تمہیں شکار
کھیلنا بھی آتا ہے؟
فینیس۔ اس ناچیز نے بہت سے شیر خود اپنے ہاتھوں سے لیبیا[۱] کے بیابانوں میں
مارے ہیں۔
کمبوجیہ۔ اچھا تو ہمارے ساتھ چلو۔ ہم بھی تمہاری ہمت و جرأت کا تماشہ دیکھیں۔
شکار کا خیال از سرنو پیدا ہوتے ہی کمبوجیہ کی افسردگی و سستی کسی قدر غائب
ہو چلی اور فی الفور روانگی کا ارادہ کرکے باہر جانا چاہتا تھا کہ گستاشپ پھر قدموں پر
گر پڑا اور دونوں ہاتھ اٹھا کر بڑی مایوسی و لجاجت سے عرض کرنے لگا "عالی جاہا۔
مجھے ابھی تک کوئی جواب نہیں ملا۔ کیا مجھ غریب کا فرزند اور حضور کا پیارا بھائی بےگناہ
قتل کئے جائیں گے۔ گورش اعظم اس غلام کو اپنا سچا بہی خواہ اور محب خاص سمجھتے

۱؎ ارض طرابلس کا قدیم نام

تھے۔ میں ہاتھ جوڑ کر حضور کو انھیں کی روح پاک کا واسطہ دیتا ہوں کہ اس معزز یونانی کی زبانی کچھ سُن لیجئے۔

کمبوجیہ۔ یکایک ٹھیر گیا۔ غصہ سے اُس کی تیوری پر بل پڑ گئے اور یونانی کی طرف ہاتھ اُٹھا کر بولا "اچھا کہو میں سنتا ہوں۔ مگر یاد رکھو ایک لفظ بھی زبان سے جھوٹ نکلا تو اپنی موت کا پیام ہی سمجھنا۔

فنیس نے اپنی گردن جھکا دی اور نہایت خوبی و انداز کے ساتھ یہ جواب دیا "اس دنیا میں کوئی شے نہ تو آفتاب سے پوشیدہ رہ سکتی ہے نہ میرے شہنشاہ سے۔ اگر اول الذکر کی روشنی عالمگیر ہے تو دوسرا روشن ضمیر ہے۔ پھر بھلا مجھ ایسے ایک ادنیٰ شخص کی ہمت ہو سکتی ہے کہ اصلیت یا حقیقت کو ایک ذرہ برابر بھی چھپانے کی کوشش کروں۔ میرے معزز و بزرگ گستاشپ کا خیال ہے کہ یہ ناچیز حضور والاجاہ کے عزیز بھائی کی بیگناہی کا ثبوت پیش کر سکتا ہے۔ یہ ایک ایسا عظیم و اہم کام ہے جس کے لئے خادم اپنے کو قابل نہیں سمجھتا لیکن یہ کہنے کی ضرور جرأت کر سکتا ہے کہ حسن اتفاق اور دیوتاؤں کے فضل سے اُسے ایک ایسا راز معلوم ہو گیا ہے جو گذشتہ واقعات پر ایک نئی روشنی ڈالتا ہے۔ حضور والا سُنیں گے تو خود فیصلہ کر لیں گے کہ میرا خیال صحیح ہے یا محض قیاسات پر مبنی ہے۔ بہرحال یہ تو حضرت اقدس پر واضح ہو جائیگا کہ یہ ناچیز صدق دلی کے ساتھ خدمت شاہ بجا لانا چاہتا ہے اور اگر اسے کوئی غلط فہمی ہوئی ہے تو معافی کے قابل ہے کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ اس دنیا میں کوئی بات یقینی نہیں ہو سکتی۔ اور ہر شخص اسی امر کو محقق بتاتا ہے جسے وہ اپنے عقل و ہوش کے مطابق صحیح و سچا سمجھتا ہے۔

کمبوجیہ۔ (متاثر ہو کر) تمہارا بیان دلپذیر ہے۔ یہ گفتگو سُن کر مجھے کسی اور کی باتیں یاد۔۔ اچھا۔ جو کچھ کہنا ہے چند لفظوں میں جلد بیان کرو۔ کتے باہر بھونک رہے ہیں۔ ہمارے شکار میں دیر ہوئی جاتی ہے۔

فینیس۔ بہت خوب۔ پہلے میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ جب حضور کی سفارت شہزادی نتیتیس کو لینے ایران سے آئی تھی تو میں مصر ہی میں تھا۔ اور اپنی معزز دوست مشہور خاتون روڈوفس کے مکان پر کریسس اور انکے فرزند سے کئی بار ملا تھا۔ اور شہزادہ بردیہ اور ان کے رفیقوں کو بھی ایک دو مرتبہ میں نے دور سے دیکھا تھا اور ان کی شکل وشباہت سے بخوبی آشنا تھا جس کا ثبوت یہ ہے کہ بعد ازاں جب مجھے ساموس میں وہاں کی مشہور ومعروف نقاش تھیوڈورس کے مکان پر جانے کا اتفاق ہوا تو میں نے شاہزادہ کی شبیہہ بآسانی پہچان لی۔

کمبوجیہ۔ ساموس! بردیہ وہاں کب گیا تھا؟

فینیس۔ وہ بذاتِ خود تشریف نہیں لے گئے تھے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ال کمیونی نے ڈلفی مندر میں رکھنے کے لئے تھیوڈورس سے سورج دیوتا کے سر کا ایک بت بنانے کی فرمائش کی تھی جس کے لئے اس ماہر فن نے آپ کے بھائی کی شکل پسند کی اور اسکی ایک نقل ایسی ہوبہو اتار دی کہ بالکل اصلیت کا گمان ہوتا تھا۔ انھیں صرف ایک ہی بار شہزادہ کو روڈوفس کی محفل میں دیکھنے کا اتفاق ہوا تھا۔

کمبوجیہ۔ تم ابھی سے خلاف قیاس باتیں کرنے لگے۔ یہ کس طرح ممکن ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص ایک ایسے آدمی کی شبیہہ جو اس کے سامنے موجود نہ ہو بنا سکے۔

فینیس۔ تھیوڈورس نے یہ کمال کر کے دکھا دیا۔ اگر حضور اس کا ثبوت چاہتے ہیں تو وہ ایک دوسرا اسی قسم کا مجسمہ بآسانی بنا کر حاضر کر سکتا ہے۔

کمبوجیہ۔ مجھے اس کی خواہش نہیں۔ اپنا واقعہ بیان کرو۔

فینیس۔ میں اپنے دوران سفر میں جو آپ کے والد مرحوم کے اعلیٰ درجہ کے انتظام کی وجہ سے اس غیر معمولی سرعت و آرام کے ساتھ طے ہوا۔ منزل بمنزل گھوڑے بدلتا ہوا

کمبوجیہ۔ تم یونانی غیر ملک کے باشندے ہو۔ تمھیں کس نے شاہی ڈاک کے گھوڑ دل

پر آنے کی اجازت دی؟

فینیس۔ کیمبیس کے پروانہ راہداری نے۔ جب میں مصر سے اپنی جان لیکر فرار ہوا تھا تو اسی شریف بہادر نوجوان نے بھیس بدلنے کے لئے اپنے کپڑے مجھے پہنا دیئے تھے۔ اسی وقت سے یہ پروانہ میرے قبضہ میں تھا۔

کمبوجیہ۔ (عرصہ کے بعد پہلی بار مسکرا کر) لیدیہ والے لونڈی کو دھوکہ دے سکتے ہیں۔ شامی ان سے بڑھ کر ہیں۔ مگر یونانی ان دونوں کے کان کاٹتا ہے۔ کریسس نے اس واقعہ کا مجھ سے ذکر کیا تھا۔ غریب کریسس!! کریسس کا خیال آتے ہی کمبوجیہ کے چہرہ کا رنگ یکایک بدل گیا اور اپنا ہاتھ پیشانی پر رکھ کر کچھ سوچنے لگا۔

یونانی۔ میرا تمام سفر بخیر و عافیت طے ہوا۔ مگر کل رات بعد از نصف شب ایک گھڑی ساعت گذری ہو گی کہ عجیب واقعہ پیش آیا جس کی وجہ سے مجھے راستہ میں ٹھیرنا پڑا۔

بادشاہ اب ہمہ تن دلچسپی کے ساتھ سُن رہا تھا۔ اس نے یونانی سے جو فارسی بمشکل بول سکتا تھا۔ جلد بیان کرنے کے لئے کہا۔

فینیس۔ حضور والا۔ ہم لوگ بابل کے قریب آخری منزل پر پہنچ گئے تھے اور اس امید میں تھے کہ صبح تڑکے شہر کے اندر داخل ہوں گے۔ میں اپنی گذشتہ زندگی پر خیال کر رہا تھا۔ اور بعض مظالم یاد کر کے جن کے انتقام کا میں نے بیڑہ اُٹھایا ہے۔ میرا دل غم و غصہ و رنج والم سے بھرا تھا اور نیند اُڑ گئی تھی لیکن میرا ساتھی جو ایک معمر مصری شخص تھا۔ تھوڑی ہی دیر میں گھوڑوں کی چاپوں۔ ان کی گھنٹیوں اور دریائے فرات کی لہروں کی آوازیں سُنتے سُنتے سو گیا اور خوب خراٹے لینے لگا۔ رات بڑی خوشگوار و سہانی تھی۔ چاندنی ایسی کھلی تھی کہ دن معلوم ہوتا تھا۔ مگر ہر طرف سناٹا چھایا تھا۔ نہیں کوئی گاڑی۔ مسافر یا سوار عرصہ سے نظر نہ آیا تھا۔ ہم نے سُنا تھا کہ مضافات بابل کے تمام باشندے شہنشاہ کی جشن سالگرہ منانے اور دعوتوں و تماشوں کا لطف اُٹھانے شہر

گئے ہیں۔ میں بھی اپنے دل میں سوچ رہا تھا کہ نہ معلوم کل مجھے کیا دیکھنا نصیب ہوتا ہے۔ کہ اتنے میں یکایک میں چونک پڑا۔ گھوڑوں کے پیروں کی آہٹ اور ان کی گھنٹیوں کی ٹن ٹن میرے کان میں آئی اور تھوڑی ہی دیر بعد کسی نے زور سے چیخ ماری اور ایک دلخراش آواز سے مدد کے لئے بُلایا۔ میں فوراً اُٹھ کھڑا ہوا اور گارڈ ی بان اور خادموں کو ہوشیار کر کے۔ جلدی جلدی ہتھیار باندھ ایک گھوڑے پر سوار ہو گیا اور ایڑ مارتا ہوا جس طرف سے آواز آرہی تھی سرپٹ گیا۔ چند منٹ بعد ایک نہایت خوفناک سین مجھے نظر آیا۔ تین نہایت خونخوار وحشی آدمی ایک نوجوان کو جو مجوسی پروہتوں کا سفید لباس پہنے تھا۔ گھوڑے سے نیچے گرا کر مار رہے تھے۔ اور اُسے پکڑے ہوئے دریا میں غوطہ دیکر ڈبونا چاہتے تھے کہ یکایک میں ایک بلائے ناگہانی کی طرح سر پر آپہنچا۔ اور نعرہ مار کر اس زور سے اُن پر حملہ آور ہوا کہ وہ گھبرا گئے۔ ایک کی کھوپڑی پھوٹی اور باقی ماندہ دُم دبا کر بھاگ گئے۔ میں نے بھی ان کا تعاقب کرنا مناسب نہ سمجھا اور زخمی شخص کو جھک کر دیکھنے لگا۔ میں اپنی حیرت و استعجاب کو بیان نہیں کر سکتا جب مجھے آپ کے بھائی شہزادہ بردیہ کی شکل نظر آئی۔ بعینہٖ وہی صورت وہی خط و خال تھے جو میں نے نوکراتیس میں یا تھیوڈورس کے مکان پر چند مہینے پیشتر دیکھے تھے۔

گستاشپ۔ عجب حیرت انگیز۔

کمبوجیہ۔ ہاں ایسا عجیب واقعہ کہ ناقابلِ یقین ہے۔ یونانی خبردار! یاد رکھ کہ میری قدرت و طاقت دور دور تک پہنچنے والی ہے اور تیرے اس بیان کی بآسانی تحقیق کر سکتا ہوں۔

یونانی۔ (ادب سے سر جھکا کر) جہاں پناہ۔ مجھے حکیم فیثاغورث کی شاگردی کا فخر حاصل ہے۔ جن کی شہرت آپ کے گوشِ مبارک تک بھی پہنچی ہو گی۔ بس انھیں کی دانشمندانہ نصیحت پر ہمیشہ عمل کرتا ہوں یعنی کبھی کوئی ایسی بات اپنی زبان سے نہیں نکالتا کہ آئندہ مجھے اس کی وجہ سے پشیمانی نصیب ہو۔

کمبوجیہ۔ بیشک یہ بہت عاقلانہ اور اچھا اصول ہے۔ مگر متھرا کی قسم میں ایک ایسی مکارہ سے دھوکہ کھا چکا ہوں جس کی زبان پر ہمیشہ اسی حکیم کا نام رہا کرتا تھا۔ لیکن اپنے اعمال و کردار سے اُس نے ظاہر کر دیا کہ درحقیقت اہرمن کی شاگرد رشیدہ تھی۔ تم اُس دغاباز عورت سے شاید واقف ہو گے اور آج دیکھ بھی لو گے کہ اُسے اپنے کرتوتوں کی کیسی سخت سزا ملتی ہے۔

فینس۔ (کمبوجیہ کے چہرہ پر حزن و ملال کے آثار دیکھ کر) قصور معاف۔ میں اپنے مشہور اُستاد کا ایک دوسرا قول بھی حضور کے سامنے بیان کرنا چاہتا ہوں۔

کمبوجیہ۔ وہ کیا ہے؟

فینس۔ اس دنیا کی بڑی سے بڑی نعمت بھی حاصل ہوتے ہی فوراً گم ہو جاتی ہے اور نعمت نہیں رہتی۔ اسی طرح رنج و غم بھی ایک عارضی کیفیت کا نام ہے جسے صبر و شکر کے ساتھ برداشت کر کے ہمیشہ یہ یاد رکھنا چاہئے کہ دیوتا انسان پر کبھی اس قدر بوجھ نہیں ڈالتے جسے وہ اٹھا نہ سکے۔ اس لئے مصیبت کے وقت انہیں الزام دینا یا اُن سے گلہ و شکوہ کرنا بالکل بیجا ہے۔ بلکہ بجائے اسکے لازم ہے کہ انسان صبر و استقلال کا دامن کبھی نہ چھوڑے اور اپنے مجروح دل کو چھیڑنے سے اسی طرح اجتناب کرے جس طرح اپنی زخمی آنکھ کو چھونے سے باز رہتا ہے اور یاد رکھے کہ سوہان روح کا سب سے عمدہ علاج صرف دو باتیں ہیں۔ امید و صبر۔

کمبوجیہ۔ فیثاغورث کے اس عاقلانہ قول کو سُنکر لفظ صبر پر مسکرایا۔ تاہم یونانی کی گفتگو اُسے پسند آئی اور اُس کے باقی حالات سُننے کا مشتاق ہوا۔

فینس۔ بعد ازاں میں اُس نوجوان کو جو بیہوش تھا اپنی گاڑی میں لے گیا اور سرائے قریب ہی تھی وہاں پہنچکر اُسے لٹا دیا۔ کچھ دیر بعد اُس نے آنکھیں کھولیں اور حیرت سے میری طرف دیکھ کر پوچھا کہ میں کون ہوں اور کیا واقعہ گذرا۔ میرا منزل قریب ہی کھڑا ہوا تھا

اس لئے اس خیال سے کہ کہیں اُسے شبہ نہ ہو جائے کہ میرا پروانہ جعلی ہے مجھے مجبوراً اپنے آپ کو کری سمس کا فرزند بتانا پڑا۔ مجروح شاید کیمبیس سے واقف تھا کیونکہ میری زبان سے اُسکا نام سُنتے ہی اُسنے گردن ہلا کر آہستہ سے کہا۔ تم تو وہ نہیں معلوم ہوتے۔ پھر اُس کی آنکھیں بند ہو گئیں اور بخار کی وجہ سے کانپنے لگا۔ میں نے اُس کی آستین کھول کر فصد لی۔ زخموں کو صاف کر کے پٹی باندھی۔ میرا ایرانی غلام جو فرعون کا داروغۂ اصطبل رہ چکا تھا اور جس نے بردیہ کو کئی بار اُس کے دربار میں دیکھا تھا۔ نیز وہ بوڑھا مصری بھی جو میرا ہمسفر تھا یہ دونوں بڑے دعوے کے ساتھ کہنے لگے کہ زخمی سوائے حضور کے بھائی کے اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ پھر مالک سرائے نے بھی اسکا چہرہ بغور دیکھکر انکی تائید کی۔ اسی اثنار میں مصری اپنی دوائیوں کا بکس جیسے یہ لوگ ہمیشہ اپنے ساتھ سفر میں رکھتے ہیں۔ باہر جا کر لے آیا اور اس میں سے ایک دوا نکال کر نوجوان کو پلائی۔ جس کے چند قطروں کا مُنہ میں جانا تھا کہ عجیب و غریب اثر ہوا۔ بخار جاتا رہا اور صبح ہوتے ہوتے بیمار نے اپنی آنکھیں کھول دیں۔ جب ہم نے اُسے ہوش میں دیکھا تو آپ کا بھائی سمجھ کر نہایت ادب سے اُسے سلام کیا اور بابل کے محل شاہی میں چلنے کے لئے عرض کیا مگر اُس نے بہت زور کے ساتھ انکار کیا اور کہا کہ میں وہ شخص نہیں ہوں جو تم لوگ سمجھے ہوئے ہو بلکہ...،

بادشاہ۔ (حیرت سے) بردیہ کے اس قدر مشابہ کون شخص ہو سکتا ہے۔

فینیس۔ وہ گوماتا حضور کے مہا پجاری کا چھوٹا بھائی ہے۔ اس نے جب اپنا نام بتایا تو مجھ سے کہا کہ اگر یقین نہ ہو تو اُس پروانہ میں جو اُس کی آستین میں موجود ہے دیکھ سکتا ہوں۔ مالک سرائے کو پڑھنا آتا تھا اُس نے وہ کاغذ نکال کر پڑھا اور زخمی نوجوان کے قول کی پورے طور سے تصدیق کی۔ تھوڑی دیر بعد اسکے بخار کا پھر زور ہوا۔ اور حالتِ ہذیان میں طرح طرح کی باتیں بکنے لگا۔

بادشاہ۔ وہ تمھاری سمجھ میں بھی آئیں؟

فینس - جی ہاں - باغاتِ معلقہ کا نام بار بار اُس کی زبان پہ آتا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ کسی بڑے خطرے سے بچ کر وہاں سے بھاگا تھا اور ایک عورت مندانا نامی سے وہاں جا کر ملا تھا۔

کمبوجیہ - (پیشانی پہ ہاتھ رکھ کر) مندانہ! مندانہ! اگر میری یاد دھوکہ نہیں دیتی ہے تو یہ نام شاید دختر فرعون کی بڑی خواص کا ہے۔

ان الفاظ نے یونانی کو یکایک چونکا دیا۔ وہ خاموش کچھ دیر تک سوچتا رہا پھر بادشاہ کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے بڑے جوش سے بولا "جہاں پناہ! قیدیوں کو رہا کر دیجئے۔ اگر شاہزادہ بردیہ نے باغ میں قدم بھی رکھا ہو تو میرا سر حاضر ہے۔"

کمبوجیہ یہ دلیرانہ کلمات سُنکر بہت حیران ہوا۔ مگر وہ ناخوش نہ تھا۔ یونانی کا مؤدبانہ آزادانہ برتاؤ اسے ایک نئی بات معلوم ہوئی۔ اسکے امراء وزراء بلکہ قریبی عزیز و اقارب تک بلا اپنا سر خم کئے کبھی اُس سے گفتگو کی جرأت نہ کرتے تھے مگر یہ یونانی عجیب تھا کہ آنکھیں سامنے کئے باتیں کرتا تھا۔ ایرانی اُمراء اپنے شہنشاہ کی ہر بات پر "جی حضور" اور خوشامدانہ جملے کہتے تھے مگر اس اجنبی کے کلام میں سادگی اور آزادی پائی جاتی تھی وہ اپنی حرکات و سکنات سے اس خوش اسلوبی کے ساتھ تمام مطلب بیان کر جاتا تھا کہ باوجود زبان داں نہ ہونے کے کمبوجیہ اسے بآسانی سمجھ لیتا تھا۔ یہ شخص اور نتیتس ہی صرف دو ایسے تھے جن سے بوقت گفتگو وہ تھوڑی دیر کے لئے بھول جاتا تھا کہ میں شہنشاہ ہوں اور مخاطب کی موت و زندگی میرے قبضہ قدرت میں ہے۔ یہ احساس ایک مغرور، جابر و قادر شخص کے لئے انوکھا تھا لیکن جس طرح سمندر کی خوشگوار ہوا ایک درماندہ شخص کے جسم و جان میں ایک نئی روح پھونک دیتی ہے۔ اسی طرح اس وقت اس آزاد منش اجنبی کی باتوں نے بادشاہ کے غمزدہ دل پر اپنا اثر کیا۔ وجہ یہ کہ وہ اُس کی اُس سب سے زیادہ محبوب شئے کو جو نہ صرف گم ہو گئی تھی بلکہ اس سے بھی بدرجہا بدتر تھی۔ زندہ واپس لانے کی اُمید

ہو لار ہا تھا۔ تاہم کیا وہ اُس کے قول پر اعتبار کرے اور اپنے بڑے بڑے معزز امرا کی شہادت
کے مقابلہ میں اسے ترجیح دے۔ غرض کہ اس کے دل میں ایک عجیب پیچ وتاب تھا۔
وہ فینیس کی رائے زنی یعنی قیدیوں کی رہائی کے مشورے سے ناخوش نہ ہوا۔ بلکہ اسکی
بیباکی و دلیری کو دیکھ کر کہ جوش میں اپنی ڈاڑھی اور منھ پر سے کپڑا اتار کر پھینک دیا تھا
بے اختیار ہنس پڑا اور کہنے لگا دو منھرا کی قسم! یونانی! ہم سمجھتے ہیں کہ تم ہماری
خوشنودی و بھلائی کے خواہاں ہو۔ تمہاری تجویز ہمیں پسند ہے۔ مگر یاد رکھنا کہ مزید تحقیقات
کے بعد یہ سب غلط ثابت ہوا اور تم مجرم و خطاوار ٹھیرے تو تمام عمر میرے دربار میں
ایک خادم کی حیثیت سے رہنا پڑیگا۔ لیکن بخلاف اس کے نتیجہ میری تمنائے دلی و خواہش
کے موافق نکلا تو اپنے ملک میں تمام امرا سے سب سے زیادہ تمہیں دولت و زر سے مالا
مال کردونگا۔

فینیس۔ (مسکرا کر) حضور والا۔ مجھے اجازت ہے کہ میں چند سوال آپ اور آپ کے
درباریوں سے کرسکوں۔

کمبوجبیہ۔ ہاں ہاں۔ تم بخوشی پوچھ سکتے ہو۔

اتنے میں میر شکار ہانپتا کانپتا سامنے حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا کہ شکار کا تمام
سامان تیار ہے۔

کمبوجبیہ۔ ٹھیرو! شاید آج ہم شکار کو نہ جاسکیں۔ لیشن کوڑہ برداروں کا سردار کہاں ہے؟

داتا جسے "چشم شاہ"[1] کہتے تھے یہ سنتے ہی فوراً دوڑتا ہوا باہر گیا اور ایک
چشم زدن میں لیشن کو اپنے ساتھ لے آیا۔ اسی اثنا میں فینیس بھی چند امرا سے بعض
حالات کے متعلق دریافت کرتا رہا۔

کمبوجبیہ۔ (لیشن سے جو اُسکے قدموں پر سرنگوں تھا) قیدی کیا کر رہے ہیں؟

[1] موجودہ زمانہ کے لحاظ سے اسے کوتوال شہر کہنا چاہیے۔ یہ نہایت معزز عہدہ تھا۔

بشن۔ شہنشاہ کا اقبال بلند رہے۔ اسیرانِ شاہ صبر و استقلال کے ساتھ موت کا انتظار کر رہے ہیں۔ حضور کے حکم پر جان دینا بھی اُن کی عین خوشی و راحت کا باعث ہے۔

کمبوجیہ۔ تو نے انھیں آپس میں باتیں کرتے بھی سُنا؟

بشن۔ جی حضور۔ میں نے سُنا۔

کمبوجیہ۔ انھوں نے ایک دوسرے سے اپنے جرم کا اقبال بھی کیا؟

بشن۔ متھرا ہی اُنکے دل کے حال سے واقف ہے۔ لیکن جو باتیں اس غلام نے اپنے کانوں سے سُنیں۔ اگر بندگانِ عالی بھی سُنتے تو شاید اُن کی بےگناہی کے قائل ہو جاتے۔

بشن بڑی ہمت کر کے یہ کہہ تو گیا مگر بادشاہ کے غصہ کا خیال آتے ہی خوف سے تھر تھر کانپنے لگا اور نہایت مایوسی و لجاجت کے ساتھ سر اُٹھا کر کمبوجیہ کی طرف دیکھنے لگا مگر اُس کے چہرہ پر خوشی اور ہونٹوں پر مسکراہٹ پا کر نہایت حیران و ششدر رہا۔ کمبوجیہ کچھ دیر تک سوچتا رہا پھر ایک خیال آتے ہی افسردہ خاطر ہو گیا اور نہایت کمزور آواز سے بولا "بشن تو نے کریسس کو کس وقت قتل کیا؟" یہ الفاظ سُنتے ہی افسر سر سے پیر تک کانپ اُٹھا۔ دہشت کے مارے پسینے پسینے ہو گیا اور بمشکل یہ الفاظ اُس کی زبان سے ادا ہو سکے "وہ ۔ ۔ ۔ ۔ وہ ہیں ۔ ۔ ۔ میں نے خیال کیا تھا"

بادشاہ۔ (جلدی سے۔ اسکے دل میں ایک امید پیدا ہو گئی) تو نے کیا خیال کیا؟ کیا تو نے میرے حکم کی فوراً تعمیل نہیں کی؟ کریسس زندہ ہے کہ نہیں؟ بول۔ تو چُپ کیوں ہے۔ میں بالکل سچ بات سُننا چاہتا ہوں"

بشن کی بُری حالت تھی۔ بادشاہ کے قدم پکڑے ہوئے اپنی پیشانی رگڑ رہا تھا اور گھبرایا ہوا منہ ہی منہ میں کچھ کہہ رہا تھا۔ بالآخر سر اُٹھا کر اپنے دونوں ہاتھ اس نے سامنے پھیلا دیئے اور بہت گڑگڑاتے ہوئے کانپتی آواز سے بولا "میرے آقا۔ میرے مولا۔ رحم۔ رحم۔ میں بہت غریب ہوں۔ میرے تیس ۳۰ بچے ہیں جن میں سے پندرہ ۔ ۔ ۔ ۔"

کمبوجیہ۔ یہ کیا بکتا ہے۔ میں پوچھتا ہوں کہ گری سس زندہ ہے یا نہیں؟
نبشن۔ وہ زندہ ہیں۔ اُن کے مجھ پر بڑے احسانات تھے۔ میں نے خیال کیا کہ ایک گھنٹے کی مہلت دینے میں کچھ حرج نہ ہوگا۔ آقا۔ اس غلام کا قصور معاف ......"
بادشاہ۔ (اطمینان سے ایک لمبی سانس لیکر) بس یہ کافی ہے۔ مابدولت تیری اس حکم عدولی کو قابل سزا نہیں سمجھتے۔ اور چونکہ تو اس قدر صاحب اولاد ہے۔ ہمارے خزانہ سے تجھے دو ٹیلنٹ بطور انعام عطا کئے جائیں گے۔ اب اُٹھ اور جلد گری سس کو میرے پاس بھیجدے اور قیدیوں کو بھی یہ مژدہ سُنا دے کہ وہ بیگناہ ہیں اور جلد رہا کر دیئے جائینگے۔
نبشن۔ (جوش مسرت سے) شہنشاہ کا رحم وکرم آفتاب عالمتاب کی طرح زندگی بخش وبے پایاں ہے۔
کمبوجیہ۔ بردیہ اور اُس کے رفیق رہا ہونے ہی۔ تیرے ہمراہ محل کے اندر داخل ہوسکتے ہیں (داتا سے مخاطب ہوکر) تو فوراً باغات معلقہ جا اور بوگس کو حکم دے کہ دختر فرعون کو ابھی سزا نہ دی جائے۔ پھر چند سوار اُس منزل پر بھیجکر جس کا نام یونانی نے لیا ہے۔ وہاں سے زخمی شخص کو بحفاظت تمام مابدولت کے سامنے جلد حاضر کر۔
داتا رخصت ہونے والا ہی تھا کہ فینیس نے اُسے روک کر بادشاہ سے کہا دو حضور والا۔ میری ایک اور التجا ہے اگر اجازت ہو تو عرض کروں؟"
بادشاہ۔ کہو۔
فینیس۔ میرے خیال میں سردار خواجہ سرا سے ہمیں بہت سی باتوں کا پتہ لگ سکتا ہے کیونکہ زخمی شخص نے ہذیان کی حالت میں اپنی معشوقہ کے ساتھ کئی بار اسکا بھی نام لیا تھا۔
کمبوجیہ۔ داتا۔ جلدی جا۔ اور بوگس کو فوراً حاضر کر۔
فینیس۔ گوماتا کے بھائی موبد اعظم کو بھی طلب کیا جائے اور مندانہ وخادمہ دختر فرعون کی موجودگی بھی بہت ضروری ہے۔

کمبوجیہ۔ داتا اُسے بھی اپنے ہمراہ لیتے آنا۔

فینس۔ اگر شاہزادی نتیتیس خود ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ؛

یہ نام سُنتے ہی کمبوجیہ کا رنگ فق ہو گیا اور جسم کانپ اُٹھا۔ وہ اپنی معشوقہ کو دیکھنے کے لئے از حد بیتاب تھا مگر اس کی ملامت آمیز ہوش رُبا آنکھوں کی تاب نہ لاسکتا تھا اس لئے بہت ضبط کر کے داتا سے بولا "جا! بوگس و مندانہ کو فوراً حاضر کر۔ نتیتیس ابھی محل ہی میں مقیم رہیں گی۔ یہاں آنے کی ضرورت نہیں ہے" یہ کہہ کر وہ تخت پر بیٹھ گیا اور اپنا سر ہاتھ سے پکڑے زمین کی طرف دیکھ کر کچھ سوچنے لگا۔ حوروش و ملائک فریب نتیتیس!! اس کی معشوقہ دلنواز کی تصویر آنکھوں کے سامنے پھر رہی تھی اور کسی طرح دور نہ ہوتی تھی۔ گذشتہ صحبتوں کی یاد دل کو بے تاب کر رہی تھی اور یہ خیال کہ وہ بالکل بیگناہ ہے رفتہ رفتہ اس کے تمام شک و شبہات پر غالب آرہا تھا۔ اگر بردیہ کی طرف سے صفائی ہو جائے تو پھر اُسے پورا اطمینان ہو جائے اور وہ خود اُسے لینے کے لئے باغات معلقہ جائے اور معافی کا خواستگار ہو کر جشن شادی کی تیاریاں کرے۔ گذشتہ چند دنوں کے واقعات نے طرح طرح کے وسوسے و خیالات دل میں پیدا کر کے اس کی انتقام کی آگ حد سے زیادہ بھڑکا دی تھی لیکن کیا اُس کی محبت میں کچھ فرق آیا تھا؟ نہیں ہر گز نہیں۔ بلکہ اب تو وہ اور بھی زیادہ فزوں تھی۔ سچ ہے کہ عشق جب کسی پختہ کار و سن رسیدہ شخص پر غلبہ پاتا ہے تو اس کے دل و دماغ و رگ و ریشے میں اس طرح سرایت کر جاتا ہے کہ تا بہ زندگی نجات ملنا ناممکن ہے۔

کمبوجیہ ابھی اپنے خیالات میں مستغرق تھا کہ کریسس سامنے آکر قدموں پر گر پڑا بادشاہ نے بڑی شفقت و مہربانی کے ساتھ اُسے اُٹھا کر کہا "کریسس میں تم سے ناراض تھا مگر اب معاف کرتا ہوں۔ تم ہمارے خاندان کے سچے ہمدرد و بہی خواہ ہو والد مرحوم کی بھی یہ آخری وصیت تھی کہ تمہارا ہمیشہ پاس و لحاظ رکھوں۔ مجھے افسوس ہے کہ

گذشتہ واقعات نے ہمارے تعلقات کو بالکل قطع کر دیا تھا مگر اب تم انھیں بھول جاؤ۔ میں بھی تمہاری گستاخیاں دل سے معاف کرتا ہوں۔ اور مشیر سلطنت کے اعلیٰ عہدہ پر پھر تمہارا تقرر کرتا ہوں۔ اس وقت ایک اجنبی ہمارے دربار میں موجود ہے جو تم سے اپنی شناسائی کا اظہار کرتا ہے اور کچھ گفتگو کرنا چاہتا ہے۔ جس کے متعلق میری خواہش ہے کہ تمہاری بھی رائے سنوں"۔ کریسس یہ سُنکر دوبارہ قدمبوس ہوا۔ پھر یونانی کی طرف متوجہ ہوا۔ جسے دیکھتے ہی اس نے پہچان لیا اور بڑی مسرت کے ساتھ اُس سے بغلگیر ہوا فینیس نے تمام واقعات سے اُسے مطلع کیا۔ کریسس بڑی توجہ و دلچسپی کے ساتھ سُنتا رہا بعدازاں آسمان کی طرف اپنے دونوں ہاتھ اُٹھا کر انتہائے جوش سے بولا "۔ اے پاک دیوتاؤ۔ مجھے معاف کرنا کہ تمہارے عدل وانصاف پر میں نے شک وشبہ کا اظہار کیا تھا (کمبوجیہ سے) شاہا! یہ کس قدر عجیب وغریب واقعہ ہے کہ میرے پیارے گیجیس نے اپنی جان معرض خطر میں ڈال کر اس شریف یونانی کو رہائی دلائی۔ جسے دیوتا اب اس غرض سے ایران لائے کہ اپنے احسان کا دس گنا معاوضہ ادا کرے۔ اگر فینیس مصر میں قتل ہو جاتا تو ہمارے پیارے بچوں و عزیزوں کے سر بھی اُس وقت اپنے تن سے جدا نظر آتے"۔ اتنا کہکر کریسس و گستاشپ دونوں ایک دوسرے سے لپٹ گئے اور فرط مسرت سے بے ساختہ رونے لگے۔ یہ دیکھکر کمبوجیہ اور تمام حاضرین دربار نہایت متاثر ہوئے۔ اور اب کسی کو بھی بردیہ کی بے گناہی پر شبہ نہ رہا۔

سچ ہے کہ جب ارتکاب جُرم محض قیاسی ہوتا ہے تو ایک بیردہ کار کے دلائل جادو کا اثر رکھتے ہیں۔ اور تمام شبہات بہت جلد دور ہو جاتے ہیں۔

باب بائیسواں ۲۲

رہائی

فینس۔ بردیہ کی گرفتاری کے افسوسناک حالات سنتے ہی فوراً اپنی غیر معمولی دانائی و فراست سے حقیقت و اصلیت کی تہہ پر پہنچ گیا تھا۔ یعنی کوئی دشمن درپے آزار ہے جس کے بغض و عداوت کا نتیجہ ہے اور شہزادہ کا خنجر باغ میں پایا جانا اس کا ایک بدیہی ثبوت ہے۔ وہ انہیں شبہات کو بادشاہ کے سامنے بیان کر رہا تھا کہ اتنے میں چوبدار موبد اعظم اُروسپتس کو ساتھ لئے حاضر ہوا۔ کمبوجیہ نے اسے دیکھتے ہی بلا کسی تمہید وغیرہ کے نہایت رکھائی کے ساتھ پوچھا "تمہارا کوئی بھائی بھی ہے"؟

موبد اعظم۔ جی ہاں۔ حضور۔ ہمارے چھ بھائی بہنوں میں صرف میں اور وہ باقی رہ گئے ہیں۔ ہمارے والدین ......

بادشاہ۔ یہ بھائی تم سے بڑا ہے یا چھوٹا؟

اُروسپتس۔ میں سب سے بڑا ہوں۔ میرا بھائی سب سے چھوٹا ہے اور ہمارے والدین کا بڑا چہیتا تھا۔

بادشاہ۔ خیر اب یہ بتاؤ کہ اس میں اور میرے کسی عزیز کی شکل و صورت میں کوئی خاص مشابہت پائی جاتی ہے؟

موبد اعظم۔ (چونک کر) جہاں پناہ! یہ بالکل صحیح ہے۔ راغہ[۵۱] کی درگاہ میں جہاں میرا بھائی مقیم ہے۔ تمام پجاری اسے شہزادہ کہتے ہیں کیونکہ وہ حضور کے بھائی بردیہ سے بہت

[۵۱] رے جس کے کھنڈر طہران سے ۶ میل جنوب مشرق واقع ہیں۔

مشابہ ہے۔

بادشاہ۔ کیا وہ اس زمانہ میں کبھی بابل آیا تھا؟

موبد اعظم۔ جشن نوروز کے بعد پھر وہ نہیں آیا۔

بادشاہ۔ تم سچ بول رہے ہو؟

موبد اعظم۔ میرا لباس، میرا عہدہ و مرتبہ اس امر کی دلیل ہے کہ اگر ایک حرف بھی میری زبان سے خلاف واقعہ نکلے تو سب سے زیادہ گنہگار و مستوجب سزا سمجھا جاؤں۔

بادشاہ۔ (غصہ سے چلاکر) پھر بھی تم میرے سامنے جھوٹ بول رہے ہو۔ کیونکہ گوماتا کل شام یہاں موجود تھا۔ ما بدولت کا خوف شاید تمہارے دل سے محو ہو گیا ہے۔

اروسپتس۔ شاہا! میری جان و مال۔ ہر شے کا تو ہی مالک ہے جو چاہے سزا دے سکتا ہے۔ مگر میں ایران کا سب سے بڑا اتھرون[۱۵] ہوں اور اُسی یزدان پاک کی جس کی تیس[۳۰] سال سے عبادت کر رہا ہوں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ مجھے اپنے بھائی کے بابل میں آنے کی بالکل خبر نہیں۔

کمبوجیہ۔ (متاثر ہو کر) تمہارے چہرہ سے مجھے صداقت کا یقین ہوتا ہے۔"

موبد اعظم۔ قبلۂ عالم کو خود ہی معلوم ہے کہ کل میں ایک لحظہ کے لئے بھی حضور کے قدموں کے پاس سے جدا نہیں ہوا تھا۔

کمبوجیہ۔ ہاں۔ مجھے معلوم ہے۔

اتنے میں چوبدار ایک عورت کو جو خوف و دہشت کے مارے تھر تھر کانپ رہی تھی پکڑے ہوئے دربار میں لائے۔ یہ نسترانہ تھی جسے دیکھتے ہی اروسپتس چونک پڑا۔ اور بادشاہ بھی جو بغور اُسے دیکھ رہا تھا فوراً تاڑ گیا کہ ان دونوں کا ضرور ایک دوسرے کے ساتھ کوئی تعلق ہے۔

کمبوجیہ۔ تم اس لڑکی کو پہچانتے ہو؟

۱۵ رئیس روحانی۔

ارو پتیس - جی - خداوندا میں اسے جانتا ہوں - میری ہی سفارش سے یہ ملکہ نتیتس کی خواص مقرر ہوئی تھی - اہرمزد اس پر رحم کرے -

کمبوجیہ - اس نوجوان عورت سے تمہیں کیوں اس قدر دلچسپی ہوئی ؟

موبد اعظم - اس کا باپ ایک مشہور پروہت اور ہمارے خاندان کا دوست تھا جب اس ملک میں وبائے طاعون پھیلی جس نے میرے بھائیوں کا خاتمہ کر دیا - تو اُسی بیماری میں اس لڑکی کے والدین کا بھی یکایک انتقال ہو گیا - اور میں نے اس یتیمہ کو متبنیٰ کر لیا - کیونکہ ہمارے مقدس مذہب میں یہ حکم ہے کہ جو کوئی کسی مومن یا اس کی اولاد کے ساتھ سلوک کریگا تو اُسے اس پاک زمین سے نکال کر ایسے خوفناک مقام میں پھینک دیا جائیگا - جہاں کانٹے اُسکے جسم میں چبھوئے جائیں گے اور سخت عذاب میں مبتلا ہو گا - غرضکہ میں نے اسی خیال سے اسے بیٹی بنا کر اپنے مکان میں رکھا اور گوماتا کے ساتھ اس کی تعلیم و تربیت اس زمانہ تک کی جب وہ بڑا ہو کر خانقاہ میں جانے کے قابل ہو گیا -

بادشاہ - (فنیس کی طرف ایک پُرمعنی نگاہ سے دیکھکر - موبد اعظم سے خطاب کر کے) پھر تم نے اس غریب لڑکی کو بھی جو حسین و تعلیم یافتہ تھی اپنے گھر سے نکال دیا - کیا وجہ ؟

موبد اعظم - جب یہ جوان ہوئی اور بالیاں پہننے لگی تو میں نے اسے اپنے یہاں رکھنا مناسب نہ سمجھا اور اس کی آیندہ بہبودی و بھلائی کے لئے محل میں سفارش کر کے نوکر رکھا دیا -

بادشاہ - کیا یہ لڑکی جوان ہونیکے بعد بھی تمہارے بھائی سے کبھی ملی ہے -

موبد اعظم - جی ہاں - جب گوماتا میرے یہاں آتا تھا تو مندانہ سے مثل اپنی بہن کے ملتا جلتا و سلوک کرتا تھا - مگر جب میں نے دیکھا کہ بچپن کی محبت میں جوانی کے جذبات پیدا ہو چلے ہیں تو مجھے اندیشہ ہوا اور میں نے ان دونوں کو علحدہ رکھنا مناسب سمجھا -

بادشاہ - (موبد اعظم کو ایک طرف کھڑے ہونے کا اشارہ کر کے) ہم کو اب کافی معلوم

ہو گیا۔ لڑکی کو سامنے لاؤ۔

جس وقت منڈانہ سامنے لائی گئی تو بادشاہ نے گھور کر اس کی طرف دیکھا اور ایک گرجتی ہوئی خوفناک آواز سے کہا "کھڑی ہوجا" منڈانہ کا تمام جسم بید کی طرح کانپ رہا تھا۔ اسکے گلگوں رخساروں پر موت کی زردی چھائی ہوئی تھی اور سُرخ سرخ ہونٹ دہشت سے نیلے پڑ گئے تھے۔

کمبوجیہ۔ کل شام کے واقعہ کے متعلق جو کچھ جانتی ہے بیان کر۔ یاد رکھ ذرا بھی جھوٹ بولی اور تیرا سر قلم کر دیا گیا۔

لڑکی کی زبان مارے خوف کے بند تھی۔ اس کے جسم پر اس قدر لرزہ تھا کہ بمشکل کھڑی ہو سکتی تھی۔

کمبوجیہ۔ (چلا کر) تو بولتی ہے کہ نہیں۔ میں زیادہ انتظار نہیں کر سکتا۔

یہ سُننا تھا کہ غریب منڈانہ کی حالت اور بھی ابتر ہوگئی۔ آنکھیں باہر نکل پڑیں۔ چہرہ پر ہوائیاں اُڑنے لگیں۔ قوت گویائی پہلے ہی سلب ہو چکی تھی اب رہے سہے ہوش حواس بھی غائب ہو گئے۔ یہ حال دیکھکر فنیس نے بادشاہ سے مؤدبانہ عرض کیا کہ اُسے لڑکی سے سوال کرنے کی اجازت دی جائے۔ شاید تسکین و دلاسے کے بعد اس کا خوف کم ہو اور زبان کُھل جائے۔ بادشاہ نے اشارہ سے اپنی رضامندی کا اظہار کیا۔ یونانی کا خیال صحیح نکلا کیونکہ جیوں ہی اس نے لڑکی کے سر پر دست شفقت پھیر اُسے پچکارا اور سمجھایا بُجھایا کہ ڈر نہیں صاف صاف کہدے۔ تیرا بال بیکانہ ہوگا۔ میں ذمہ لیتا ہوں تو وہ اپنا مُنہ چُھپا کر زار وقطار رونے لگی اور آنسوؤں کی جھڑی جاری ہوتے ہی گویائی بھی آگئی پھر سسکیاں لے لے کر رکتی ہوئی زبان سے اُسنے سارا اگچا چٹھا بیان کر دیا۔ اور بوگس کی شراکت کا ذکر کرکے آخر میں یہ کہا "میں عنقریب موت کے مُنہ میں جانے والی ہوں اور جانتی ہوں کہ حد درجہ گنہگار و سزاوار قتل ہوں۔ اس دنیا میں کون مجھ سے زیادہ گمراہ

دنا شکرہ ہو سکتا ہے۔ لیکن یہ تمام مصیبتیں (موبد اعظم کی طرف اشارہ کر کے) ان حضرت کی لائی ہوئی ہیں۔ اگر یہ اپنے بھائی سے میری شادی کر دیتے تو کیوں یہ نوبت آتی"۔ یہ آخری جملہ کچھ ایسی آرزو و تمنا۔ جھنجھلاہٹ و غصہ کے ساتھ ہچکیاں لے لیکر اس کی زبان سے ادا ہوا کہ نہ صرف تمام حاضرین بلکہ بادشاہ بھی ہنس پڑا۔ یہ بہت غنیمت ہوا۔ کیونکہ اس ہنسی نے غریب مندانہ کی جان جو اس وقت ایک کچے دھاگے سے ٹلکی نظر آتی تھی۔ بچالی۔ کمبوجیہ کی خوشنودی و خندہ زنی کا ایک اور بھی سبب ہوا۔ وہ یہ کہ مندانہ اس طبعی فراست سے جو خطرہ کے وقت جنس اناث کی ہمیشہ رہبری کرتی ہے فوراً سمجھ گئی کہ مخاطب کی خاص کمزوری سے کس طرح فائدہ اٹھانا چاہیے۔ اس لئے اس نے ان تحائف کا ذکر کیا جو بادشاہ نے اپنی محبوبہ کو روانہ کئے تھے اور انھیں دیکھکر نتیتیس کو جو خوشی و مسرت ہوئی تھی اسے مبالغہ آمیز الفاظ میں ادا کرنے لگی۔ "آقائے نامدار! کیا عرض کروں کہ حضور کے تحائف دیکھکر میری بیوی نے کتنی بار انھیں اپنی آنکھوں سے لگایا اور پیار کیا۔ خصوصاً وہ پھول جو حضور نے خود اپنے دست مبارک سے توڑ کر بھیجے تھے انھیں دیکھ کر تو ان کی عجیب حالت ہو گئی۔ کبھی اپنے سینے سے لگاتی تھیں کبھی ہونٹوں پر رکھتی تھیں۔ حتیٰ کہ جب وہ پژمردہ ہونے لگے تو ایک ایک پنکھڑی نہایت احتیاط سے جمع کر کے انھوں نے اپنے ریشمی رومال کی تہوں میں دبا کر رکھے اور ایک طلائی ڈبیا میں بند کر کے اپنے گلے سے لٹکالی تاکہ حضور کی نشانی کبھی انکے پاس سے جدا نہ ہونے پائے"۔

بادشاہ کے چہرہ پر ایک غیر معمولی مسرت دیکھکر مندانہ کی ہمت بڑھ گئی اور مزید رنگ آمیزیوں کے ساتھ یہ کہنے لگی۔ "ان کی الفت و عشق کا میں کیا ذکر کروں۔ بارہا خواب سے چونک پڑی ہیں۔ اور حضور کا نام اس جوشِ محبت سے لیا ہے کہ میں بیان نہیں کر سکتی"۔

غرض کہ جب اسے بخوبی معلوم ہو گیا کہ ان باتوں نے کمبوجیہ کا دل نرم کر دیا ہے تو بہت رو رو کر انتہائے لجاجت و عاجزی سے رحم و کرم کی خواستگار ہوئی۔ کمبوجیہ

کا غصہ فرو ہو گیا تھا۔ تاہم اس عورت کی حرکات سے وہ بے خبر نہ تھا۔ اور جب اس کی سب باتیں سن چکا تو نہایت نفرت و حقارت کے ساتھ ٹھوکر مار کر اُسے اپنے قدموں سے جدا کر کے کہنے لگا "نالایق و بیوقوف عورت! تجھے میں کیا سزا دوں۔ تجھ ایسی بے حیا کے خون سے تو میرے جلاد کا تبر بھی ناپاک ہو جائیگا۔ جا۔ میرے سامنے سے دور ہو" یہ سُننا تھا کہ مندانہ کو پھر دوبارہ کہنے کی ضرورت نہ ہوئی "دور ہو" کا جملہ اسکے کانوں میں ایک خوش آہنگ راگ سے بھی زیادہ شیریں معلوم ہوا۔ وہ اپنے پیروں پر سر رکھ کر دربار سے بے تحاشہ بھاگی اور باہر نکلتے ہی لوگوں سے دیوانہ وار چلا کر پکاری "مجھے رہائی مل گئی۔ میری جان بچ گئی"۔

اسکے جاتے ہی داتا جو افسر پولیس یا چشم شاہ تھا حاضر ہوا اور سر جھکا کر بولا کہ سردار خواجہ سرا یعنی لوگس کو اُسنے بہت ڈھونڈا مگر وہ کہیں نہ ملا۔ کچھ دیر ہوئی کہ باغات معلقہ میں تھا۔ اب وہاں سے بھی یکایک غائب ہو گیا ہے۔ اس نے اپنے سوار و پیادے چاروں طرف دوڑائے ہیں اور کہدیا ہے کہ جہاں کہیں ملے مُردہ یا زندہ اُسے فوراً پکڑ لائیں۔

یہ سُنتے ہی کمبوجیہ کا غصہ پھر بھڑک اُٹھا۔ اس نے میر پولیس کو بہت بُرا بھلا کہا اور حکم دیا کہ اگر کل صبح تک مفرور گرفتار ہو کر نہ آیا تو محل کے تمام پہرہ والوں کو سخت سزا دی جائے گی۔

اتنے میں ایک چوبدار اندرون محل کے بڑے خواجہ سرا کو لئے ہوئے حاضر ہوا جسنے قدموں میں ہو کر بادشاہ سے عرض کیا کہ معززہ و محترم ملکہ کا سندانہ حضور سے ملنے کی خواہشمند ہیں۔ کمبوجیہ فوراً اپنی ماں کے پاس جانے کے لئے کھڑا ہو گیا۔ لیکن قبل رخصت اس نے فینس کی طرف اپنا ہاتھ پھیلا دیا اور اُسے بوسہ دینے کی اجازت دی جو اتنی بڑی عزت تھی جو مصاحبینِ خاص کو بھی شاذ و نادر نصیب ہوتی تھی۔ بعدہ باآواز بلند اپنے امرا سے مخاطب ہو کر بولا "تمام قیدی فوراً رہا کر دیئے جائیں۔ تم میں جو

اُن کے باپ یا عزیز ہیں اپنے فرزندوں کو یہ مژدہ سُنا دیں کہ عنایتِ خسروانہ کے منتظر رہیں۔ انہیں ایک رات کی بیجا قید کے صلے میں صوبوں کی حکومت عطا کرونگا۔ (فینس سے) میرے یونانی دوست میں تمہارا بہت احسانمند ہوں۔ میری خواہش ہے کہ تم ہمیشہ میرے ساتھ دربار میں رہو۔ فی الحال مابدولت کے خزانچی کے پاس جاؤ وہ تمہیں ایک سو ٹیلنٹ حوالہ کر دیگا۔

فینس۔ (قدمبوس ہو کر) شاہا! میں اتنی بڑی دولت لیکر کیا کرونگا۔

بادشاہ۔ (مسکرا کر) فضول خرچی کرنا عیش و عشرت میں اُڑا پڑا دینا۔

اتنا کہہ کے وہ اپنے خدم و حشم۔ امیروں و مصاحبوں کے جلو میں باہر نکلا اور پیچھے مُڑ کر ایک مرتبہ پھر یونانی سے مخاطب ہو کر بولا "آج رات ہماری دعوت ہے۔ تم بھی ضرور آنا"

یہاں کا تو یہ حال تھا لیکن مادرشاہ کے محل میں کسی کو خبر نہ تھی۔ وہاں ماتم بپا تھا۔ اور ہر طرف غم و اندوہ کی گھٹا چھائی تھی۔ کاسندانہ نے جب سے نیتنس کے خط کا مضمون سُنا تھا اُسے بھی اُس کے جرم کا یقین ہو گیا تھا۔ مگر اپنے پیارے فرزند کو بے گناہ سمجھتی تھی۔ وہ بار بار خیال کرتی تھی کہ وہی لڑکی جو عفت و عصمت کی دیوی تھی ایسی بے حیا و بیسوا نکلی۔ وہی عزیز و رشتہ دار جن کی شرافت و نجابت ضرب المثل تھی۔ جھوٹے و دغاباز ثابت ہوئے۔ اب اس کے بعد دنیا میں بھلا کون قابلِ اعتبار ہو سکتا ہے۔ نیتتیس تو اسکے لئے ایک مُردہ سے بھی بدتر تھی۔ مگر ہیہات کہ اس کا لختِ جگر بردیہ اور دارا۔ گریس۔ گیجیس۔ وآریاسپ۔ یہ سب جن سے اُسے دلی تعلق تھا اب ہمیشہ کے لئے جدا ہونے والے تھے۔ یہ ایک ایسا روح فرسا خیال تھا جو اسکے استقلال و ہمت کو پست کر رہا تھا۔ اسکی کچھ سمجھ میں نہ آتا تھا کہ اب کیا کرے۔ ادھر تند مزاج اٹوسا آپے سے

باہر ہوئی جاتی تھی اور اُسے تسکین و تسلی دینا یا اُس کے جوشِ غم کو روکنا ایک امرِ محال تھا۔

اتوسا نے جب یہ خبرِ وحشت اثر سُنی تو اس کی حالت بالکل دیوانوں کی سی ہو گئی۔ دخترِ فرعون کی صحبت میں جو اعتدال اس کی طبیعت میں آچلا تھا فوراً غائب ہو گیا۔ اور وہ فطرتی جوش و خروش جو ایک عرصہ سے دبا ہوا تھا اب وہ چند قوت کے ساتھ ظاہر ہونے لگا۔ نتتیس اُس کی مُنہ بولی بہن۔ بردیہ اس کا عزیز بھائی دارا اس کا عاشقِ زار۔ کریسس جسے وہ اپنی باپ کے برابر سمجھتی تھی۔ یہ سب کیا اس طرح یکایک اُس سے چھوٹ جائیں گے۔ یہ خیال آتے ہی اپنے بال نوچنے پیرہن و کپڑے پھاڑنے لگی۔ اور کمبوجیہ کو ہزاروں صلواتیں سُنا کر اُن لوگوں کو بھی جو اُس کے پیارے عزیزوں کو مجرم سمجھتے تھے کوسنے و گالیاں دینے لگی۔ پھر بھی اسے تسکین نہ ہوئی تو چلا کر رونے اور ہرمزد و متھرا سے گڑگڑا کر دعائیں مانگنے لگی۔ پھر تھوڑی دیر بعد آنسو پونچھ کر اُٹھ کھڑی ہوئی اور ماں سے کہنے لگی کہ میں باغاتِ معلقہ جاتی ہوں اور نتتیس سے کل حالات سُن کر بھائی کے سر پہ چڑھتی ہوں۔ کاسندانہ نے اپنی پریشان خاطر لڑکی کو بہت سمجھایا کہ یہ خیال عبث ہے۔ نتتیس سے ملنا ناممکن ہے۔ لیکن اتوسا کب مانتی تھی فوراً اُچھل کھڑی ہوئی۔ پھر پکڑ کر لائی گئی تو غصہ سے پیر زمین پر پٹخنے لگی اور جب مایوس ہوئی تو اس زور سے رونا چلانا شروع کیا کہ آخر ماں نے مجبوراً اپنی خواصوں کو حکم دیا کہ اسے پکڑ کر خوابگاہ میں بند کر دو۔

لڑکی وہاں پہنچی تو بجائے پلنگ پر لیٹنے کے ایک کھڑکی کے پاس جس کا رُخ جانب چمن تھا کھڑی ہو گئی اور بڑی حسرت و یاس سے اپنی مُنہ بولی بہن نتتیس کے محل کو دور سے دیکھ کر اس کی بیکسی و تنہائی پر آٹھ آٹھ آنسو بہانے لگی۔ ناگہاں

باغاتِ معلقہ کی اطراف وسمت سے ایک خوشنما پرند اپنے بازو پھیلائے ہوئے نظر آیا اور قریب آتے ہی اُسی کھڑکی کے نیچے جہاں وہ کھڑی تھی ایک شمشاد کے درخت پر آہستہ سے بیٹھ گیا۔ اتوسا نے جیوں ہی اس پرند کو دیکھا اس کا رنج وغم یکایک غائب ہوگیا۔ اور مارے خوشی کے تالیاں بجا کر کہنے لگی "اہاہا۔ یہ تو ہما ہے۔ اسکا آنا بڑا مبارک ہوتا ہے اب سب باتیں درست ہوجائیں گی"۔ حُسن اتفاق سے یہ وہی پرند تھا جسے دیکھ کر نتنتیس کو بھی تسکین وڈھارس ہوئی تھی اور اب اتوسا کی امیدوں کو بھی اسی نے از سرنو تازہ کر دیا۔ وہ کچھ دیر تک بغور اُسے دیکھتی رہی۔ پھر ایک نیا خیال دل میں پیدا ہوا۔ اس نے جلدی سے چاروں طرف ایک نگاہ ڈالی۔ اور جب یقین ہوگیا کہ باغ میں سوائے ایک بڈھے مالی کے اور کوئی نہیں ہے تو کھڑکی پر دونوں ہاتھ رکھکر بڑی پھُرتی کے ساتھ زمین پر کود پڑی اور روشوں وکیاریوں کو روندتی ہوئی باغبان کے پاس آئی جو اُسے دیکھتے ہی ہکا بکا رہ گیا اور اپنی گردن ہلاکر خوف وخطر کا اظہار کرنے لگا۔ اتوسا اُس کے رُخساروں کو تھپتھپا کر پھسلانے لگی اور اس کے گلے میں باہیں ڈالکر مچل کے بولی "کیوں سباسی۔ تم مجھ سے محبت کرتے ہو۔ نا؟"

بڈھا۔ (شہزادی کے دامن کا بوسہ لیکر) آپ یہ کیا فرماتی ہیں۔ میں تو حضور کا ایک ادنیٰ غلام ہوں۔

اتوسا۔ ہاں تم بڑے نیک واچھے ہو۔ مجھے تم پر پورا بھروسہ ہے۔ اسی لئے تو اس وقت ایک بہت ضروری کام کے لئے تمہارے پاس آئی ہوں (اپنے دامن کے اندر سے بہت سے پھول نکال کر) یہ لو۔ ذرا انھیں اچھی طرح چھپا لینا۔ اور کوئی پوچھے تو کہہ دینا کہ شاہی دسترخوان کے لئے میوے لئے جاتا ہوں۔ انہیں لیکر جلدی محل شاہی کی طرف جاؤ۔ جہاں سپاہیانِ خاصہ کے پہرے کی چوکی ہے۔ وہیں ایک جگہ میرا غریب بھائی اور داراالپسر گستاشپ مقید ہیں۔ ان دونوں کو یہ میری طرف سے

پھول دینا اور بہت بہت سلام کہہ دینا۔ سُنتے ہو! سمجھے بھی کہ نہیں؟

باغبان۔ ہاں۔ مگر شاہزادی! پہرے والے مجھے قیدیوں کے پاس نہ جانے دینگے۔"

اتوسا۔ (اپنی انگلیوں سے کئی چھلے وانگوٹھیاں اتار کر) لو! یہ انھیں چپکے سے دیدینا مجھے یقین ہے کہ پھر وہ تمھیں نہ روکیں گے۔ بھلا کون ایسا بیدرد ہو سکتا ہے کہ بیچارے قیدیوں کو پھول تک نہ دینے دے۔

باغبان۔ بہت خوب میں حتی المقدور کوشش کرونگا۔

اتوسا۔ میرے اچھے سپاسی! مجھے پہلے ہی معلوم تھا کہ تم میرے آڑے وقت کام آؤگے۔ اب دیکھو جلدی جاؤ اور فوراً واپس آنا۔

بڈھا باغبان بڑی تیزی کے ساتھ قدم بڑھاتا ہوا روانہ ہوا۔ اتوسا دل میں کہنے لگی "اب اُن دونوں کو معلوم ہو جائیگا کہ میں آخر وقت تک انھیں کی محبت کا دم بھرتی رہی ہوں۔ گلاب عشق و محبت کی نشانی ہے۔ اور گلِ سدابہار سے مطلب ہے کہ میری الفت ہمیشہ قایم و غیر فانی رہے گی۔"

ایک گھنٹہ کے بعد بوڑھا مالی نظر آیا۔ اتوسا اُس کے پاس دوڑی ہوئی گئی۔ مالی نے بردیہ کی طرف سے ایک انگوٹھی اور دارا کی طرف سے ایک ہندئی رومال جس پر خون کے چھینٹے تھے پیش کیا۔ انھیں دیکھکر اتوسا کے آنسو جاری ہو گئے اور کیلے کے ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئی۔ دونوں نشانیوں کو بار بار آنکھوں سے لگاتی تھی اور کہتی تھی "بھیا کی انگوٹھی کے معنی ہیں کہ میری یاد اُنکے دل میں تازہ ہے۔ دارا کے خون آلود رومال کا مطلب ہے کہ انھیں موت کی پرواہ نہیں اور میری خاطر اپنا خون تک بہانے کو تیار ہیں۔ اس خیال نے غریب لڑکی کے دل کو بہت کچھ تسکین وڈھارس دی۔ وہ اپنے کمرے میں واپس آکر ماں کے پاس گئی مگر اب بہت خاموش تھی۔ اور اپنے دلی جذبات کا کچھ اظہار نہ کرتی تھی۔ غرضکہ اسی طرح

چند گھنٹے گذر گئے۔ دونوں ماں بیٹیاں اپنی قسمت پر شاکر نہایت صدق دل سے دعائیں مانگ رہی تھیں کہ اتنے میں یکایک کری سس کا ایک قاصد محل میں آیا اور شہزادوں کی رہائی کا مژدہ سُنا کر اس نے نتیتس کی بیگناہی کا بھی کل حال بیان کیا جسے سُنتے ہی ملکہ و اتوسا دونوں کے مرجھائے ہوئے دلوں کی کلیاں کھل گئیں اور انہیں ایسی مسرت و خوشی حاصل ہوئی کہ جس کا اندازہ نہیں ہو سکتا۔

کاسندانہ نے فوراً باغات معلقہ سے نتیتس کو بلانے کیلئے قاصد بھیجے۔ اتوسا مارے خوشی کے ناچنے لگی اور جو کوئی سامنے ملتا اُسے پکڑ کر تمام واقعہ سُناتی اور کہتی۔ دیکھو ہم نہ کہتے تھے کہ سب بیگناہ ہیں اور رہا ہو جائیں گے۔ اب اُسے اپنی مُنہ بولی بہن سے ملنے کا بڑا انتظار تھا۔ بار بار ڈیوڑھی پر جاکر جھانک کر دیکھتی تھی۔ نتیتس۔ سرو قد بالا بلند نتیتس حُسن کی دیوی۔ صحت و تندرستی کی مورت نتیتس کب آتی ہے؟ بالاخر سہرکاروں کی آواز آئی۔ دختر فرعون کی پالکی آکر لگی۔ اُس کا پردہ کھُلا۔ اندر سے ایک لڑکی نکلی جو نتیتس نہ تھی بلکہ اُسکا ہیولا تھی۔ جسم لاغر۔ چہرہ زرد، کمھلایا ہوا اور مُردنی چھائی۔ جسے دیکھتے ہی دونوں ماں بیٹیوں کا کلیجہ دھک سے ہو گیا۔ اس نے اُٹھنے کی کوشش کی مگر قدم ڈگمگانے لگے۔ اتوسا لپک کر آگے بڑھی اور لپٹ کر رونے لگی۔ خواصیں دوڑتی ہوئی آئیں اور نتیتس کو جس پر غشی طاری تھی اُٹھا کر مادر شاہ کے کمرہ میں لے گئیں۔ یہاں کچھ دیر آرام ملا تو اُس نے آنکھیں کھول دیں۔ اپنا سر ملکہ کی آغوش میں پایا اور دیکھا کہ اتوسا جھکی ہوئی اس کی پیشانی پر اپنا مُنہ مل رہی ہے اور شہنشاہ کمبوجیہ بھی قریب ہی خاموش کھڑا ہی اور لاغوف زدہ و وحشت انگیز نگاہوں سے اس نے ادہر اُدہر دیکھا۔ رفتہ رفتہ ایک ایک کو پہچانا پھر اپنا کمزور ہاتھ پیشانی پر بار بار پھیرا گویا کوئی تکلیف دہ شے سامنے حائل ہے جسے وہ دور کرنا چاہتی ہے۔ پھر ایک ہلکی سی مسکراہٹ لبوں پر

آئی اور آنکھیں بند ہو گئیں۔ اسے محسوس ہوا کہ یہ بیداری نہیں بلکہ عالمِ رویا ہے اور آسمس نے اس کی روح کی تسکین کے لئے ایک نہایت خوشگوار خواب دکھایا ہے جس کے لطف سے کبھی اسے سیری نہیں ہو سکتی۔ اتنے میں اتوسا نے بڑی محبت سے کئی بار اس کا نام لیکر پکارا۔ انتیتس نے پھر آنکھیں کھول دیں اور انہیں شکلوں کو دیکھا جنہیں وہ عالمِ خواب میں مشاہدہ کر رہی تھی۔ ہاں وہی اتوسا ہے اس کی منہ بولی بہن۔ وہی ملکہ ہے جو ماں سے زیادہ اس سے محبت کرتی تھی۔ وہی شہنشاہ ہے جس کے چہرہ سے ناخوشی کے آثار مفقود ہیں۔ وہی کمبوجیہ ہے جو جان و دل سے اس پر نثار ہے۔ وہی آنکھیں ہیں جو نہائے الفت و محبت سے بھری ہوئی اس طرح اُسے تک رہی ہیں گویا خواہان عفو ہیں وہی ہونٹ ہیں جو اب ہلتے ہیں اور یہ شیریں الفاظ اُن سے نکل کر سنائی دیتے ہیں " پیاری تمہیں کیا ہو گیا۔ ذرا ہوش میں آؤ۔ مُنہ سے بولو تم بالکل بیگناہ ہو۔ میں ہی خطاوار و قابلِ الزام ہوں " لڑکی کے سر کو ذرا سی جنبش ہوتی ہے۔ اس کے پیارے چہرہ پر خوشی کا اک رنگ اس طرح دوڑ جاتا ہے جس طرح بادِ بہاری مرجھائے ہوئے پھولوں کو ترو تازہ کر دے۔ کمبوجیہ بیمار کی بالیں پر گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا۔ اس کا غرور۔ خودداری و استقلال سب رخصت ہو گئے تھے اور بار بار چلا کر کہتا تھا " یہ بے قصور ہے۔ متھرا کی قسم یہ کبھی جھوٹی و بیوفا نہیں ہو سکتی۔ ہائے۔ اس کی یہ کیا حالت ہو گئی!" اتنے میں ایک شاہی طبیب بیمار کے پاس آیا اور اس کی پیشانی و کنپٹی پر ایک خوشبودار روغن ملنے لگا نبنچاری مصری کحال بھی قریب ہی کھڑا ہوا دعائیں پڑھ پڑھ کر لڑکی پر پھونک رہا تھا کچھ دیر بعد اس نے اس کی نبض دیکھی اور گردن ہلا کر چپ ہو رہا۔ پھر اپنا بکس کھول کر ایک دوا نکالی اور اس کے چند قطرے مریضہ کے منہ میں ٹپکائے۔ جنکے

پیتے ہی وہ بالکل ہوش میں آگئی اور اپنے ہاتھوں کے بل پلنگ پر بیٹھنے کی کوشش کرنے لگی۔ کمبوجیہ پاس ہی جھکا ہوا تھا۔ لڑکی نے ایک عجیب محبت بھری نگاہ سے اس کی طرف دیکھا اور آہستہ سے کہنے لگی "میرے مالک! میرے سرتاج! بھلا آپ کو مجھ سے یہ بدگمانی کیوں ہوئی؟" اس جملہ میں ملامت و شکایت بالکل نہ تھی بلکہ ایک عجیب دردانگیز پیرایہ میں اپنی محرومیٔ قسمت کا گلہ تھا۔

کمبوجیہ۔ (نہایت منت و عاجزی سے) پیاری۔ مجھے دھوکہ ہوا۔ میں بہت نادم و پشیمان ہوں۔ اب معاف کردو۔

کاسندانہ۔ بیٹی میں بھی خطاوار ہوں۔ اور تجھ سے معافی چاہتی ہوں۔

اتوسا۔ (بیمار کی پیشانی کا بوسہ لیکر) لیکن میں نے کبھی تم پر شک و شبہ نہیں کیا۔

کاسندانہ۔ مجھے بھی پہلے معلوم نہ تھا مگر اس خط کا مضمون سنتے ہی جو تم نے بردیہ کو بھیجا تھا۔ میرے خیالات بدل گئے۔

نتیتس۔ اماں جان! بھلا اس میں کون ایسی بیجا بات میں نے لکھی تھی۔ لیجئے یہ آپ کو اپنی ماں کا خط دیتی ہوں۔ جسے کریسس سے ترجمہ کرا کے سن لیجئے گا۔ آپ کو خود میرے گھر کی سب باتیں معلوم ہوجائیں گی۔ اور بردیہ کو میرے خط لکھنے کا سبب بھی ظاہر ہوجائیگا۔ ہاں یہ البتہ مجھسے غلطی ہوئی کہ میں نے احتیاط و دوراندیشی سے کام نہ لیا۔ (کمبوجیہ سے خطاب کرکے) آقا! آپ بھی اس خط کو سنئے گا۔ اور میری غریب بہن کی حالتِ زار پر رحم کھائیے گا۔ ہم مصری بڑے بھولے و نادان ہیں۔ جب کسی سے محبت کرتے ہیں تو اس کی یاد کبھی دل سے محو نہیں کرسکتے۔ (جلدی جلدی سانس لیکر) ہائے مجھے بڑا ڈر معلوم ہورہا ہے۔ موت اب قریب آرہی........ (ٹھہر ٹھہر کر) گذشتہ گھنٹے بھی کس مصیبت و بلا کے تھے۔ اُس ظالم کمبخت شخص نے جب میری ذلت و خواری و

قتل کا حکم پڑھ کر سنایا.... تو.... تو.... سوائے زہر کھا لینے کے اور کیا چارہ تھا.... (دیکایک اپنے سینہ کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر) ہائے میرا دل - میں چلی - سنبھالو" اتنا کہتے ہی کاسندانہ کے آغوش میں پھر بیہوش ہو کر گر پڑی - نبنچاری جلدی سے مریضہ کے پاس آیا اور اپنی پہلی دوا کے چند قطرے اس کے منہ میں ڈال کر کہنے لگا "میں تو پہلے ہی جانتا تھا کہ سمِ قاتل پوری طور سے اپنا اثر کر گیا ہے - موت سے اب بچنا محال ہے - مگر یہ تریاق شاید چند دنوں تک اور اسے زندہ رکھ سکے"

کمبوجیہ کا یہ سنتے ہی چہرہ زرد پڑ گیا - وہ بے حس و حرکت کھڑا ہوا حکیم کا منہ تک رہا تھا اور اتوسا کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے جو بیمار کی پیشانی پر ٹپ ٹپ گر رہے تھے -

نبنچاری - (تحکمانہ لہجہ سے) فوراً کچا دودھ لاؤ اور میری دوائیوں کا بڑا بکس حاضر کرو - خواصیں شہزادی کو جلدی اٹھا کر یہاں سے لیجائیں کیونکہ اسے اب سب سے زیادہ آرام و تنہائی کی ضرورت ہے -

اتوسا اور کاسندانہ یہ سنکر دوسرے کمرے میں چلی گئیں - مگر کمبوجیہ ابھی تک اسی طرح بت بنا ہوا کھڑا تھا - اس کی آنکھیں مریضہ کی طرف تھیں - ہاتھ کانپ رہے تھے - ہونٹوں میں لغزش تھی - کچھ بولنا چاہتا تھا مگر زبان سے ادا نہ ہوتا تھا - آخر بہت ضبط کر کے اس نے حکیم سے پوچھا "کیا اب اس کے بچنے کی کوئی امید نہیں ہو سکتی؟"

حکیم - افسوس کہ یہ زہر لاعلاج ہے اور موت کا روکنا اب انسانی طاقت سے مجھے بعید معلوم ہوتا ہے"

یہ سننا تھا کہ کمبوجیہ نے زور سے ایک دھکا دیکر طبیب کو الگ کر دیا - اور نہایت دردناک آواز سے چلا کر بولا "دور ہو! اے جاہل و بیوقوف حکیم - تیرا علم ناقص ہے - میری پیاری ضرور زندہ رہے گی - میں حکم دیتا ہوں کہ اس کی جان بچائی جائے - خواجہ سرا ادھر آؤ! ابھی جا کر بابل کے تمام طبیبوں - پروہتوں و موبدوں کو یہاں جمع کرو -

خبردار شاہزادی مرنے نہ پائے۔ تم نے سُنا کہ نہیں؟ تمہارا شہنشاہ حکم دیتا ہے۔ دیکھو یہ مرنے نہ پائے۔ . . . . مرنے نہ پائے۔"

یہ گلوگیر و دردانگیز آواز جب مریضہ کے کانوں میں پڑی تو اُس نے یکایک آنکھیں کھول دیں۔ گویا اپنے عاشق وشیدا کی عدول حکمی اُسے منظور نہ تھی۔ جس پلنگ پر وہ لیٹی تھی اُسکا رُخ کھڑکی کی طرف تھا۔ جہاں باہر شمشاد کے درخت پر ایک پرند جس کے پنجوں میں طلائی زنجیریں لٹک رہی تھیں خاموش بیٹھا تھا۔ بیمار کی پہلی نگاہ اپنے عاشق پر پڑی وہ اُس کا ہاتھ پکڑے ہوئے اپنے ہونٹوں سے لگا رہا تھا جسے محسوس کرتے ہی ایک عجب دلفریب مسکراہٹ اُسکے لبوں پر آئی اور آہستہ سے بولی۔ "آہ! اے جان اب آرام سے نکل۔ تیری تمنا و آرزو پوری ہو گئی" پھر اُس کی نظر پرند پر پڑی تو انگلی سے اشارہ کر کے چلائی "دیکھو! دیکھو! یہ ہُنُّو ہے۔ یہ وہی پرا کی چڑیا ہے جو پہلے بھی مجھے دیکھنے آئی تھی"۔ اتنا کہتے ہی پھر اُس کی آنکھیں بند ہو گئیں اور بخار کی شدت سے بیہوشی طاری ہو گئی۔

باب تئیسواں ۲۳

بوڑھا ہب

فرش اسپایا پر کرز اسپ جو شاہ کا خاص سفیر تھا۔ گوماتا کی گرفتاری کے لئے روانہ کیا گیا۔ یہ نہایت آسان کام تھا اور قیدی کو باوجود زخمی ہونے کے

بابل کے ایک محفوظ زندان میں بند کر دیا گیا۔ لیکن بوگس جو اس تمام سازش کا سرغنہ تھا اس کا کہیں پتہ نہ چلا۔ افسران پولس نے بہت تلاش و جستجو کی مگر ناکام رہے لوگوں کی بھیڑ بھاڑ کی وجہ سے اُسے موقع مل گیا اور باغ کے چور دروازہ سے نکل کر کہیں روپوش ہو گیا۔ اس کے گھر کی تلاشی لی گئی جہاں سے بکثرت زر و جواہر جسے اُسنے بے ایمانی سے جمع کیا تھا برآمد ہوا اور خزانہ شاہی میں داخل کر دیا گیا۔ نیز ایک شاہی اعلان بھی صادر ہوا کہ جو کوئی اُس دغاباز کو پکڑ لائے گا اُسے یہ تمام دولت بلکہ اس سے بھی دس گنہ انعاماً بخشی جائے گی۔ اس واقعہ کے دو دن بعد کمبوجیہ نے سوائے اپنی ماں بہن اور بیمار شہزادی کے اور تمام حرم کو سوسا روانہ کر دیا۔ فدیما کو جو مایوسی و رنج ہوا وہ ناقابلِ بیان تھا۔ علاوہ بریں بکثرت معزز خواجہ سرا اپنے عہدوں سے معزول کئے گئے اور ان کی جگہوں پر موبدِ اعظم کے ایما سے منتخب و قابلِ اعتبار محبوس متقرر کئے گئے۔ عوام الناس نے شاہزادہ بردیہ کی رہائی کے لئے جس جوش و خروش کا اظہار کیا تھا اس کی خبر بادشاہ کو اس وقت ہوئی جب تمام فتنہ و فساد فرو ہو چکا تھا۔ تاہم باوجودیکہ نتیتس کی بیماری کی وجہ سے وہ بہت پریشان تھا۔ یہ سُنکر بہت بگڑا و خفا ہوا۔ اور حکم دیا کہ اس بلوہ کی پوری تحقیقات کی جائے اور اس کے سرغنوں کو سختی کے ساتھ سزا دی جائے۔ اسے فوراً بردیہ پر شبہ گذرا کہ ممکن ہے کہ اسی کے اشارے سے یہ شورش پھیلی ہو اس لئے پہلے اپنے سامنے بلاکر اُسے ڈانٹنا چاہتا تھا مگر رُک گیا۔ کیونکہ اس کا ضمیر ملامت کرتا تھا کہ بجائے بھائی کو الزام دینے کے اُسے خود اس سے معافی مانگنا چاہیے۔ بایں ہمہ بردیہ کی طرف سے ایک خلش دل میں باقی رہی اور اسے اپنے پاس سے دور کرنے کی تدبیریں سوچنے لگا۔ اسی اثنا میں شہزادہ نے نوکراتیس جانے کی اجازت مانگی تو کمبوجیہ کی مراد بر آئی۔ اور گلے لگا کر اُسے بخوشی رخصت کر دیا۔ چنانچہ اپنی

رہائی کے تین دن بعد بردیہ اپنی ماں و بہن کو الوداع کہکر عازم سفر ہوا۔ اس مرتبہ اسکے جلو میں غیر معمولی خدم و حشم تھا۔ شہنشاہ کی طرف سے سافوو کے لئے بیش بہا تحائف تھے اور ہمراہ رکاب اس کے عزیز دوست گیجیس و زہیروس بھی تھے۔ دارا کو اتوسا کی محبت نے روک لیا۔ علاوہ بریں عنقریب اس کی شادی ارتس تونہ بنت گبریاس (گاؤبروا) سے ہونے والی تھی اسلئے وہ اور بھی مجبور تھا اور سفر کا ارادہ نہ کرسکتا تھا۔ جب بردیہ اپنے رفیق و دمساز دارا سے رخصت ہونے لگا تو اسے دیر تک سمجھاتا رہا کہ اتوسا کے معاملہ میں نہایت ہوشیاری سے کام لینا۔ ملکہ معظمہ کو بھی یہ راز معلوم ہوگیا ہے۔ اور انہوں نے وعدہ فرمایا ہے کہ موقع پاکر کمبوجیہ سے اس کا ذکر کرونگی۔ بھلا دختر کورش اعظم کے لئے پسر گستاشپ سے بڑھکر کون دوسرا شخص زیادہ موزوں و حقدار ہوسکتا تھا۔ وہ موجودہ خاندان فرماں روا سے اس قدر قریبی رشتہ رکھتا تھا کہ اگر برابری کا دعویٰ بھی کرتا تو کچھ بیجا نہ تھا، اس کا معزز و بزرگ پدر تمام امرائے سلطنت کا سردار و پیشوا مانا جاتا تھا۔ اور اس لئے صوبہ فارس جہاں سے خاندان ہخامنش کی جڑ بنیاد نکلی تھی۔ اسی کے زیر نگین رکھا گیا تھا جس کے یہ معنی تھے کہ اگر کورش اعظم کا خاندان نابود ہوجائے تو سوائے اولاد گستاشپ اور کوئی دعویدار سلطنت ایران نہیں ہوسکتا۔ غرضکہ انہیں وجوہات سے گستاشپ اپنے پسر کی نسبت کا پیام ابھی بھیجدیتا تو کوئی بیجا بات نہ تھی اور اس کی کامیابی یقینی

[۵۱] دختر گبریاس . . . . ایں عیال در ایام شاہزادگی گرفت۔ از وسہ فرزند داشت۔
(۱) ارتابازنا۔ کہ ارشد فرزندان او بود۔ (۲) آریہ گمبا۔ (۳) سوم اسمش نامعلوم۔
(ایران نامہ)

مؤلف مذکور اس لڑکی کا نام نہیں لکھتے۔ اور ارتس تونہ کو بنت کورش اعظم کہتے ہیں جو غالباً مشکوک ہے۔

تھی تاہم فی الحال عجلت کرنا کسی طرح مناسب نہ تھا۔ موجودہ واقعات نے بادشاہ
کو ایسا غمگین وتیز مردہ کردیا تھا کہ ممکن ہے بے موقعہ ومحل کوئی بات سُنکر خفا ہوجاتا او
انکار کردیتا۔ جس کی آیندہ پھر کوئی تلافی نہ ہوسکتی۔ اس لئے بردیہ نے اپنے عزیز
دوست کو صبر وانتظار کی رائے دی لیکن خود اس کے دل میں اک عجب خلجان تھا
اور ڈر رہا تھا کہ نہ معلوم ان دونوں ہجراں نصیبوں کی قسمت میں آیندہ کیا لکھا ہے
بردیہ اپنی روانگی سے پہلے کریسس سے بھی ملا۔ جو اُسے فینیس کے پاس لیگیا
وہ اس یونانی کی تعریف اپنی سافو سے پہلے ہی سُن چکا تھا۔ اور اب ملنے کے بعد
اور بھی اُس کا گرویدہ ہوگیا۔ فینیس نے اُس کے سفر کے متعلق بہت سی مفید و
کارآمد باتیں بتائیں اور ایک خط بھی اپنے دوست تھیوٹیموس رئیس ملیسیا کے
نام دیا جو نوکراتیس میں رہتا تھا۔ بعدہٗ علیحدہ لیجاکر دیر تک کوئی مخفی اور رازکی
بات سمجھاتا رہا۔ جس کا یہ اثر ہوا کہ اس ملاقات کے بعد جب بردیہ اپنے دوستوں
سے ملا تو بہت سنجیدہ وخاموش معلوم ہوتا تھا۔ مگر شام ہوتے ہوتے اس کی طبیعت
بہل گئی اور جب دعوت الوداعی میں شامل ہوا تو حسب معمول نہایت خوش مزاجی
کے ساتھ اپنے دوستوں سے ہنسی دل لگی میں مشغول ہوگیا۔ دوسرے دن اس کا
قافلہ روانہ ہوچکا تھا اور وہ خود اب گھوڑے پر سوار ہونے والا تھا کہ اتنے میں نتیجاری
کی شکل دکھائی دی۔ اس نے جُھک کر شہزادہ کو سلام کیا اور ایک خط سر بمُہر شاہ
اماسس کے نام دیا۔ اس کا مضمون بہت لمبا چوڑا تھا اور اس میں نتتیس
کی تمام سرگزشت اور بیماری کا حال بیان کرنے کے بعد یہ لکھا تھا۔ مختصر یہ کہ اب
چند گھنٹوں میں یہ غریب لڑکی اُس زہر کے اثر سے جو اُس نے حالتِ مایوسی میں
پی لیا تھا اس دنیا سے گذر جائیگی۔ اور آپ کی بیدردانہ خود غرضی اور جاہ طلبی کی
وجہ سے اپنی جانِ شیریں کھو بیٹھے گی۔ سچ ہے کہ ایک صاحبِ قدرت نفسانیت

بہت سی خوش و خرم ہستیوں کو صفحۂ دنیا سے اس طرح مٹائے دیتی ہے جیسے ایک گیلا اسفنج کسی خوبصورت تصویر یا نقش و نگار کو ایک لحظہ میں تختی یا سلیٹ پر سے محو کر دے۔ حضور کا یہ غلام بھی اپنے وطن سے دور۔ اپنی تمام مال و دولت سے محروم۔ اس ناپاک سرزمین میں مصیبت و صعوبت کے دن کاٹ رہا ہے۔ کیا اُس کی یہ قربانی کافی نہ تھی کہ ایک اعلیٰ نسب بیکس شاہزادی کو بھی یہاں بھیجا گیا جو اب سسک سسک کر دم توڑ رہی ہے۔ عنقریب اس کا مردہ جسم زردشتیوں کی رسوم کے مطابق بھوکے گِدوں و کُتّوں کی نذر کر دیا جائیگا۔ ہیہات! ہیہات! یہ ظلم! یہ بدعت! دیوتاؤں کی مار اُس شخص پر جس نے ایک کو وطن سے نکال کر خانماں برباد کیا۔ دوسرے غریب کو نہ صرف اس دنیا کی راحت و آرام بلکہ عاقبت کی خوشی و بھلائی سے بھی محروم کر دیا۔" بردیہ نے اس خط کو لیکر جیب میں رکھ لیا اور وعدہ کیا کہ فرعون کو بحفاظت تمام پہونچا دوں گا۔

اب اس کے ساتھ لوگوں کا ایک جم غفیر ہو لیا۔ شہر پناہ کے قریب پتھروں[۱] کے کئی ڈھیر دکھائی دیئے جو مسافر کے بخیر و عافیت واپس آنے کے لئے شگونِ نیک تھے۔ پھر سب کو الوداع کہہ کر شہزادے نے گھوڑے کو ایڑ دی اور اپنے قافلہ سے جا ملا۔ نبنجاری بھی اب دختر فرعون کی تیمار داری کے لئے واپس جا رہا تھا۔ جب وہ اُس برنجی پھاٹک کے قریب سے گذرا۔ جو باغات اور محل شاہی کے درمیان واقع تھا۔ تو ایک سفید پوش بڈھا شخص سامنے نظر آیا جسے دیکھتے ہی کحال اپنی جگہ پر ٹھٹک کے کھڑا ہو گیا۔ اور انتہائے حیرت و استعجاب سے اُسے گھورنے لگا پہلے تو اُسے کسی بھوت یا ہمزاد کا گمان گذرا لیکن بڈھے نے ہنس کر اشارہ سے بلایا تو لپکتا ہوا آگے بڑھا اور اس گرمجوشی سے جیسے ایرانی دیکھتے تو حیران ہو جاتے

۱؎ ایران میں اب بھی یہ رسم ہے۔

نوواردکا ہاتھ پکڑ کر مصری زبان میں بولا۔ "میری آنکھیں تو دھوکہ نہیں دیتیں۔ ہب[۱]
عزیز من! تم یہاں کیسے پہنچے؟ پہاڑوں کے چلنے اور آسمانوں کے گرنے کا مجھے یقین
آجاتا مگر تم سے دریائے فرات کے کنارے یوں ملنے کا کبھی وہم وگمان بھی نہ ہوتا۔ یہ عمر اور
اتنا دور و دراز سفر! تجھے آسرس کی قسم! جلد اپنی سرگزشت بیان کر اور بتا کہ کیوں
آیا ہے؟"

بڈھے نے جو دونوں ہاتھ پیچھے کئے نہایت ادب سے کھڑا تھا۔ اب سر اٹھا کر کحال
کی طرف ایک ناقابل بیان مسرت وخوشی سے دیکھا۔ اور اپنے کانپتے ہوئے ہاتھوں
سے اس کا جسم چھو کر دوزانو سامنے بیٹھ گیا۔ پھر ایک ہاتھ اپنے سینے پر رکھا اور دوسرا
آسمان کی طرف اٹھا کر کہنے لگا۔ "اے بزرگ و برتر آسرس میں کہاں تک تیرا
شکریہ ادا کروں۔ تو ہی گم گشتہ مسافروں کی مدد کرتی ہے اور تیرے ہی رحم و
کرم سے مجھے اپنے مالک کی صورت آج دیکھنا نصیب ہوئی ہے۔ آقائے نامدار!
آپ کی وجہ سے میں کیسا غمزدہ و پریشان تھا۔ مجھے خوف تھا کہ کہیں آپ کو بھی بدنصیب
قیدیوں کی طرح کسی پتھر کی کان میں کام کرتا ہوا نحیف ولاغر نہ دیکھوں۔ مگر شکر صد شکر
ہے کہ آپ خیریت سے ہٹے کٹے اور پہلے سے بھی زیادہ مضبوط و توانا نظر آتے ہیں۔
اگر بوڑھا ہب ہوتا تو رنج وغم کے مارے کبھی کا گھل گھل کے مر گیا ہوتا۔"

ننبجاری۔ عزیز من۔ تم سچ کہتے ہو۔ میں بھی جب اپنے وطن سے نکالا گیا تھا تو خون
کے آنسو رویا تھا۔ اور اب بھی کیا خوش ہوں؟ اس کمبخت ونحس ملک میں ہر طرف
سیتھ کی حکومت ہے اور نیک و مہربان دیوتا اپنی پوتر نیل کو چھوڑ کر کب یہاں
آتے ہیں؟

بوڑھا۔ (ٹھنڈی سانس لیکر) افسوس کہ اب وہاں سے بھی وہ چلے گئے۔

[۱] قدیم مصری زبان میں آئبس پرند کو ہب کہتے تھے۔

ننیچاری - کیوں یہ کیا کہا۔ مجھے ناحق نہ ڈرا۔ آخر کیا ہوا کہ اب ۔ ۔ ۔"

بوڑھا - کیا ہوا! تمہیں کچھ خبر ہی نہیں کہ کیا ہو گیا۔ ذرا صبر کرو۔ سب سن لو گے۔ اگر وطن کی زندگی مجھے خوشگوار ہوتی تو اس بڑھاپے میں کہ اسّی برس سے زیادہ عمر ہو گئی ہے اپنے پوتوں و پرپوتوں کو چھوڑ کر دنیا جہان کی خاک چھانتا فینیقی یا یونانیوں کی طرح ملیچھوں کے اس ملک میں جیسے دیوتا غارت کریں یوں مارا مارا پھرتا!!

ننیچاری - آخر ہوا کیا؟

بوڑھا - ابھی سن لینا - ذرا صبر کرو۔ پہلے مجھے اپنے گھر لے چلو۔ وہاں چین سے بیٹھوں گا تو جب تک ٹافون کے اس منحوس ملک میں ہوں کبھی باہر قدم نہ نکالونگا"

یہ الفاظ اس انتہائے نفرت و حقارت سے بڈھے نے کہے کہ کمال مسکرایا اور کہنے لگا کیا کسی نے تمہیں کوئی تکلیف و رنج پہنچایا ہے کہ ایسے چراغ پا ہو رہے ہو"

بڈھا - (چلا کر) تکلیف و رنج! طاعون و سمسیمؔ[۵۱] کی مار! یہ بدذات ایرانی ٹافون کی بدترین اولاد ہیں۔ مجھے یہی حیرت ہے کہ تمام سرخ بالوں والے کوڑھی کیوں نہیں ہو جاتے۔ میں نے چند روز اس دوزخ میں رہکر ان ملیچھوں کے ساتھ اس طرح کاٹے ہیں کہ کوئی میرے ہی دل سے پوچھے۔ میں نے سنا تھا کہ آپ ننیتیس کے علاج میں ایسے مصروف ہیں کہ ملنا ناممکن ہے۔ غریب ننیتیس! میں پہلے ہی کہتا تھا کہ یہ شادی منحوس ہے اور بھاگوان نہ ہو گی۔ کسی نے نہ سنا۔ خیر اماسس کی یہی سزا ہے کہ اپنے بچوں کی طرف سے رنج اٹھائے اور تمہارے ساتھ جو کیا ہے اس کا بھی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔"

ننیچاری - ہیں۔ ہیں۔ خبردار فرعون کی شان میں ایسا نہ کہو۔

---

[۵۱] ایک ہوائے گرم و تند جو مصر میں چالیس دن تک از سمت جنوب مغرب چلتی ہے اور نباتات کے لئے نہایت مضر ہے (ایبر)

بوڑھا۔ ہاہا! ابھی دیکھو تو کیا کیا کہتا ہوں۔ مجھے اس فرعون سے سخت نفرت ہے۔ یہ وہی ہے نا کہ جب چھوٹا سا تھا تو تمہارے باپ کے درختوں کی کھجوریں چرا کر کھا جاتا تھا اور دروازوں کے پتھر و کیلیں توڑ کر بیچتا تھا۔ میں اس جعل ساز دغاباز کو شروع ہی سے جانتا ہوں کہ بالکل نکما و بیہودہ ہے۔ بڑے افسوس و شرم کی بات کہ ایسا شخص ....

ننبچاری۔ بڑے میاں۔ ذرا اپنی زبان کو روکو اور ایسے آپے سے باہر نہ ہو جاؤ۔ ہم سب کی قسمت یکساں نہیں ہے۔ اگر لڑکپن میں تم اماسس کے ہمسر تھے تو یہ کس کا قصور ہے کہ بڑھاپے میں اُس سے اس درجہ پیچھے رہ گئے

بوڑھا۔ میرے باپ دادا دونوں مندر کے خادم تھے اس لئے مجھے بھی انکا پیشہ[۱] اختیار کرنا پڑا۔

ننبچاری۔ ہماری ذات پات کی سختیوں کا یہی نتیجہ ہے۔ لیکن لازم تھا کہ اماسس بھی ایک معمولی فوجی افسر سے زیادہ ترقی نہ کرتا۔

بوڑھا۔ اجی اُس کا کیا کہتے ہو۔ ہر شخص اس کی طرح اپنا ایمان تھوڑا ہی بیچتا پھرتا ہے۔

ننبچاری۔ تمہاری پُرانی عادت بھی کبھی نہ بدلے گی۔ ہٹ اب تمہیں شرم آنا چاہئے۔ جب سے میں پیدا ہوا ہوں۔ جیسے اب قریباً نصف صدی گذر گئی۔ تمہاری زبان سے جو بات نکلتی ہے اس کے ساتھ صلواتوں کا تو مار ضرور ہوتا ہے جب میں بچہ تھا تو مجھ پر بوچھاریں پڑتی تھیں۔ اب غریب فرعون کی خبر لی جاتی ہے۔

---

[۱] مصر میں گو ہندوستان کی طرح ذات پات کی ایسی سختی نہ تھی۔ تاہم لڑکا عموماً اپنے باپ کا ہی پیشہ اختیار کرتا تھا۔ (ایبر)

بڈھا۔ (مُنہ بناکر) غریب فرعون! بڑا غریب ہے! آپ کو کچھ خبر بھی ہے۔ سات مہینے گذرے.....“

تنبچاری۔ میں ابھی کچھ نہیں سُننا چاہتا۔ ثریا جب آسمان پر نمودار ہوگا تو میرا ایک غلام تمہیں اپنے ہمراہ لے آئیگا۔ تب تک یہیں انتظار کرو۔ مجھے اپنی مریضہ کو دیکھنے جانا ہے۔

بوڑھا۔ کیا کہا؟ مجھے چھوڑ کر جا رہے ہو۔ اچھا خیر جاؤ۔ تمہارا غریب ہب یہیں مر جائیگا۔ اگر گھنٹہ بھر اور مجھے ان بدذات لوگوں کا تماشہ بننا پڑا۔ تو سچ کہتا ہوں سر پھوڑ کر جان دیدوں گا۔

تنبچاری۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تمہارا مطلب کیا ہے؟

بوڑھا۔ مطلب! مطلب یہ ہے کہ جب تک یہاں رہوں تمہارے گھر کے اندر سے باہر قدم نہ نکالوں گا۔

تنبچاری۔ (مسکراکر) آخر کچھ کہو تو ان لوگوں نے تمہارے ساتھ کیا بُرا سلوک کیا ہے۔

بوڑھا۔ (بہت غصہ سے) ان بدذات کافروں پر دیوتاؤں کی لعنت۔ شیطان کی مار۔ کیا کہوں؟ سب ہی تو میرے کرم کر ڈالے۔ ایک کمبخت ایرانی نے جو میرا ہم سفر تھا اور مصر میں کچھ دنوں رہ چکا تھا اپنے ساتھیوں سے ہماری چھوت وغیرہ کا ذکر کر دیا بس پھر کیا تھا انہیں ایک اچھا خاصہ تماشہ ہاتھ آگیا۔ مجھے زبردستی اپنے ساتھ ایک ہی پیالے میں کھانے پر مجبور کیا۔ اپنی چھری سے میری روٹی کاٹی اور جب اُس قے آور دوانے جسے میں ان کے ساتھ کھانے کے بعد فوراً نگل گیا تھا۔ اپنا کام کرنا شروع کیا تو سب مجھ پر قہقہہ مار کر ہنسنے لگے۔ میں اپنا سر مونڈنا چاہتا تھا تو وہ میرا اُسترہ کہیں چھپا دیتے تھے۔ پھر ایک دن کسی بےحیا لڑکی کو پکڑ لائے جس نے باتوں باتوں میں میری پیشانی کو چوم لیا۔ تم ہنستے ہو ہنسا کرو۔ اب مجھے کم از کم ایک مہینہ اپنے آپ کو پاک وصاف کرنے میں لگے گا۔ اور ہاں صرف اسی پر ان کمبختوں نے اکتفا نہ کی

بلکہ میرے سامنے ایک بلّی کے بچے کو ایسا جھنجوڑا کہ ادھ مرا کر دیا۔ پھر ایک حجام نے جیسے معلوم ہو گیا تھا کہ میں تمہارا خادم ہوں۔ اسی ملعون ایرانی سے جس کی وجہ سے یہ آفتیں مجھ پر نازل ہوئیں۔ کہا کہ ذرہ ان سے پوچھو تو کہ آنکھوں[۱] کا بھی علاج جانتے ہیں۔ میری زبان سے شاید ہاں نکل گیا۔ کیونکہ اتنے عرصہ تک اپنے آقا کے ساتھ رہتے سہتے کچھ نہ کچھ تو آدمی سیکھ ہی جاتا ہے۔ اس پر اُس بدمعاش نے بڑی عاجزی سے کہا کہ مجھے آنکھوں کی ایک سخت بیماری ہے۔ ذرا علاج کر دیجئے۔ میں نے پوچھا وہ کیا ہے۔ تو ہنس کر کہنے لگا کہ اندھیری رات میں مجھے کچھ سُجھائی نہیں دیتا۔

نَنچاری۔ (ہنس کر) تم اُس کا یہ جواب دیتے کہ سب سے آسان علاج یہ ہے کہ ایک شمع روشن کر لو۔

بڈھا۔ اَخ تھو۔ ان بدذات ملچھوں پر لعنت۔ مجھے اُن سے سخت نفرت ہے اگر کچھ دن اور ان کی صحبت میں رہتا تو آپ مجھے زندہ نہ دیکھتے۔

نَنچاری۔ (مسکرا کر) شاید تمہاری عجیب عادتوں کو دیکھ کر وہ ہنسی اُڑاتے ہوں ورنہ ایرانی تو بڑے خلیق و مہذب ہوتے ہیں۔ اچھا تو اب ذرا سا صبر کرو شام ہوتے ہی تمہیں گھر بلا لوں گا مگر اس وقت تو ناممکن ہے۔

بڈھا۔ (گردن ہلا کر) میں یہ پہلے ہی جانتا تھا۔ یہ بھی بدل گیا۔ (آسمان کی طرف دیکھ کر) ہائے! آسرس کیا تو مر گیا اور تمام دنیا سیتھ کے تابع ہو گئی؟

نَنچاری۔ اچھا اب رخصت۔ ثریا کے طلوع ہوتے ہی پاپائچی میرا غلام تمہیں آکر لے جائے گا۔

---

[۱] ہم اوپر لکھ چکے ہیں کہ مصر میں مختلف اعضا کی بیماریوں کے لئے مختلف معالج تھے۔ علم طب و حکمت میں بڑی ترقیاں ہوئی تھیں۔ حفظانِ صحت پر خاص توجہ تھی۔ لوگوں کی قویٰ و تندرستی بہت اچھی تھی۔ عام طور سے مہینہ میں تین دن جلاب و قے اور دوائیں استعمال کر کے پورے طور سے طبیعت کا تنقیہ کر دیتے تھے۔ (ہسٹری آف ورلڈ)

بڈھا - وہی بدذات پیاپخی نا جس کی صورت سے مجھے نفرت ہے۔
ننیچاری - ہاں -
بڈھا - اچھا میاں - یہ بھی بھگت لونگا - میں تو جانتا تھا کہ بڑے لوگ کبھی نہیں بدلتے - لیکن اب نرالا زمانہ ہے - بعض اپنا خاص ہنر چھوڑ کر - اب دوسری بیماریوں کا بھی علاج کرنے لگے - اور اپنے بڈھے وفادار خادم کو ... جھڑکنے ...“
ننیچاری - (ترش رو ہوکر) بس اب زیادہ بک بک نہ کر - اور شام تک یہیں کھڑا رہ -

خادم پران الفاظ کا اثر ہوا - وہ سر جھکا کر چپ ہو رہا - مگر مالک کو جاتا دیکھ کر اُسے ایک بات یاد آئی اور قریب آکر آہستہ سے بولا ”یہ تو میں کہنا بھول ہی گیا تھا ایک شخص فنیس نامی جو مصر میں افواج یونانی کے افسر اعلیٰ تھے آپ سے کچھ گفتگو کرنا چاہتے ہیں - میں بھی انہیں کی زیر حمایت ایران آیا ہوں“

ننیچاری - اگر انھیں مجھ سے کچھ کہنا ہے تو خود ہی ملنے آئیں گے -
بڈھا - آپ کو بھلا فرصت کہاں - نتیتس کی بیماری سے پہلے آپ دن بھر نادرشاہ کے محل میں رہتے تھے جن کی آنکھیں اچھی خاصی ہیں -
ننیچاری - ہب !!
بوڑھا - ہاں صرف موتیا بند ہی ہے نا جسے اچھا کر دینا آپ کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے - اب صرف رات ہی کو آپ سے ملنے کا موقع ہے - فینس بھی میرے ہمراہ آئیں - کیا ہرج ہے ؟
ننیچاری - میں صرف تمہیں سے ملنا چاہتا ہوں -
ہبا - میری بھی یہی خواہش تھی - مگر یونانی سخت عجلت میں ہے - اور وہ اُن کُل واقعات کو بھی جانتا ہے جنھیں میں آپ سے عرض کرنے والا ہوں -

بنبچاری۔ مجھے ڈر ہے کہ تو پیٹ کا بڑا ہلکا ہے۔
خادم۔ نا ۔۔۔۔۔ مگر ۔۔۔۔۔
بنبچاری۔ والد مرحوم کو تجھ پر بڑا بھروسہ تھا۔ اور آج تک میں بھی تجھے اپنا معتبر اور رازداں سمجھتا رہا۔
خادم۔ اور اب میں کیا کچھ بدل گیا؟ ہرگز نہیں۔ یونانی پہلے ہی سے واقف تھا مگر ہاں کچھ میری زبان سے بھی ۔۔۔۔
بنبچاری۔ کیا؟
خادم۔ دھوکے سے نکل گیا۔ سچ کہتا ہوں اُس نے ایسی چرب زبانی کی کہ اگر میرے گلے میں حفظ نقش و نظر بد سے بچنے کا یہ تعویذ نہ ہوتا تو غضب ہی ہو گیا ہوتا۔
بنبچاری۔ میں یونانی سے بخوبی واقف ہوں اس لئے تیرے قصور سے درگذر کرتا ہوں۔ اور اب تیرے ساتھ اسکے آنے میں بھی کچھ مضائقہ نہیں سمجھتا۔ ابھی سورج غروب ہونے میں بڑی دیر ہے۔ میں بہت عدیم الفرصت ہوں۔ چند لفظوں میں جلد بیان کر کہ کیا واقعہ گزرا۔
خادم۔ بہتر ہو گا کہ رات ہی کے وقت فرصت سے ۔۔۔۔۔
بنبچاری۔ نہیں میں چاہتا ہوں کہ یونانی کے آنے سے پہلے مجھے کچھ علم ہو جائے جلد بیان کر۔
خادم۔ آپ کے گھر میں چوری ہو گئی۔
بنبچاری۔ بس! اور تو کچھ نہیں ہوا۔
خادم۔ یہ کیا کم ہے؟ آپ کچھ سمجھے بھی کہ نہیں؟
بنبچاری۔ میری بات کا جواب دے۔ اور تو کچھ نہیں ہوا؟
خادم۔ اور کیا ہوتا؟

بنبچاری۔ اچھا تو رخصت۔

خادم۔ ذرا ٹھیرنا۔ ننبچاری!...... آقا.......”

کمال نے یہ جملہ نہیں سُنا اور جلدی سے قدم بڑھاتا ہوا اندرونِ محل داخل ہوگیا۔ جس کا دروازہ فی الفور بند ہوگیا۔

جب ثریا آسمان پر نمودار ہوا۔ ننبچاری ایک عالی شان و آراستہ کمرہ میں جو حرم شاہی کے مشرقی سمت واقع تھا۔ ایک کرسی پر لیٹا ہوا مہمانوں کا انتظار کر رہا تھا جب وہ آئے تو پہلے اُس نے بکمال اخلاق و مہربانی انہیں اپنے قریب جگہ دی۔ پھر یکایک خاموش ہوگیا۔ اور اس کے چہرے سے ایسی سنجیدگی و متانت برسنے لگی جسکی وجہ سے وہ ایرانیوں میں اس قدر بد دماغ و ترش رو مشہور تھا۔ لیکن درحقیقت وہ ایک سچا مصری تھا اور عادات و اطوار کے لحاظ سے اپنے طبقہ و ذات کے لوگوں کا ایک اصلی نمونہ تھا۔ آخر الذکر کا یہ دستور تھا کہ عوام الناس خصوصاً اجنبیوں سے نہایت تمکنت و وقار و تکلف سے ملتے[۱]۔ مگر اپنے دوستوں عزیزوں و ہم پلہ لوگوں میں اس بناوٹ و تصنع کو بالائے طاق کر دیتے اور خوب دل کھول کر اپنے خیالات و جذبات کا پورے طور سے اظہار کرتے۔ ننبچاری گو فینس سے پہلے واقف تھا تاہم وہ اجنبی تھا

---

[۱] مصر میں قاعدہ تھا کہ اجنبیوں اور خصوصاً غیر ملکیوں سے سنجیدگی و تکلف سے ملتے تھے مگر عام طور سے بزرگوں کا بہت ادب کیا جاتا تھا۔ اگر چھوٹا کسی بڑے سے راستہ میں ملتا تو فوراً اسکے لئے جگہ دے دیتا۔ اگر کوئی بڑا کسی کمرے میں داخل ہوتا تو سب چھوٹے کھڑے ہو جاتے ان کے سلام کا طریقہ بھی عجب تھا۔ یعنی مُنہ سے کچھ نہ بولتے بلکہ ہاتھ گھٹنوں تک لے جاکر نہایت ادب سے جھک جاتے۔ (ہسٹری آف ورلڈ)

اس لئے اُس سے ملنے میں علاوہ ظاہرداری کے کسی قدر سرد مہری بھی نمایاں تھی۔ کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد اُس نے غلام کو حکم دیا کہ دوسری جگہ چلا جائے وہ اپنے مہمان سے تخلیہ میں باتیں کرنا چاہتا ہے۔

یونانی (مصری زبان میں جس کا وہ ماہر تھا) میں آپ سے چند ضروری امور کے متعلق صلاح لینے آیا ہوں۔

کحال۔ مجھے پہلے ہی سے ان کا علم ہے۔

یونانی۔ (مسکرا کر) مجھے اس میں شک ہے۔

بلنچاری۔ تم مصر سے جلاوطن کئے گئے۔ شہزادہ سامتک تمہارا دشمن ہو گیا اور اب ایران اس لئے آئے ہو کہ اپنا انتقام لینے کی غرض سے کمبوجیہ کو میرے ملک کے خلاف آمادہ کرو۔

یونانی۔ آپ کو مغالطہ ہوا ہے۔ مجھے آپ کے ملک سے کوئی خصومت نہیں ہے مگر ہاں یہ ضرور کہونگا کہ اماسس کے خاندان سے البتہ میرے دل میں کینہ ہے۔

بلنچاری۔ تمہیں شاید یہ معلوم نہیں کہ میرے ملک میں حاکم و حکومت دونوں کو ایک ہی سمجھا جاتا ہے۔

یونانی۔ یہ تو میں جانتا نہیں لیکن یہ البتہ معلوم ہے کہ اب آپ کے وطن میں پجاری و پروہت بھی حکومت کا دعویٰ کرتے ہیں۔

کحال۔ خوب یہ ایک نئی بات آپ نے سُنائی۔ اب تک تو میں یہی سمجھتا رہا کہ فراعنہ سب سے افضل و برتر اور اپنی سلطنت کے مختار کُل ہیں۔

یونانی۔ یہ بیشک اُس زمانہ کا حال ہے جب وہ آپ کے طبقہ یعنی حضرات پروہت سے محفوظ تھے۔ اب تو اماسس بھی اُن کے سامنے سر جھکاتا ہے۔

کحال۔ عجیب بات۔ یہ بالکل نئی خبر ہے۔

یونانی - جو آپ کو پہلے سے معلوم تھی۔

نبنچاری - کیا یہ آپ کا یقین ہے۔

یونانی - بیشک - اور مجھے یہ بھی بخوبی معلوم ہے۔ ذرا غور سے سنئے کہ ایک مرتبہ اماسس کو اپنے مشیروں کی رائے ہموار کرنے میں غیر معمولی کامیابی حاصل ہوئی تھی۔

نبنچاری - میں نہیں کہہ سکتا۔ مجھے وطن کی بہت کم خبریں ملتی ہیں۔ معلوم نہیں آپ کس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

یونانی - بجا و درست! کیونکہ اگر آپ کو علم ہوتا اور یوں ہی ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھے رہتے۔ تو لوگ اُس کُتے سے تشبیہ نہ دیتے جسے جوتے ولاتیں لگائی جائیں پھر بھی اپنے مالک کے قدموں کو نہیں چھوڑتا اور اسکے پیر چاٹ کر دم ہلاتا ہے۔

ان الفاظ کے سُنتے ہی کحال کا چہرہ متغیر ہو گیا اس نے بہت ضبط کر کے جواب دیا۔ مجھے خوب معلوم ہے کہ اماسس نے مجھ پر کیا کیا ظلم و ستم ڈھائے ہیں۔ لیکن میرا جذبۂ انتقام ایسا شیریں ہے کہ اُس میں کسی غیر کی شراکت پسند نہیں کر سکتا۔

یونانی - آپ کا ارشاد بالکل بجا ہے۔ لیکن میرے جذبۂ انتقام کا بھی حال سُنئے۔ میں اُسے ایک ایسی ہری بھری بیل تصور کرتا ہوں جو انگوروں سے اس قدر لدی ہو کہ میں تن تنہا جمع نہیں کر سکتا۔

کحال - جس کے یہ معنی ہوئے کہ تم میری مدد مانگنے آئے ہو۔

یونانی - ہاں۔ اور مجھے قوی امید ہے کہ اگر آپ عقلمند ہیں تو میرا ساتھ دیکر اس بار آور کھیتی سے ضرور فائدہ اٹھائیں گے۔

مصری - تم غلطی پر ہو۔ میرا مقصد تو کبھی کا پورا ہو گیا۔ دیوتاؤں کی مدد سے مجھے کامیابی نصیب ہوئی اور اماسس کو اپنی ظالمانہ حرکات کی کافی سزا مل گئی۔

یونانی - یعنی وہ اندھا ہو گیا۔

مصری - اور کیا۔

یونانی - اچھا تو شاید آپ کو یہ خبر نہیں کہ جناب کے رقیب حکیم تیمّن نے اماسس کی آنکھوں پر سے ایک جھلّی کاٹکر اُنکی بینائی پھر واپس کر دی۔

مصری - (چونک کر اور دل ہی دل میں پیچ و تاب کھاکر) خیر یہ نہ سہی تو دیوتاؤں نے اس کی اولاد پر آفتیں نازل کیں اور میرا بدلہ لے لیا۔

یونانی - یہ کس طرح ثابت ہوا؟ سامتیک سے بادشاہ آج کل بہت راضی و خوش ہے۔ تاشو البتہ بیماری کی مصیبت میں گرفتار ہے لیکن اس حالت میں بھی وہ اپنے باپ کے لئے برابر دعائیں مانگتی رہتی ہے۔ اب رہ گئی نتیتیس وہ مر بھی گئی تو اس کا رنج اماسس کو بس اتنا ہی ہو سکتا ہے جتنا اپنے کسی دوست کی لڑکی کے مرنے کا ہو۔ آپ بخوبی سمجھ سکتے ہیں کہ اس سے میرا کیا مطلب ہے۔

مصری - نہیں۔ میں بالکل نہیں سمجھا۔

یونانی - (گردن ہلاکر) بیشک! بھلا کیوں سمجھنے لگے۔ ابھی تک شاید جناب اسی خیال میں ہیں کہ میں بھی کوئی احمق و ناداں ہوں کہ آپ کی مریضہ کو اماسس کی دختر تصور کرتا ہوں۔" اس جملہ پر مصری پھر چونکا۔

فینیس - بندہ پرور۔ مجھے ان سب باتوں کا علم ہے۔ نتیتیس شاہ ہوفرا کی دختر ہے جسے اماسس نے اپنی لڑکی اس غرض سے مشتہر کیا تھا کہ اول تو عوام الناس سمجھیں کہ معزول بادشاہ بے اولاد مر گیا۔ دوسرے یہ کہ اس سلطنت پر جو قانوناً اُس کی میراث ہے وہ کبھی دعویٰ نہ کر سکے۔ عورتیں بھی تو مصر پر حکمراں ہو سکتی ہیں؟

مصری - یہ محض تمہاری خیالی باتیں ہیں۔

یونانی - انہیں خیالی باتوں کو میں ایسے قوی دلائل سے پیش کرنا چاہتا ہوں جن کا کوئی جواب آپ کے پاس نہیں۔ یعنی اُن کاغذات میں جو آپ کے بوڑھے خادم

ہب کے بکس میں محفوظ ہیں۔ چند خطوط ہیں جو ایک مشہور و معروف حکیم یعنی آپ کے والد مکرم کے دستِ مبارک کے لکھے ہوئے ہیں۔

ننیچاری۔ بہرحال وہ خط بھی میری ہی ملکیت ہیں جنھیں میں کسی دوسرے کے حوالہ کرنا پسند نہ کرونگا۔ علاوہ بریں تمام ایران میں ایسا کوئی فرد بشر نہیں جو میرے والد کی تحریر پڑھ سکے۔

یونانی۔ یہ خادم پھر آداب بجالاتا ہے اور جناب کو اس غلط فہمی پر متنبہ کرنا چاہتا ہے اول تو جیسا عرض کر چکا ہوں وہ بکس فی الحال میرے قبضہ میں ہے۔ اور گو میں حقوق ملکیت کا بہت بڑا حامی ہوں مگر اس موقع پر جبتک میرا مقصد نہ پورا ہو جائیگا آپ کو وہ کاغذات نہیں مل سکتے۔ دوسرے ایک بالکل غیر توقع امر ظہور میں آیا جسے امدادِ غیبی یا دیوتاؤں کا ایک معجزہ سمجھنا چاہئے یعنی اسی شہر بابل میں ایک شخص موجود ہے جو ہر قسم کی مصری تحریروں کے پڑھنے میں کمال رکھتا ہے۔ آپ نے بھی شاید حکیم النوفس کا نام سُنا ہوگا۔

ننیچاری کا چہرہ پھر متغیر ہو گیا۔ اس نے گھبرا کر جلدی سے پوچھا "کیا تمہیں یقین ہے کہ یہ شخص ابھی تک زندہ ہے؟

یونانی۔ یقین کی خوب کہی! میں نے خود اپنی آنکھوں سے کل ہی تو اُسے دیکھا ہے۔ آپ کو یاد ہوگا کہ یہ شخص ہیلیوپولس[۱] کا پروہت اعظم رہ چکا ہے اور اس لئے آپ کے تمام مخفی و پوشیدہ رازوں سے بخوبی واقف ہے۔ جب میرے معزز ہموطن حکیم فیثاغورث مصر تشریف لیگئے تھے تو انہیں اس شہر کے پروہتوں سے تعلیم حاصل کرنے کا بہت شوق ہوا اور بمشکل تمام بعد ادائے رسومات بسیار جب انھیں اجازت مل گئی تو اس کے ایک مشہور درسگاہ یا خانقاہ میں داخل ہوئے جہاں انکی

[۱] عین الشمس

خدا داد ذہن وقابلیت پر مفتوں ہو کر انوفس نے انھیں بہت سے مخفی[۵۱] مسائل ورازہائے سربستہ سے آگاہ کر دیا۔ جنہیں بعد ازاں انہوں نے اپنے ملک میں پہنچکر تمام دنیا پر شائع کر ناچاہا۔ یہ بندہ ناچیز اور اُس کے معزز دوست رھوڈوفس اُسی یکتائے دہر ویگانہ روزگار فیثاغورث کے شاگرد ہیں۔ غرضکہ جب آپ کے پروہتوں کو معلوم ہوا کہ انوفس سے یہ گناہ سرزد ہوا ہے اور اُس نے بلا اجازت ایک غیر ملکی اجنبی شخص کو علوم مخفی کے تلقین کی جرأت کی ہے تو وہ اس کی جان کے درپے ہو گئے اور اُسے گرفتار کر کے یہ سزا تجویز کی کہ شفتالو کی گٹھلی سے جو زہر نکلتا ہے اُسے پلا کر مارا جائے۔ انوفس نے یہ سنا تو راتوں رات وہاں سے بھاگ کر نوکراتیس آیا اور روڈوفس کے مکان میں روپوش ہوا۔ جہاں فرعون کی حمایت وامان کی وجہ سے کوئی شخص اس پر ہاتھ نہ ڈال سکا۔ وہیں اس کی ملاقات انٹی مناڈس برادر شاعر الکایوس باشندہ لسبوس سے ہوئی۔ یہ معزز یونانی جو عہدِ پیٹاکوس میں جلاوطن ہو کر ایک عرصہ دراز تک بابل میں رہا تھا اور بخت نصر اُس زمانہ کے شاہ اشوریہ کی ملازمت بھی کر چکا تھا۔ قلدانیہ کے حالات سے بخوبی واقف تھا۔ اس نے اس مصری بزرگ کی امداد کے لئے کئی تعارفانہ خطوط اپنے دوستوں کے نام لکھے، جنھیں لیکر انوفس یہاں آیا اور بابل میں بود و باش اختیار کرنے لگا۔ اور انھیں خطوط کے ذریعہ معاش حاصل کرنے میں بھی کامیاب ہوا۔ اب وہی شخص جس کا کسی زمانہ میں مصر کے افضل ترین علمار میں شمار تھا۔ قلدانیوں کو مینار بابل میں علم الافلاک ونجوم سکھا کر

---

۵۱ انکے متعلق ہماری معلومات نہایت محدود ہے یعض قدیم کتبوں کے پڑھنے سے کچھ پتہ چلتا ہے۔ لیکن انکا سمجھنا مشکل ہے کیونکہ پروہت ایسی باتیں عمداً نہایت پیچیدہ زبان میں لکھا کرتے تھے۔ تاہم عقاید وحدانیت کی جھلک اکثر نظر آتی ہے۔ اور گمان اغلب ہے کہ یہ رازہائے سربستہ بھی ذات باری تعالیٰ کے متعلق ہونگے۔ (ایبرس)

اپنی روزی کماتا ہے۔ اس کی عمر اب قریباً اسّی سال کی ہوگی۔ تاہم وہ نہایت مضبوط و تندرست ہے میں کل ملنے گیا تھا اور جب اُس سے مدد کا خواستگار ہوا تو بخوشی راضی ہو گیا۔ آپ کے والد بھی اُنھیں پروہتوں میں تھے جنہوں نے اسکے خلاف فیصلہ کیا تھا۔ لیکن وہ باپ کا بدلہ لڑکے سے نہیں لینا چاہتا اور آپ کو بہت بہت سلام کہتا ہے۔"

اس دورانِ گفتگو میں نبنچاری اپنا سر نیچے کئے چُپ چاپ زمین کی طرف دیکھ رہا تھا۔ جب فنیس ختم کر چکا تو اس نے بغور اس کی طرف دیکھ کر پوچھا "میرے کاغذات کہاں ہیں؟

یونانی۔ انوفس کے پاس۔ جو انھیں پڑھ کر میرے حصول مقصد کے لئے چند ضروری باتیں تلاش کر رہا ہے۔

نبنچاری۔ میں پہلے ہی کھٹک گیا تھا۔ اب ذرا یہ تو فرمایئے کہ یہ بکس جسے آپ نے میرے خادم سے چھین کر یوں ہضم کر لیا ہے۔ کس شکل کا ہے۔

یونانی۔ یہ ایک سیاہ آبنوس کی لکڑی کا چھوٹا سا صندوق ہے۔ اس کے ڈھکنے پر نہایت خوبصورت کام ہے۔ وسط میں ایک پردار گبریلے کی شکل ہے اور چاروں کونوں پر . . . ."

نبنچاری۔ (اطمینان سے سانس لیکر) اس بکس میں سوائے میرے والد کے چند نوشتوں کے اور کوئی کارآمد شے نہیں ہے۔

یونانی۔ یہی میرے مقصد کے لئے بالکل کافی ہے۔ آپ کو شاید یہ خبر نہیں کہ شہنشاہ کمبوجیہ آج کل مجھ پر بہت مہربان ہیں۔

نبنچاری۔ مبارک ہو۔ مگر مجھے اندیشہ ہے کہ جو کاغذات درحقیقت آپ کے لئے مفید ہو سکتے ہیں وہ ابھی تک مصر ہی میں پڑے ہیں۔

یونانی۔ وہ انجیر کی لکڑی کے ایک بڑے سے رنگین بکس کے اندر تو نہ تھے؟

مصری ۔(چونک کر) تمہیں کیسے معلوم ہوا؟
یونانی ۔ کیونکہ یہ !! نبنچاری اب ذرا کان کھول کر سُنو میں تم سے سچ سچ کہتا ہوں قسم نہ کھاؤنگا ۔ اس لئے کہ میرے اُستاد فثیا غورث نے منع کیا ہے ۔ یہ وہی بکس ہے جو مع اپنی تمام چیزوں کے بحکم فرعون بمقام سلیبز معبد نلتیھ کے کنج میں ایک روز جلا کر خاکستر کر دیا گیا ۔

اس جملے کے تمام الفاظ جنھیں فینیس نے نہایت آہستہ آہستہ ایک ایک پر زور دیکر ادا کیا تھا نبنچاری کے کان میں اس طرح پڑے جیسے بجلی کے لپکے و شعلے کسی پر ٹوٹ کر گرتے ہیں ۔ اس کا استقلال و تحمل ہاتھ سے چھوٹ گیا اور ایک ناقابل بیان اضطراب و بیقراری نے چہرہ زرد کر دیا ۔ اُس کی آنکھیں جھکنے لگیں ہاتھ کانپنے لگے اور دل کی ایک عجیب حالت ہو گئی جسے اس نے حتی الامکان بہت ضبط کیا رومال سے اپنی پیشانی کا پسینہ پونچھا اور ایک لڑکھائی آمیز بھرائی ہوئی آواز سے یونانی کو یوں خطاب کیا " تم مجھے اپنا حلیف و مددگار بنانا چاہتے ہو اس لئے میرے دل میں ہموطنوں کی طرف سے نفرت و عناد پیدا کرنے کا ارادہ رکھتے ہو میں تم یونانیوں کو بخوبی جانتا ہوں ۔ بڑے چالاک و سازشی ہو اور اپنا مطلب نکالنے کے لئے کسی قسم کے دھوکہ دہی و دروغ گوئی سے نہیں چوکتے "۔

فینیس ۔ اسی کا نام انتہائے تعصب و ہٹ دھرمی ہے ۔ آپ اور آپ کے دوسرے ہموطن ہم یونانیوں کو عموماً دنیا کی بدترین لوگوں میں شمار کرتے ہیں لیکن میں یقین دلاتا ہوں کہ اس معاملہ میں میں نے نہایت راستبازی و صداقت سے کام لیا ہے اور آپ کے تمام شبہات بالکل بے بنیاد ہیں ۔ بہتر ہوگا کہ اپنے پرانے وفادار خادم ہبب کو بلا کر پوچھئے اور دیکھئے کہ وہ میرے اس بیان کی تصدیق کرتا ہے کہ نہیں ۔
نبنچاری نے ہبب کو آواز دی اور اُس کی صورت دیکھتے ہی غضبناک آواز

سے گھرک کے بولا "میرے قریب آ۔" ہب اپنے دونوں شانوں کو حرکت دیتا اور اپنا پوپلا منہ بناتا ہوا سامنے آیا۔

ننچاری۔ تجھے اس یونانی نے کوئی لالچ و رشوت تو نہیں دی ہے؟ ہاں یا نہیں۔ سچ بول۔ میری تمام زندگی کا دارومدار اس پر ہے۔ شاید تو اس چالباز کی باتوں میں آگیا ہو۔ خیر میں اسے معاف کرتا ہوں کیونکہ تو میرا پرانا خادم ہے۔ اور مجھ پر تیرے بہت سے حقوق ہیں۔ مگر اب جھوٹ نہ بولنا۔ میں منت کہتا ہوں تجھے اپنے آباؤ اجداد کی قسم۔ سچ بتا۔ اس شخص کا بیان صحیح ہے؟"

اپنے آقا کے یہ کلمات سنتے ہی بڈھے کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ پہلے تو کچھ دیر تک کھڑا ہوا پھنکارتا وہاں تیارہا۔ زبان سے کچھ نہ کہہ سکا۔ پھر آنکھوں کے آنسو جو امڈے چلے آتے تھے انھیں بڑے ضبط سے پی کر ایک رونی و خشمگین آواز سے چلایا۔ "میں کہتا نہ تھا کہ اس ناپاک و بے غیرت ملک میں رہتے رہتے یہ بھی بگڑ گئے اور ان کا بھی مزاج خراب ہو گیا۔ جو جیسا ہوتا ہے دوسروں پر بھی اسی طرح شبہ کرتا ہے۔ آپ چاہے مجھ پر کتنا ہی خفا ہوں۔ میں چپ ہوں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ کیونکہ آپ کا قدیم نمک پروردہ ہوں۔ ساٹھ برس تک آپ ہی کے خاندان میں رہ کر جس ایمانداری و وفاداری سے خدمت کی ہے دیوتا ہی خوب جانتے ہیں۔ اب جب بوڑھا ہو گیا تو میرے ماتھے پر ایک کلنگ کا ٹیکہ لگایا جاتا ہے۔ مجھے نالائق، فضول گو، جھوٹا، لالچی و دغاباز بناتے ہو۔ خیر میاں جو جی میں آئے کہہ ڈالئے۔ میں اسی قابل ہوں۔"

یہ کہتے ہی باوجود اس قدر ضبط کے بڈھے کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ فینس نے دیکھا تو اسے بہت ترس آیا اور اس کے سر پہ ہاتھ رکھ کر بڑی شفقت و ہمدردی سے کہنے لگا "ہب۔ تم اپنا دل نہ دکھاؤ۔ سچے کو کوئی آنچ نہیں آسکتی۔ تمہاری وفاداری اور اپنے مالک پر جان نثاری کا حال میں بھی خوب جانتا ہوں اور

یہ دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اُٹھاکر کہتا ہوں کہ اگر تم مجھ سے کبھی ایک دمڑی کے بھی خواستگار ہوئے ہو اور میں چُھپاتا ہوں تو میرا ناس ہی ہو جائے اور ہمیشہ کے لئے زبلیس کی رحمت سے محروم ہو جاؤں۔

سحال کو اپنے خادم کی بے گناہی پر یقین آنے کے لئے یونانی کے ان الفاظ کی کچھ ضرورت نہ تھی۔ وہ بوڑھے ہب کو اپنے بچپن کے زمانے سے بخوبی جانتا تھا۔ اس کا چہرہ دیکھتے ہی فوراً سمجھ گیا کہ وہ جھوٹ بولنے یا دھوکہ دینے کے ناقابل ہے۔ اس لئے کرسی سے اٹھ کر اس کے پاس آیا اور بڑی نرمی و شفقت سے بولا "ہب! میں تجھ پر کوئی الزام نہیں لگاتا۔ ایک ذرا سی بات پوچھی تھی تو اس قدر خفا و رنجیدہ ہو گیا"

ہب۔ (آنسو پونچھکر) نہیں تو کیا آپ کی یہ باتیں سُنکر خوش ہوتا۔

نینچاری۔ خیر اسے جانے دے۔ اب یہ بتا کہ میری غیبت میں مکان پر کیا واقعہ گذرا

بڈھا۔ کیا بتاؤں کیا گذرا۔ جب اُس کا خیال آتا ہے تو دل پر ایک چوٹ سی لگتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ کڑوے کڑوے اندرائن یا زہر ہلاہل پی رہا ہوں

نینچاری۔ تم نے ابھی کہا تھا کہ میرے گھر میں کوئی چوری ہو گئی۔

بڈھا۔ (غصہ و جھنجلاہٹ سے) چوری بھی کیسی۔ سینہ زوری تھی۔ کسی نے آجتک ایسی چوری نہ دیکھی ہو گی نہ سُنی۔ اگر وہ کمبخت اصلی چور[1] ہوتے تو مجھے صبر بھی آجاتا اور

[1] بقول دیودورس۔ مصر میں چوروں کا بھی ایک خاص پیشہ تھا۔ اور ان میں جو کوئی پولیس کے سامنے حاضر ہو کر اپنی اطلاع کر دیتا تھا۔ اُسے بجائے سزا دینے کے زیر نگرانی رکھا جاتا تھا۔ ان چوروں کا ایک مکھیا یا سردار بھی ہوتا تھا۔ جو ایک چوتھائی قیمت لینے کے بعد تمام مال مسروقہ واپس کر دیتا تھا۔ اس عجیب رسم کی شاید یوں ابتدا ہوئی کہ ہر مصری کو مجبوراً سال میں ایک بار حاکم ضلع کے سامنے حاضر ہو کر اپنے ذرائع معاش کا حال بیان کرنا پڑتا تھا۔ (ایر)

مال ملنے کی کچھ امید ہوتی۔ مگر وہ تو دن دہاڑے ظلم تھا۔ ہائے آقا غضب ہو گیا…
کچال۔ میرا وقت بہت تنگ ہے۔ جلدی مطلب کی بات کہہ۔ اور فضول مت بک بک۔ پھر وہی مجھی کو الزام! جب سے میں نے یہاں قدم رکھا ہے۔ کوئی ٹھیک بات ہی میری زبان سے نہیں نکلتی۔ خیر صاحب تم میرے آقا ہو۔ میں ایک ادنیٰ غلام ہوں۔ مالک کا حکم بجالانا میرا فرض ہے۔ اچھا تو سنو مجھے یہ حادثہ کبھی نہ بھولے گا۔ ابھی کل کی بات معلوم ہوتی ہے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب ایرانیوں کی سفارت دختر فرعون کو لینے مصر آئی تھی اور ہر طرف انھیں کا ذکر چرچا تھا۔ ایک دن شام ہو گئی تھی۔ جھٹ پٹے کا وقت تھا۔ میں کیڑوں[ف۱] والے مینار کے اندر بیٹھا ہوا اپنے بزرا کے بڑے بچے کو کھلا رہا تھا جس کی شکل و صورت تیزی و چالاکی کی کیا تعریف کروں ہاتھ پیر کا بھی ایسا مضبوط ہے کہ اپنی عمر سے دوگنا بڑا معلوم ہوتا ہے۔ شریر مجھ سے کہہ رہا تھا کہ باوا نے اماں کی جوتیاں کہیں چھپا دی ہیں آپ جانتے ہیں ہمارے یہاں یہ قاعدہ ہے کہ جو مائیں اکثر اپنے بچوں کو اکیلا چھوڑ کر باہر سیر سپاٹے کو چلی ہی جاتی ہیں اُن کے شوہر انھیں تنگ کرنے کے لئے جوتیاں[ف۲] چھپا دیتے ہیں۔ میں یہ سُنکر بہت ہنس رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ خوب ہوا۔ بزرا کو اچھی سزا ملی کیونکہ وہ کبھی اپنے

ف۱ مصری اپنے مکانوں میں ایک بلند مینار بناتے تھے۔ جہاں رات کے وقت مچھروں وغیرہ سے بچنے کی غرض سے سوتے تھے۔ دلدلوں کے قریب نشیبی مقامات میں غریب لوگوں کے پاس جال ہوتے تھے جن سے دن کے وقت مچھلیاں پکڑتے تھے۔ اور بوقت شب اُنھیں مچھردانی کی طرح استعمال کرتے تھے۔ (ہسٹری آف ورلڈ)

ف۲ بقول پلوٹارک۔ سڑکوں پر ننگے پیر چلنا قدیم مصر میں نہایت معیوب سمجھا جاتا تھا۔ اسی لئے شوہر اپنی بیویوں کی جوتیاں چھپا دیتے تھے کہ وہ سیر و سپاٹے کے لئے باہر نہ نکل سکیں۔ اور خانگی انتظام میں خلل نہ واقع ہو۔ (ایبرز)

بچوں کو میرے پاس نہیں چھوڑتی اور کہتی ہے کہ میں انھیں بگاڑ دیتا ہوں۔ اتنے میں یکایک دروازہ کھٹکھٹانے کی اس زور سے آواز آئی کہ میں چونک پڑا۔ اور سمجھا کہ شاید مکان میں کہیں آگ لگ گئی ہے۔ میں لڑکے کو اپنی گود سے پھینک کر بے تحاشا ایک قدم میں تین تین سیڑھیاں لانگتا پھاندتا نیچے اترا اور دروازہ کھول کر باہر کھینے لگا۔ آناً فاناً میں بہت سے پولیس والے، پجاری و پروہت زبردستی اندر گھس آئے پیپچی بدمعاش کو تو آپ جانتے ہی ہونگے جو منتیھ کے مندر کا خادم ہے۔ مجھے دیکھتے ہی اُس موذی نے اس زور سے دھکا دیا کہ گرتے گرتے بچا اور دروازہ بند کر کے پولیس والوں سے کہنے لگا کہ یہ بڈھا اگر ٹرفون کرے تو اس کی مشکیں باندھ دو۔ یہ سُنکر آپ جانتے ہیں کہ مجھ پر بھی بھوت سوار ہوا اور جو کچھ میرے مُنہ میں آیا نے بھی کہہ سُنایا پھر کیا تھا۔ سچ عرض کرتا ہوں۔ تھو تھ کی قسم جو محافظ عقل و ہوش ہے۔ اس حرام زادے نے اپنے ساتھیوں سے کہہ کر مجھے رسی سے بندھوا دیا۔ اور مُنہ میں اس زور سے کپڑا ٹھونسا کہ میرا دم گھٹنے لگا۔ بعدہٗ یہ بولا کہ مہا پروہت کے ایک کام کے لئے ہم یہاں آئے ہیں اگر تم مزاحمت کروگے تو پچیس ڈنڈے گن کر ایسے رسید کریں گے کہ تمہاری عقل درست ہو جائے گی۔ یہ کہہ کر مہا پروہت کی مُہر دکھائی تب مجھے مجبوراً اُن کا حکم ماننا پڑا وہ یہ تھا کہ جس قدر آپ کے کاغذات خطوط و قلمی مسودے دیکھتے ہیں وہ سب میں اُن کے حوالے کر دوں۔ یہ سُنتے ہی میرے ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے لیکن آپ جانتے ہیں کہ بڈھا ایسا بھولا و نادان نہیں ہے کہ آسانی سے کسی کے دم میں آجائے۔ دگرون ہلا کر گو کہ بعض لوگ شبہ کرتے ہیں اور اُسے لالچی دغا باز و بے وقوف سمجھتے ہیں! آپ کو معلوم ہے کہ اُس وقت میں نے کیا فقرہ جمایا اور کیا چال چلی ؟ مُہر کو دیکھتے ہی میں نے نہایت عاجزانہ شکل بنالی۔ اور پیپچی سے کہا کہ بھائی میری مشکیں تو کھول دے میں کنجیاں

لاکر ابھی حاضر کرتا ہوں یہ یوں ہی ہیں چھوٹا فوراً ہوا کی طرح اُڑتا ہوا اٗناً فاناً میں کوٹھے پر پہنچا
اور وہ کالا بکس جو آپ مجھے سپرد کر گئے تھے ڈھونڈھ کے نکالا اور اپنے نواسہ کے ہاتھ میں
دیکر اسے ایک کمرے کے اندر ڈھکیل دیا اور دروازہ بند کرکے لڑکے کو سمجھا دیا کہ کھڑکی سی
نکل کر پیچھے پر سے ہوتا ہوا کبوتروں کے ڈھابل میں یہ بکس لے جاکر جلدی سے چھپا دے
اتنے میں وہ لوگ بھی اوپر چڑھ آئے اور اتنی دیر تک ٹھہرنے کا مجھ سے سبب پوچھنے
لگے میں نے کہا کہ ایک بچہ نے جو میرا نواسہ ہے اپنے منہ میں چھری رکھ لی تھی جس سے
اس کی زبان کٹ جانے کا اندیشہ تھا۔ اس لئے میں نے ابھی دو چار چپتیں مار کر پیچھے پر
اُسے نکال دیا ہے۔ اُس خر بے دم پیچی کو میری اس بات پر یقین آگیا اور بلا کسی شک
وشبہ کے مجھے اپنے ہمراہ لئے تمام گھر کی تلاشی لینے لگا۔ اتفاق سے سب سے پہلے اُسکی نگاہ انجیر کی
لکڑی کے اُس بڑے صندوق پر پڑی جسے آپ کہہ گئے تھے کہ حفاظت سے رکھنا۔ اُس پر انہوں نے
اپنا قبضہ کیا پھر آپکے لکھنے کی میز پر بہت سے پیپرس تھے اور گھر میں جتنے کتابات تھے سب ڈھونڈھ ڈھونڈھ
کے باہر لیگئے۔ صرف ایک وہی کالا بکس بچا جسے میرے نواسے نے بڑی ہوشیاری سے چھپا دیا تھا۔ اب
میں نے دیکھا کہ یہ بدمعاش نہیں مانتے اور آپکا قیمتی اسباب لئے جاتے ہیں تو میں پھر چلانا چیخنا شروع کیا۔
انھیں گالیاں دیں۔ دھمکایا ڈرایا کہ عدالت تک اس معاملہ کو لے جاؤں گا۔ اور
فرعون کے سامنے فریاد و زاری کرونگا۔ جس پر وہ قہقہہ مار کے ہنسنے لگے پھر میں
نے اُن تماشائیوں سے جو مکان کے سامنے جمع ہو گئے تھے۔ اپنا دکھڑا رویا اور
ان ڈاکوؤں کے خلاف ورغلانا چاہا۔ اس میں مجھے ضرور کامیابی ہوتی کہ اتنے میں
ایرانی سفارت کے چند لوگ اس طرف سیر کرتے آنکلے۔ ان کمبختوں کو دیکھتے ہی
لوگ سب چھوڑ چھاڑ کر اُن کے پیچھے ہو لئے اور میں اپنا سا منہ لے کے رہ گیا۔
اُسی دن شام کے وقت میں اپنے داماد کے یہاں گیا جو نیتھ کے مندر کا پجاری
ہے اور اُس سے کہا کہ ذرا دیکھنا تو ان کتبوں وغیرہ کا کیا حشر ہوا۔ وہ ابھی تک

آپ کا احسانمند ہے کہ میری بنرا کی شادی میں کیسا اچھا جہیز آپ نے اُسے عنایت کیا تھا۔ تین دن بعد وہ میرے پاس آیا اور کہنے لگا کہ تمہارے آقا کا وہ خوبصورت صندوق اور کاغذ وغیرہ پروہتوں نے جلا کر خاک کر دیئے۔ خود میں نے اپنی آنکھوں سے اسے دیکھا ہے۔ اس خبر کے سُنتے ہی مجھے اس قدر صدمہ و رنج ہوا کہ یرقان ہو گیا۔ تاہم اس بیماری کی حالت میں بھی جہاں تک مجھ سے ہوسکا دوڑ دھوپ کی عدالت میں عرضی دعویٰ داخل کیا۔ مگر کمبخت ججوں نے میری ایک نہ سُنی کیونکہ وہ بھی تو آخر پروہت ہی تھے۔ پھر میں نے آپ کے نام سے ایک عرضداشت فرعون کی خدمت میں گذاری مگر وہاں سے بھی دھتکار کر نکالا گیا اور یہ دھمکی ملی کہ دوبارہ اُن کاغذوں کا نام لیا تو سلطنت کے خلاف دغابازی کے جرم میں سزا پاؤں گا۔ اب میں بالکل مجبور و لاچار ہوا تو مصر میں ایک دن کا رہنا بھی مجھے دوبھر ہو گیا۔ اور سوچنے لگا کہ کس طرح آپ سے مل کر ان تمام حالات کی اطلاع دوں اور وہ سیاہ بکس بھی جو دشمنوں کی دستبرد سے بچ گیا تھا آپ کے حوالہ کر کے اپنے فرض سے سبکدوش ہو جاؤں۔ غرضکہ اسی خیال سے میں نے اپنے وطن کو خیرباد کہا۔ اور اپنے پیارے بچوں کو روتا دھوتا چھوڑ کر اس بڑھاپے میں اتنے بڑے سفر کی ہمت کی۔ میرا چھوٹا نواسا بڑا ذہین و چالاک ہے چلتے وقت جب میں اُسے پیار کر کے رخصت ہونے لگا تو کیا کہتا ہے۔ نانا! یہاں سے نہ جاؤ۔ ملیچھ ملک میں تمہیں چھوت لگ جائے گی تو ہم تمہیں پیار نہ کرنے دیں گے۔ بنرا نے آپ کو بہت بہت آداب کہا ہے اور میرے داماد نے کہلا بھیجا ہے کہ سامیتیک و پیٹمن جو آپ کے جانی دشمن ہیں انھیں دونوں کے اشارے و سازش سے یہ چوری ہوئی تھی۔ خیر صاحب! آپ کو معلوم ہے کہ میں دریائی سفر سے بہت ڈرتا ہوں اسلیئے خشکی کی راہ روانہ ہوا اور عرب سوداگروں کے ایک قافلہ کے ساتھ تدمور[1] تک جو فلینکیون کی ایک ریگستانی سرسبز بستی ہے

[1] موجودہ پالمیرا (بالمارا۔ بلقیس السنجا)

آیا۔ وہاں سے سیدا کے تاجروں کے ساتھ ہولیا اور فرات کے کنارے کرشمس پہنچا یہاں وہ دونوں سڑکیں جو فنیقیہ و سارڈیس سے بابل جاتی ہیں باہم ملتی ہیں۔ اور ایک عالی شان سرائے بنی ہوئی ہے۔ میں جب اس مقام پر پہنچا تو سفر کی تکلیفوں سے تھکا ماندہ درختوں کے نیچے دم لے رہا تھا کہ اتنے میں ایک اجنبی شاہی ڈاک کی گاڑی میں سفر کرتا ہوا نظر آیا جسے میں نے دیکھتے ہی پہچان لیا کہ ہو نہ ہو یہ تو ہمارے ملک کے یونانی فوج کا پرانا سپہ سالار ہے۔

فینس۔ ہاں اور میں نے بھی تو بڑے میاں تمہیں دیکھتے ہی پہچان لیا تھا کہ ہو نہ ہو یہ وہی حضرت ہیں جن کی تنک مزاجی و زبان درازی کا شہرہ تمام مصر میں ہے۔ مجھے خوب یاد ہے کہ جب تم اپنے آقا کی دوائیوں کا بکس بغل میں دبائے ہوئے ان کے پیچھے پیچھے سڑک پر نکلتے تو لونڈے تمہیں دیکھتے ہی تالیاں بجاتے تھے اور تم غصہ میں آکر انھیں گالیاں وصلواتیں سناتے تو مارے ہنسی کے پیٹ میں بل پڑ جاتے تھے۔ ایک دن کا واقعہ ہے کہ اتفاقاً تم دونوں فرعون کے سامنے سے گذرے تو اُس نے زور سے ہنس کر مجھسے کہا تھا "ذرا اس مسخرے بڈھے کو دیکھنا۔ معلوم ہوتا ہے کوئی کھوسٹ اُلّو جا رہا ہے جس کے پیچھے بہت سی چڑیاں چیں چیں کر رہی ہیں۔ میں نے سنا ہے کہ نبنچاری کی بیوی بڑی بدمزاج ہے کہیں کسی دن غصہ میں آکر اس کھوسٹ خادم کے دیدے نہ نکال لے تو اُس کے بیوقوف شوہر کو آنکھوں کے علاج کی حقیقت معلوم ہو۔"

ہیب۔ (نہایت برہم ہو کر) وہ خود کھوسٹ اور اُس کا باپ دادا اُلّو۔ یہ بھلا مجھسے کینہ و عداوت نہیں تو اور کیا ہے۔ دیوتاؤں کی مار اس بے حیا بے غیرت شخص پر جو فرعون بنا ہوا شیخی مارتا ہے۔

کمحال نہایت خاموشی و توجہ کے ساتھ اپنے خادم کی گفتگو سنتا رہا۔ اس کا

چہرہ گھڑی گھڑی متغیر ہو رہا تھا۔ خاص کر جب اس نے یہ سنا کہ اُس کی وہ تمام قلمی تحریریں و کتبے جو برسوں کی محنت کا نتیجہ تھے اور جنھیں خونِ جگر پی پی کے اس نے مرتب کیا تھا رقیبوں کے اغوا اور بادشاہ کے ایما سے ایک لحظہ میں جلا کر خاکستر کر دیئے گئے تو اس نے اپنی مُٹھیاں زور سے بند کر لیں اور اس طرح کانپنے لگا کہ گویا بخار سے لرزہ چڑھا ہے۔ مصری کے یہ تمام حرکات و سکنات یونانی بغور دیکھ رہا تھا۔ وہ فطرت انسانی کا ماہر کامل تھا اور خوب جانتا تھا کہ بعض وقت ایک معمولی حقارت آمیز لفظ ایک سریع الحس غیرتمند و بلند ہمت شخص کے دل پر ایسا اثر کرتا ہے کہ برچھی و تلواروں کے زخموں کی کوئی حقیقت نہیں۔ چنانچہ اس نے اماسس کی پھبتی کو خوب ہی نمک مرچ لگا کر بیان کیا۔ اور یہ دیکھ کر دل میں بہت ہی خوش ہوا کہ اس کے سُنتے ہی نبنچاری کا مُنہ سرخ ہو گیا اور اُسے ایسا غصہ آیا کہ ایک پھول کو جو میز پر رکھا تھا مٹھی میں لیکر کچل ڈالا۔

فنیس۔ (نیچی نگاہیں کر کے) اب بڈھے ہبب کے باقی سفر کے حالات میری زبانی سُنئے۔ میں نے اُسے دیکھتے ہی بڑی گرمجوشی سے خوش آمدید کہا اور اپنی گاڑی میں جگہ دینے کو بلایا۔ پہلے تو وہ انکار کرتا رہا کہ میرے ساتھ سفر کرنے میں کہیں چھوت نہ لگ جائے۔ مگر پھر راضی ہو گیا اور ہماری آخری منزل میں موبد اعظم کے بھائی کا نہایت خوبی کے ساتھ علاج کر کے ثابت کر دیا کہ آپ کے اور آپ کے والد کے فیضانِ صحبت سے وہ بھی فنِ حکمت میں کچھ کم ماہر نہیں ہے۔ جب ہم بابل بخیریت پہنچ گئے تو میں نے شاہی محل کے ایک گوشہ میں اس کے قیام کا بھی بندوبست کر دیا۔ کیونکہ آپ کی عدیم الفرصتی کی وجہ سے فوراً آپ سے ملنا ناممکن تھا۔ باقی حال آپ کو معلوم ہی ہے۔

نبنچاری نے ایک کمزور آواز سے ہاں کہہ کے اشارہ سے ہبب کو

باہر جانے کا حکم دیا۔ بڈھا بادلِ ناخواستہ مُنھ ہی مُنھ میں کچھ بڑبڑاتا ہوا چلا گیا۔ پھر دروازہ بند ہوتے ہی کحال نے فینیس کے قریب آکر یہ کہا "یونانی! باوجود ان تمام واقعات کے مجھے اندیشہ ہے کہ میں تمہارا حلیف بننا پسند نہ کرونگا۔

یونانی۔ کیوں؟

کحال۔ اس لئے کہ میرا انتقام تم سے کہیں زیادہ بڑھ چڑھ کر ہوگا۔

یونانی۔ (جوشِ مسرت سے) اگر یہی خیال ہے تو میں یقین دلاتا ہوں کہ آپ مطمئن رہیں۔ فرمائیے میں آج سے آپ کو اپنا حامی و مددگار سمجھوں؟

مصری۔ ایک شرط سے۔

یونانی۔ وہ کیا ہے؟

مصری۔ تم یہ وعدہ کرو کہ مجھے اپنے انتقام کے دیکھنے کا موقع مل سکے گا۔

فینیس۔ یعنی جب شاہ کمبوجیہ مصر پر چڑھائی کرے تو آپ ہمراہ فوج رہنا چاہتے ہیں

نبنجاری۔ ہاں! (جوش میں آکر) ہاں! میری یہ آرزو۔ میری یہی تمنا ہے کہ اپنے دشمنوں کو انتہائے ذلت و خواری میں دیکھ کر۔ خود اُن کے مُنہ پر لعنت بھیجوں اور کہوں کہ اے بزدل و بدذات کمینو! تمہاری مصیبت و ادبار کا باعث یہی غریب

کحال ہے جسے تم نے اس بیدردی سے جلا وطن کر دیا تھا۔ اور اُسکے نوشتوں کو جلا دیا تھا۔ (انتہائے حسرت و یاس سے اپنے ہاتھ مل کر) ہائے میری کتابیں۔ وہ قیمتی کتبے۔ وہ بے بہا نسخے!! ہیہات میری تمام عمر کی محنت برباد ہو گئی کس دلسوزی و مشقت سے میں نے انھیں لکھا تھا کہ اس دُھن میں اپنی پیاری بیوی و بچوں کی موت کا غم و الم تک بھول گیا تھا صرف اس لئے کہ آیندہ نسلیں میری تحقیقاتوں کی قدر کریں۔ میرے نسخوں کو پڑھ کر مجھے دعائیں دیں۔ ہزاروں اندھے بینا ہوں۔ اور انسان کی آنکھوں کا وہ نور جو دیوتاؤں کی سب سے بڑی نعمت ہے

ضائع ہونے سے محفوظ رہ سکے۔ واحسرتا! میری تمام زندگی برباد ہوگئی۔ میرا خزانہ تباہ و پراگندہ ہوگیا۔ ان کمبختوں نے میرے نوشتے نہیں جلائے بلکہ مجھی کو خاک کر دیا۔ ہائے! ہائے! میرے بیش بہا کتبے! میری لاجواب تصانیف!!" یہ کہکر بد نصیب حکیم سے ضبط نہ ہوسکا اور سسکیاں لیکر زور زور سے رونے لگا۔

فینیس نے یہ دیکھا تو بڑی محبت سے اُس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیکر کہنے لگا "بھائی صبر و شکر سے کام لو۔ انہیں بد ذاتوں کے ظلم و ستم کا تو میں بھی مارا ہوں۔ تمہارے گھر سے تو صرف کتابیں اور کتبے ہی لے گئے۔ جنھیں شاید تم دو بارہ بھی کچھ کچھ لکھ سکتے ہو۔ لیکن مجھے تو ہمیشہ کے لئے تباہ حال کر دیا۔ اولاً مجھے جلاوطن کیا جس کی خیر مجھے کچھ شکایت نہیں کیونکہ یہ اُن کا ملکی قانون تھا اور وہ حق بجانب تھے۔ غرض کہ جہانتک ان کے برتاؤ کا میری ذات سے تعلق رہا میں کچھ نہیں کہتا اور بخوشی معاف کرتا ہوں۔ کیونکہ اماسس کے مجھ پر بڑے احسانات تھے اور اس کی خدمت سے برطرف ہونیکے بعد بھی میں ہمیشہ اُسے دعائیں دیتا لیکن معلوم نہیں پھر اُسے کیا ہوگیا کہ میرے دشمنوں کے جبر و تعدی کو اُس نے روا رکھا۔ کیسا جبر! کیسا ظلم! جس کے خیال ہی سے میرا دل ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا ہے۔ ذرا انصاف سے دیکھو کہ ایک غریب الوطن و معزز خاتون کے مکان میں بوقتِ شب چند سپاہی خونخوار درندوں کی طرح داخل ہوئے ہیں۔ وہاں میرا ایک لڑکا و لڑکی دونوں میری آنکھوں کے تارے زندگی کے سہارے جنھیں دیکھکر میں جیتا تھا مقیم ہیں۔ لڑکی کو ایک اندھیری کوٹھری میں قید کر دیتے ہیں تاکہ میں اس کے خوف سے مصر کے خلاف کچھ نہ کرسکوں۔ اور لڑکا! ہائے میرا اکلوتا بیٹا۔ اس کی خوبیوں اور حُسن و جمال کی کیا تعریف کروں۔ وہ میرا لختِ جگر سامتیک کے سامنے لایا جاتا ہے اور بڑی بیدردی سے قاتل کا خنجر اُس کی گردن پر پھرتا ہے اور کمبخت فرعون! وہی فرعون جس کی خدمت میں مینے اپنا خون

بہادیا تھا۔ خاموش ہے اور میرے دشمنوں سے کچھ باز پُرس نہیں کرتا۔ آہ کیا کہوں یہ دنیا میری آنکھوں کے سامنے تاریک ہوگئی تھی مدت تک دیوانوں کی طرح مارا مارا پھرا کیا پھر دل میں انتقام کی آگ سُلگنے لگی جس کے شعلے اب اس قدر بلند ہوگئے ہیں کہ سوائے حصول مقصد کے اس دنیا کی کوئی طاقت انھیں بجھا نہیں سکتی۔ رات دن یہی ایک خیال میرے دل میں بسا ہے اور اس کی امید وبیم میں ایک ماہیٔ بے آب کی طرح تڑپتا ہوں۔

تنبجاری ۔ (یونانی کا ہاتھ بڑی ہمدردی سے پکڑ کر) برادر من۔ ہم دونوں ایک ہی کشتی میں سوار ہیں۔ ہمارا اب چولی دامن کا ساتھ ہے۔ اور میں تمہاری مدد کے لئے پورے طور سے تیار ہوں۔

یونانی ۔ (خوش ہوکر) آپ کی اس عنایت و مہربانی کا میں کہاں تک شکریہ ادا کروں۔ اب بھی ہمیں اپنی تدابیر کا جال پھیلانا چاہیئے اور سب سے پہلے بادشاہ کو ملانے کی کوشش کرنا چاہیئے۔

کحال ۔ میں اُسے خوش کرنے کے لئے ملکہ کاسندانہ کی آنکھیں اچھی کردونگا

یونانی ۔ (حیرت سے) کیا واقعی یہ ممکن ہے؟

کحال ۔ کیوں نہیں۔ جس عمل سے اباسمس کی آنکھیں اچھی ہوگئیں وہ میرا ہی ایجاد کردہ تھا۔ دشمن نے میرے ہی نسخوں سے اُسے چرایا تھا۔

یونانی ۔ تو آپ نے پہلے ہی اُس غریب کی آنکھیں کیوں نہ اچھی کردیں۔

کحال ۔ کیونکہ میں اپنے دشمنوں کے ساتھ احسان کرنے کا عادی نہیں ہوں۔

فینیس کو اُس کی اس بیدردی پر سخت تعجب ہوا۔ اور بات کاٹ کر بولا۔ "مجھے بھی پوری امید ہے کہ بادشاہ کو بہت جلد اپنی مٹھی میں لے آؤنگا۔ قوم ماساجٹ کے سفیر آج ہی صبح اپنے وطن واپس چلے گئے۔ اُن کے ساتھ صلح

ہو گئی ہے۔ اور ......" اتنا کہنے پایا تھا کہ کمرے کا دروازہ یکایک کھلا اور ایک خواجہ سرا جو ہانپتا کانپتا اندر داخل ہوا تھا حکیم سے گھبرا کر کہنے لگا "شہزادی کا بُرا حال ہے۔ جلد آؤ۔ فوراً میرے ساتھ چلو۔"

ننبچاری اپنے دوست کو اشارہ سے رخصت کر کے فوراً اُٹھ کھڑا ہوا۔ اور جوتے پہن کر خواجہ سرا کے ساتھ ہو لیا۔

۲۴

باب چوبیسواں

دختر فرعون کی وفات

آفتاب طلوع ہو چکا تھا۔ اس کی دھیمی شعائیں اُس کھڑکی سے جس پر سیاہ پردے پڑے تھے بیمار کے کمرہ میں چھن چھن کے آ رہی تھیں ننبچاری ابھی تک شہزادی کی بالیں پر بیٹھا ہوا۔ کبھی اُس کی نبض ٹٹولتا۔ کبھی اس کی پیشانی و سینہ پر ایک خوشبو دار مرہم ملتا۔ اور کبھی اپنے خیالات میں محو سامنے ٹکٹکی باندھ کر دیکھنے لگتا تھا کچھ دیر ہوئی کہ مریضہ کو ایک سخت تشنج کا دورہ اُٹھا تھا جس کے بعد اُس پر ایک قسم کی غنودگی طاری ہو گئی تھی۔ چھ ایرانی طبیب پلنگ کے پائین کھڑے ہوئے کچھ پڑھ رہے تھے اور ننبچاری کے احکام جسے وہ اپنا اُستاد مانتے تھے وقتاً فوقتاً بجا لاتے تھے۔ جب کبھی مصری کا ہاتھ مریضہ کی نبض پر پڑتا اور وہ اپنے شانوں کو جنبش دیتا تو دوسرے طبیب بھی اُسی کی نقل کر کے اپنے مونڈھے ہلانے لگتے تھے۔

کبھی کبھی ایک خوبصورت لڑکی جس کی آنکھوں سے انتہائے رنج و غم کے آثار نمایاں تھے۔ اندر جھانک کر دیکھتی اور آہستہ سے کمال سے کچھ پوچھتی جس کے جواب میں وہ اُسی طرح اپنا مونڈھا ہلا دیتا۔

دو مرتبہ یہ لڑکی یعنی شہنشاہ کی بہن التوسا دبیز اونی قالین پر آہستہ آہستہ قدم رکھتی ہوئی مریضہ کے سرہانے آئی اور جھک کر اُس کی پیشانی کا جو پسینہ سے تر تھی بوسہ لیا لیکن ننیچاری نے اس خشم آلود نگاہ سے گھور کے اس کی طرف دیکھا کہ اُلٹے پاؤں جلدی سے اپنے کمرے میں چلی گئی۔ جہاں اُس کی والدۂ محترمہ ملکہ کا سندانہ فکر و غم کی تصویر بنی ہوئی دمبدم خبروں کا انتظار کر رہی تھی۔ کمبوجیہ کو بھی تمام رات مریضہ کے سرہانے بیٹھے ہوئے جاگتے کٹ گئی تھی۔ جب صبح ہوئی تو وہ اپنے چند مصاحبوں کے ساتھ باغ میں آیا اور ایک تند و تیز اسپ پر سوار ہو کر بے تحاشا ادھر اُدھر دوڑانے لگا اور اس طرح اپنی بے چین و مضطرب طبیعت کو بہلانے کی کوششیں کرتا رہا۔ ننیچاری کے کانوں میں جب اس گھوڑے کی ٹاپوں کی آواز آئی تو اس کے تخیلہ نے عجیب و غریب سین پیش کئے یعنی شہنشاہ ایک لشکرِ جرار کے ساتھ اس کے وطن پہنچا ہے اور بکثرت شہروں و مندروں کو شعلہ ہائے آتشین مار کر خاکستر کر رہا ہے۔ اونچے اونچے عظیم الشان اہرام اسکے گرزوں کی ضرب سے ٹوٹ کر تودۂ خاک بن گئے ہیں۔ ہزاروں عورتیں و بچے اپنے گھروں میں جلکر راکھ کے ڈھیر ہو گئے اور مُردوں کی "ممیاں" بھی اپنی قبروں سے نکل کر نعرہ آہ و بکا بلند کرنے لگیں۔ یکایک وہ تمام مرد و زن۔ پروہت و سپاہی جو مر چکے تھے یا اب مر رہے ہیں۔ ننیچاری کو غدار و دشمنِ قوم پکارنے اور اس کا نام لے کر ہزاروں لعنتیں بھیجنے لگے۔ جسے سُنکر اس کے جسم میں ایک لرزہ سا چڑھتا ہے۔ دل دھڑکتا ہے اور نبض مرنے والی مریضہ سے بھی زیادہ تیزی کی

کے ساتھ چلنے لگتی ہے۔ اتنے میں کمرہ کا پردہ پھر کھلتا ہے۔ ایک لڑکی اندر آکر اس کے شانے پر اپنا ہاتھ آہستہ سے رکھتی ہے وہ گھبرا کر چونک پڑتا ہے اور آنکھیں کھول کر حیرت سے اتو سا کی طرف دیکھتا ہے جو اس سے کچھ پوچھ کر دبے پاؤں پھر اپنی ماں کے پاس چلی جاتی ہے۔ اور ہر طرف خاموشی و سناٹا چھا جاتا ہے۔ حکیم اپنے خواب کو یاد کرتا ہے اور دل میں کہتا ہے کہ کیا واقعی میں ملت فروش ہوں و غداری کا ٹیکہ میرے ماتھے پر لگنے والا ہے۔ اتنے میں پھر اس کی آنکھ جھپک گئی وہی سین پھر دوبارہ سامنے آئے لیکن اس مرتبہ مُردوں کی خوفناک صورتوں کے ساتھ ایک دوسری شکل بھی نظر آئی۔ یہ اماسس ہے جس نے اس پر اس قدر ظلم و ستم کئے تھے۔ اب پابجولاں قیدیوں کی طرح کھڑا ہے اور سامیتیک اور وہ دوسرے رقیب بھی جنہوں نے اس کی کتابیں جلائی تھیں سامنے موجود ہیں جنھیں دیکھتے ہی اُس کے ہونٹوں پر ایک زہر آلود ہنسی آتی ہے۔ وہ اپنے دشمنوں پر جو ہاتھ باندھے ہوئے رحم کی التجا کر رہے ہیں لعنت بھیجتا ہے۔ اس کا دل سخت ہے۔ آنکھیں اشک آلود ہیں۔ اُسے وہ لمبی راتیں یاد آتی ہیں جب چراغ کی دھندلی روشنی میں قلم ہاتھ میں لئے تمام وقت اس کا مطالعہ و تحریر میں صرف ہوگیا ہے۔ ایک ایک مسئلہ گھنٹوں کے غور و خوض کے بعد اس نے حل کیا ہے ایک ایک حرف نہایت محنت و کاوش سے پیپرس کے ٹکڑوں پر کندہ کیا ہے آنکھوں کے وہ معرکتہ الآرا علاج اس نے دریافت کئے تھے جنھیں تھوتھ کی مقدس کتابیں اور مشہور و معروف پروہت ہیلوس کی تحریریں لاعلاج بتا چکی تھیں جنھیں اس نے اپنے ساتھیوں پر اس لئے ظاہر نہ کیا تھا کہ کہیں اپنی تعصبانہ تنگ دلی کی وجہ سے اُسے ملزم و گنہ گار یا مدعی باطل نہ خیال کریں اسی لئے اپنی ایک تصنیف کا عنوان ان الفاظ سے شروع کیا تھا۔

"آنکھوں کے علاج کے متعلق متبرک تھوتھ کی چند جدید تحریریں جنہیں کحال ننجاری نے دریافت کیا ہے۔" اس کا ارادہ تھا کہ ان تصانیف کو تھیبز کے بڑے کتب خانہ میں سپرد کر دیگا تاکہ اس کے جانشین فائدہ اٹھائیں اور ہزاروں مریضوں کو صحت و بینائی بخشنے میں کامیاب ہوں۔ اس کی تمنائے دلی تھی کہ مرنے کے بعد لوگ اس کی قدر کریں اور جس علم کے پیچھے اس نے اپنی زندگی صرف کر دی۔ اپنے راحت و آرام کو نثار کر دیا۔ اس سے اسی طبقہ حکما کو جس میں شامل ہونے کا اُسے فخر تھا۔ شہرت و عزت حاصل ہو۔ لیکن اب ان تمام امیدوں پر پانی پڑ گیا۔ اس کے تخیلہ کے سامنے خوفناک سین پھرنے لگے یعنی وہ پرانا رقیب و دشمن جانی جس نے موتیا بند کا عمل جراحی اس کی تحریرات سے چرا کر شہرت حاصل کی تھی۔ ولیعہد مصر کے دوش بدوش کھڑا ہے۔ اور سامنے ایک اگن ہوتر کے شعلوں پر تیل چھڑک کر انھیں اس قدر مشتعل کر رہا ہے کہ اس کی روشنی میں دونوں کے منحوس چہرے صاف نظر آتے ہیں۔ وہ اس پر اپنی طنز و حقارت آمیز حملے کرتے ہیں اور زور سے ایک قہقہہ مارتے ہیں جس کی آواز دھوئیں کے ساتھ آسمان پر چڑھتی ہے اور اُس سے انتقام انتقام کی ایک صدائے بازگشت پیدا ہوتی ہے۔ اب ایک دوسرا شخص سامنے آتا ہے یہ پروہت اعظم ہے جو اماسس کو ننجاری کے باپ کا خط دکھا رہا ہے۔ بادشاہ کے چہرہ پر انتہائے نفرت و غصہ کے آثار ہیں اور نتیپھوتپ اپنی کامیابی پر خوشی کے مارے پھولوں نہیں سماتا ہے۔ ابھی اس خواب کا سلسلہ ختم نہیں ہوا تھا

---

۷۱ مصریوں کا اعتقاد تھا کہ تھوتھ دیوتا (جس کا سر آبس کا ہے) تمام علوم و فنون کا موجد ہے۔ اور اُسی نے حکمت پر چھ ضخیم کتابیں لکھی ہیں۔ ایبر پیپرس یعنی وہ کتبہ جسے پروفیسر ایبر نے دریافت کیا تھا مختلف بیماریوں کے علاج کے متعلق ایک مکمل تصنیف خیال کیا جاتا ہے۔

کہ ایک ایرانی طبیب نے اُسے جھنجوڑ کر بیدار کیا اور مریضہ کے ہوش میں آنے کی اطلاع دی۔ نبنجارہ ہی چونک پڑا اور اپنی درماندہ و خواب آلود آنکھوں کی طرف اشارہ کر کے لڑکی کی طرف جھکا۔ اور اُس سے مصری زبان میں پوچھا "کہو بیٹی۔ نیند آئی کہ نہیں؟"

بیمار لڑکی۔ (ایسی دھیمی آواز سے کہ بمشکل سنائی دیتی تھی) معلوم نہیں۔ نیند تھی کہ کیا تھی۔ میں سب کچھ دیکھتی و سنتی رہی۔ ایسی کمزور ہو گئی ہوں کہ سونے و جاگنے میں کچھ فرق نہیں معلوم ہوتا۔ آتو ساجھے دیکھنے کئی بار یہاں آئی تھیں۔

حکیم۔ ہاں۔

لڑکی۔ اور میرے گمبوجیہ بھی رات بھر یہیں بیٹھے رہے اور صبح ہوتے ہی اپنے گھوڑے رخش پر سوار ہو کر باغ کی سیر کو چلے گئے۔

حکیم۔ تمہیں کیسے معلوم ہوا؟

لڑکی۔ واہ میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا۔

نبنجاری یہ سُنکر نہایت متحیر ہوا۔ اور لڑکی کا چہرہ جس کی آنکھوں میں اس وقت ایک خاص چمک پیدا ہو گئی تھی۔ غور سے دیکھنے لگا۔

لڑکی۔ اس مکان کے پیچھے ایک صحن میں مجھے بہت سے کتے بھی نظر آتے ہیں۔

حکیم۔ (نہایت متاثر ہو کر) ہاں شاید بادشاہ اپنا دل بہلانے کے لئے شکار پر جا رہے ہیں۔

لڑکی۔ واہ کیا مجھے معلوم نہیں۔ موبد اعظم نے کہا تھا کہ مرتے وقت زردشتیوں کے سامنے کتے لائے جاتے ہیں تاکہ موت کے دیو[۱] ان میں سما جائیں۔

---

[۱] مرنے کے بعد موت کے ناپاک دیو جو جسم کی عفونت و خرابی کا باعث ہوتے ہیں۔ فوراً ایک مکھی کی شکل بن کر لاش پر بیٹھ جاتے ہیں اور جو کوئی موجود ہو اُس پر حملہ کرتے ہیں۔ اس لئے پارسی کتوں کو مُردہ کے پاس لاتے ہیں تاکہ ارواحِ خبیثہ ان جانوروں میں سما جائیں۔ (ایبرا)

حکیم۔ بیٹی ایسی باتیں نہ کرو۔ ابھی تو تم زندہ ہو۔
لڑکی۔ اس سے کیا ہوتا ہے۔ میں عنقریب مرنے والی ہوں۔ تم دوسرے حکیموں سے سرگوشیاں کر رہے تھے جب ہی میں سمجھ گئی تھی کہ اب چند گھنٹوں کی مہمان ہوں بھلا زہر کا مارا ابھی کہیں زندہ رہ سکتا ہے۔
حکیم۔ زیادہ باتیں نہ کرو۔ تمہیں تکلیف ہوتی ہے۔
لڑکی۔ مجھے اس سے نہ روکو۔ یہ میرا آخری وقت ہے اور تم سے کچھ کہنا چاہتی ہوں۔
حکیم۔ میں تمہارا خادم ہوں اور بسر و چشم سننے کے لئے تیار ہوں۔
لڑکی۔ نہیں بنیچاری تم میرے خادم نہیں ہو۔ تم میرے رفیق ہو۔ میرے بزرگ پروہت ہو۔ مجھ سے خفا نہ ہونا کہ ایرانی دیوتاؤں کو میں نے سجدہ کیا۔ مگر ہاتھر کی محبت کبھی میرے دل سے دور نہیں ہوئی تھی۔ اب میرا قصور معاف کر دو۔ میں تم سے ایک وعدہ لینا چاہتی ہوں وہ یہ ہے کہ مرنے کے بعد میری لاش کتوں و گدوں کے سامنے ہرگز نہ پھینکنے دینا۔ ہائے اس کے خیال ہی سے میری روح لرز جاتی ہے۔ تمہیں آسرس کی قسم میرے مُردہ جسم پر یہ بدعتیں و اذیتیں نہ ہونے پائیں۔ اُسے تعویذوں، دعاؤں و متبرک نوشتوں سے سجانا اور مصالحے اور خوشبوئیں لگاکر ایک تابوت میں بحفاظت تمام بند کر دینا۔
حکیم۔ بشرطیکہ بادشاہ اجازت دے اور مانع نہ ہو۔
لڑکی۔ وہ ضرور اجازت دیدیں گے۔ یہ میری آخری خواہش ہے۔ بھلا اُسے پورا نہ کریں گے۔
حکیم۔ تو پھر مجھے کیا عذر ہو سکتا ہے۔ بجان و دل آپ کا حکم بجالاؤنگا
لڑکی (مطمئن ہوکر) دیوتا تمہیں اس کار خیر کا اجر دیں۔ اب ایک دوسری عرض بھی تم سے کرنا چاہتی ہوں۔

حکیم۔ جلدی کہو۔ ایرانی حکیم نہیں خاموش رہنے کے لئے مجھے اشارہ کر رہے ہیں۔
لڑکی۔ اُنھیں کیا ایک لحظہ کے لئے باہر نہیں بھیج سکتے۔
حکیم۔ دیکھو کوشش کرتا ہوں۔
بنجاری نے ایرانیوں سے جاکر کہا کہ اُسے ایک خاص منتر مریضہ کی شفا کے لئے یاد آیا ہے جس کی یہ شرط ہے کہ تخلیہ ہو اور کوئی دوسرا موجود نہ ہو۔ یہ سنتے ہی سب باہر چلے گئے اور کمرے میں بالکل تنہائی ہو گئی۔
نتیتس۔ (ایک آہ سرد بھر کر) ذرا قریب آجاؤ اور میرے لئے دعا کرو کہ تحت الثریٰ کا دشوار گذار سفر خیریت سے گذرے اور میری گم گشتہ روح آسرس کے دربار میں باآسانی پہنچ جائے۔
بنجاری پلنگ کے پاس دوزانو بیٹھ گیا اور اپنی دھیمی آواز سے ایک بھجن گانے لگا۔ جس کے ہر شعر کے بعد وہ ذرا سا توقف کرتا تھا اور نتیتس نہایت خلوص دل کے ساتھ جواب دیتی تھی۔ گویا کہ حال آسرس یعنی مالک تحت الثریٰ کا قائم مقام بن کر باز پرس کر رہا تھا۔ اور لڑکی کی روح اپنے اعمالوں کا جواب دیتی تھی۔ جس کی اختتام پر مریضہ کے چہرہ پر ایک عجیب اطمینان و مسرت پیدا ہو گئی۔ بنجاری بھی خوش ہوا کہ ایک نیک روح کو دم واپسین اس نے کفر والحاد سے بچا لیا۔ اس وقت اس کا سخت دل ایک سچی محبت و ہمدردی سے بھر گیا تھا۔ لیکن جیوں ہی یہ خیال آیا کہ یہ حسین و بیگناہ لڑکی جو ہزاروں حسرتیں لیکر اس دنیا سے رخصت ہو رہی ہے اس کی ان تمام مصائب کا بانی بھی وہی اماسس ہے تو ایک ناقابل بیان جذبۂ غضب پیدا ہو گیا اور اس کی انتقام کی آگ بھڑک اٹھی۔
نتیتس (مسکرا کر) کیوں میرے محترم پروہت۔ اب آسمانی عدالت کے سامنے بھی مجھے سرخروئی نصیب ہو گی کہ نہیں؟

حکیم - مجھے اس کا پورا یقین اور امید ہے۔

لڑکی - شاید تاشو اور ابا جان بھی آسرس کے تخت کے پاس ملیں۔

حکیم - ہاں نیک ارواح کو اسکے ماں باپ دونوں ملتے ہیں۔ اب اس آخری وقت تمہیں لازم ہے کہ اپنے اصلی والدین کو دعا دو اور اُن بدذاتوں پر جنھوں نے تمہیں تاج و تخت سے محروم کر کے زندہ درگور کر دیا لعنت بھیجو۔

لڑکی - میں نہیں سمجھی - آپ کیا کہہ رہے ہیں۔

حکیم - (مرنے والی کو گھور کر ایک کانپتی آواز سے) سُن نیتتیس! اماسس تیرا اصلی باپ نہیں ہے۔ وہ تیرے والدین کا قاتل اور تیری سلطنت کا غاصب ہے لڑکی سُنتی ہے کہ نہیں؟ اپنی اس بدذات دشمن اور اُس کی اولاد پر لعنت بھیج کیونکہ یہ ایسی لعنت ہے جو ہزاروں نیکیوں سے زیادہ منصفان ارواح کی خوشنودی اور تیری مغفرت کا باعث ہوگی۔

یہ کہہ کر کحال نے اس زور سے مرنے والی کا ہاتھ پکڑا کہ وہ خوف زدہ ہو کر اسکے پُرجوش و غضب آلود چہرے کو تکنے لگی اور بے سمجھے بوجھے اس کی زبان سے نکل گیا "میں لعنت بھیجتی ہوں"۔

حکیم - اُن موذیوں کو جنھوں نے تجھے تاج و تخت سے محروم کر کے تیری جان لی ہے۔ پھر بد دعا دے۔

لڑکی (نہایت کمزور آواز سے) وہ کون ہیں جنھوں نے مجھ پر یہ ظلم کئے ہیں؟ ہائے میرا دل! میرا دل!" یہ کہتے ہی ضعف کے مارے پھر بیہوش ہو گئی۔ نبنجاری نے بڑی محبت سے اُس کی پیشانی کا بوسہ لیا۔ اور کہا "میں خوش ہوں کہ تو بھی دم والپسین میری ہم خیال و حلیف بن گئی۔ دیوتا اپنی نیک و پاکباز بندہ کی مرتے وقت دعا بہت جلد قبول کرتے ہیں۔ اب میری ہمت دہ چند بڑھ گئی اور نہ صرف اپنا ملکہ

شاہ ہوفرا کا انتقام لینے کے لئے بھی شمشیر بکف مصر میں داخل ہوگا۔
چند گھنٹوں کے بعد نیتیتس نے آنکھیں کھول دیں۔ اس مرتبہ اس کا سرد ہاتھ کاسندانہ کے ہاتھ میں تھا۔ اتوسا اس کے قدموں پر سرنگوں بیٹھی تھی۔ کرو سس سرہانے کھڑا ہوا کمبوجیہ کو جو ایک مخمور شخص کی طرح لڑکھڑا رہا تھا سنبھالے ہوئے تسکین و دلاسے دے رہا تھا۔ بیمار نے نگاہ اٹھا کر اپنے چاروں طرف دیکھا۔ اس وقت اس کی آنکھوں میں ایک غیر معمولی چمک اور چہرہ پر اک عجب حسن و دلفریبی تھی۔ کمبوجیہ جھکا اور اپنے ہونٹ اُن ہونٹوں کے پاس لاکر جو اب برف کی طرح یخ ہو رہے تھے۔ ایک بوسہ لیا۔ اس بدنصیب عاشق کی قسمت میں یہی بوسہ تھا جسے سب سے پہلا اور سب سے آخری کہنا چاہیے۔ مرنے والی کی دُھندلی آنکھوں سے جواب لحظہ بہ لحظہ بند ہو رہی تھیں خوشی کے دو آنسو نکل پڑے۔ اس کے زرد ہونٹوں میں ایک بار حرکت ہوئی۔ کمبوجیہ کا نام آہستہ سے لیا۔ پھر منکا ڈھلنے لگا اتوسا کی آغوش میں گر پڑی اور روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔
نیتیتس کی وفات کے بعد جو ظہور میں آیا اُسے بیان کرنے سے ہمارے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں ایرانی افسر الاطبا کے اشارہ کرتے ہی سوائے منیچاری اور کرو سس کے سب لوگ کمرے سے باہر نکل گئے۔ رسم سگ دید[۵۱] ادا کی گئی

---

[۵۱] اس موقع پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پارسیوں کے رسوم میت کا حال بالتفصیل بیان کیا جائے۔ یہ زیادہ تر پروفیسر جیکسن کی کتاب سے ماخوذ ہے۔ جب کوئی شخص مرنے والا ہوتا ہے تو ایک پروہت یا موبد اس کے پاس آتا ہے۔ اسکے گناہوں کی مغفرت کی دعا مانگتا ہے اور اُس کے ہونٹوں پر بیل کے پیشاب کی (گوُ متر) کے چند قطرے ٹپکاتا ہے۔ پھر آتشکدہ میں جاکر مُردہ کی نجات کے لئے رسم سروش درون (روں برم) ادا کرتا ہے۔ مردہ کی لاش جسے سوائے چند مخصوص آدمیوں کے اور کوئی نہیں چھو سکتا۔ ہرگز تنہا نہیں چھوڑی جاتی۔ کچھ دیر بعد نہلانے والی

کتے اندر لائے گئے۔ اُن کے مُنہ مُردے کی طرف پھیرے گئے تاکہ ارواحِ خبیثہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) (مُردہ شو) آتے ہیں۔ یہ عموماً دو شخص ہوتے ہیں اور کستی (جنیؤ) کا ایک سرا ہاتھوں میں پکڑے رہتے ہیں۔ اسے پیوند کہتے ہیں۔ یعنی دونوں اپنا کام ایک دوسرے کی شمولیت کے ساتھ کر رہے ہیں۔ ایک اپنے ہاتھوں میں اونی دستانے پہنے ہے جس سے وہ لاش کو مل مل کر صاف کرتا ہے۔ دوسرا ایک لانبے دستے کے چمچے سے گَومتر چھڑکتا ہے۔ پانی کا استعمال منع ہے۔ مرد کو مرد اور عورت کو عورتیں غسل دیتی ہیں۔ بعد ازاں مردہ کو کفن جو صاف وسفید مگر پُرانے کپڑوں کا ہونا چاہئے پہنایا جاتا ہے۔ غسل دینے والے اپنا کام کرنے کے بعد اپنی نجاست دور کرنے کے لئے باقاعدہ طہارت کرتے ہیں۔ نہلانیکے بعد رسم سگ دید ادا کی جاتی ہے۔ یہ رسم زمانہ قدیم سے چلی آتی ہے یعنی ایک کتے کو (آج کل کوئی خاص کتا مخصوص نہیں ہے) اندر لاکر مُردہ کی صورت دکھاتے ہیں۔ کیونکہ کتے کی نگاہ میں یہ خاصیت ہے کہ اس سے فوراً نجاست کے دیو بھاگ جاتے ہیں۔ نیز مُردہ کے سینہ پر روٹی کے چند ٹکڑے بھی رکھ دیئے جاتے ہیں اور کتے کو کھلائے جاتے ہیں۔ بعدہٗ لاش اٹھانے والے ناسوکشس (بیش گہان) جن کی تعداد بمطابق جسامت لاش اور مسافت ۱۲ سے ۲۴ تک ہوتی ہے آتے ہیں۔ یہ سب ایک دوسرے کے ساتھ پیوند ہوتے ہیں یعنی ایک ہی جنیؤ یا کستی پکڑے رہتے ہیں۔ یہ بھی اپنا فرض ادا کرنیکے بعد خوب نہا دھو کر پہلے صاف کپڑے پہن لیتے ہیں پھر دوسروں سے مل سکتے ہیں۔ غرضکہ یہ لوگ مُردہ کو ایک لوہے کی ارتھی (گہان) پر رکھ کر جلوس (پاداش) بنا کر باہر نکلتے ہیں۔ سب سے آگے ایک شخص کے ہاتھ میں عود دان ہوتا ہے۔ اُس کے پیچھے مُردہ کے عزیز واقارب پھر اس کا جنازہ بعدہ موبد و دیگر دوست وعزیز وغیرہ یہ سب زاد و مرگ یا پرسش خانہ پہنچکر لاش کو اُس مکان میں رکھ دیتے ہیں۔ موجودہ زمانہ میں اس عمارت کے دو دروازے ہوتے ہیں۔ ایک سے میت اندر لائی جاتی ہے۔ دوسرے سے باہر جاتی ہے۔ ہندوستان میں پرسش خانوں کا رواج کم ہے۔ اور گرمی زیادہ ہونے کی وجہ سے مُردہ کو سیدھا دخمہ لیجاتے ہیں اور ۲۴ گھنٹہ سے زیادہ تاخیر نہیں کرتے۔ پرسش خانہ کے اندر ایک اونچا چبوترہ ہوتا ہے جس پر

کو بھگا دیں۔ کاسہ ندانہ۔ اتوسا اور تمام خادم و خواصیں وغیرہ مُردے کی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) لاش تابوت سے انکال کر رکھی جاتی ہے۔ بعدہٗ تمام اعزا و دوست جمع ہوتے ہیں۔ اسے پرسش رفتگان کہتے ہیں۔ اب موبد اپنے مذہبی آیات پڑھتا ہے اور رسم سگ دید دوبارہ ادا کی جاتی ہے۔ پھر لاش تابوت کے اندر بند کر کے ایک موٹے کستی (زنار) سے باندھ دی جاتی ہے اور اوپر سے ایک سفید چادر اُڑھا دیتے ہیں۔ اب اس جنازہ کو لئے ہوئے جلوس بنا کر پرد ہست نکلتے ہیں اور اوستا کی آیتیں پڑھتے جاتے ہیں۔ تھوڑی دور جا کر عورتیں جو دخمہ تک جانا نہیں چاہتیں۔ اپنی بندگی کر کے واپس چلی جاتی ہیں۔ دخمہ میں پہنچتے ہی تیسری بار رسم سگ دید ادا کر کے مُردہ کی لاش دو آدمیوں کے سپرد کر دی جاتی ہے جنھیں نسا سالار کہتے ہیں۔ یہ عموماً نہایت پاکباز و عمر رسیدہ ہوتے ہیں۔ دوسرے لوگوں سے علیحدہ رہتے ہیں۔ اور کاشتکاری وغیرہ کو اختیار نہیں کر سکتے۔ اگر کبھی اپنا پیشہ چھوڑنے کا ارادہ کر دیں تو طہارت نوشبانہ کی رسم پورے طور سے ادا کرنے کے بعد انہیں عوام سے ملنے کی اجازت مل سکتی ہے۔ دخمہ کے دروازہ پر آتے ہی یہ دونوں فوراً کستی پکڑ کر پیوند بنا لیتے ہیں اور سروش باج پڑھتے ہیں۔ پھر اُن میں سے ایک آدمی لوہے کی کنجی لیکر اُس سے زمین پر تین دائرے کھینچتا ہے اور اوستہ کی آیتیں پڑھتا جاتا ہے۔ بعدہٗ دونوں لاش لئے ہوئے اندر داخل ہوتے ہیں اور مُردہ کا سر جنوب کی طرف پھیر کر کفن اُتار کر یہ دعا پڑھتے ہیں "اے ظفرمند و مبارک سروش! ہم فلاں شخص کو (مُردہ کا نام) زمین (سپندرہ) سے جدا کر کے سپرد والو خشنت کرنے والے ہیں۔ اے فرشتہ سروش! ہم اُسے چھوڑ کر اب واپس جاتے ہیں۔ مگر تو اپنا مُنہ نہ موڑنا۔ تو ہی اس کا ہاتھ پکڑنے والا رہبر و مددگار ہے۔ تیری ہی حفاظت و حمایت میں ہم اُسے اب دیتے ہیں (مُردہ سے خطاب کر کے) اے فلاں! (نام لیکر) خائف و لرزاں نہ ہو۔ یہ مقام ہزاروں برس سے قدیم متبرک اور ہمارے آبا و اجداد کا آرام گاہ ہے (فرشتوں سے) اے سروش! مہر اور رشن! اے پاک و عادل فرشتو! ہم اس شخص کو اب تمہیں سپرد کرتے ہیں۔ تم ہی اب اس کی رہنمائی کر کے اس مقام تک لیجانا جہاں اہرمزد کے

چھوت سے بچنے کے لئے وہ مکان چھوڑ کر دوسری جگہ چلی گئیں۔ اول الذکر بیں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) پاک و برگزیدہ بندے رہتے ہیں۔ اے ملائک اعلیٰ! تمہاری قدرت و طاقت نامتناہی ہے۔ تمہاری مرضی سب پر بالا و افضل ہے۔ اب تم ہی اس کے حامی و مددگار ہو" یہ دعا پڑھکر نسا سالار دخمہ سے باہر چلے جاتے ہیں۔ اور مردے کو گدھوں چیل کوّوں کے لئے چھوڑ دیتے ہیں۔ قدیم زمانہ میں تو کتوں کو بھی لاش کھلاتے تھے۔ مگر آج کل یہ قاعدہ نہیں ہے۔ پرند بالکل کافی ہیں وہ ایک لحظہ میں تمام گوشت صاف کر دیتے ہیں۔ اور جسم کی ہڈیاں وغیرہ جب صاف و خشک ہو جاتی ہیں تو انھیں بھی جلا کر خاک کر دیا جاتا ہے۔ دخمہ بشکل دائرہ ایک پہیہ کی طرح گول اور سمت مرکز ڈھالو ہوتا ہے۔ اس کے چاروں طرف لاش رکھنے کی جگہ ہوتی ہے اور وسطی حصہ کو جو ایک غار ہوتا ہے بھنڈار کہتے ہیں۔ اسی میں ہڈیاں ڈالی جاتی ہیں۔ غرضکہ مُردہ جب دخمہ میں پہنچ گیا تو عزیز و اقارب باہر بیٹھکر ناشتہ کرتے ہیں۔ سوائے گوشت و مکھن سب کچھ کھا سکتے ہیں۔ بعدہٗ اس کے لئے دعائے مغفرت کر کے کستی کی رسم ادا کرنے کے بعد اپنے اپنے گھر روانہ ہو جاتی ہیں۔ پارسیوں کا اعتقاد ہے کہ روح تین دن تک زمین کے قریب ہی رہتی ہے اس لئے اُس زمانہ میں بہت دعا مانگنا اور اُن باتوں سے پرہیز کرنا چاہئے جن سے مُردہ کو صدمہ ہو۔ علاوہ بریں یہ بھی قاعدہ ہے کہ جس مقام پر موت ہوئی تھی وہاں تین اینٹیں رکھ دیتے ہیں یا ایک قینچی زمین میں گاڑ دیتے ہیں تاکہ تمام ارواح خبیثہ بھاگ جائیں۔ عزیز و اقارب تین دن تک گوشت نہیں کھاتے۔ تیسرے روز موبد پھر آ کر اوستا کی آیتیں پڑھتا ہے اور دیگر رسومات ادا کرتا ہے۔ ایک سوتی لباس مردہ کے نام چڑھایا جاتا ہے تاکہ وہ جنت میں برہنہ داخل نہ ہو۔ دوسرے دن علی الصباح جب روح چنود کے پُل کو پار کرنے والی ہوتی ہے چند اور رسمیں ادا کی جاتی ہیں تاکہ اس کا سفر آسان ہو جائے۔ سروش اور تمام فرشتوں کی امداد سے استدعا کی جاتی ہے۔ پھر سوائے موبد کے سب لوگ کھانے میں مشغول ہوتے ہیں وہ ہر ایک سے پوچھکر اُنکی دعاؤں کی تعداد کا سب کے سامنے اعلان کرتا ہے۔ بعدہٗ یہ مجلس برخاست ہو جاتی ہے۔ اُسی دن یعنی تیسرے یا چوتھے روز

ہر قسم کی روشنی و آگ بجھا دی گئی تاکہ یہ پاک عنصر مُردہ کی قربت سے نجس نہ ہو جائے دعائیں اور منتر پڑھے گئے۔ جھاڑ پھونک کی گئی۔ اور وہ لوگ جنھیں میت کے قریب جانا پڑا تھا مویشیوں کے پیشاب[۵۱] اور پانی سے دھلائے و نہلائے گئے اور طرح طرح سے پاک و پوتر کئے گئے۔

اُسی شام کمبوجیہ کو مرگی کا سخت دورہ پڑا۔ تین دن بعد تنتنیس کی وصیت کے مطابق اُس نے ننبجاری کو لاش حوالہ کردی اور مصری قاعدوں کے مطابق مسالے وغیرہ لگا کر حنوط و محفوظ کرنے کی اجازت دیدی۔

(بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ) جب روح کو چنود کا دشوار گذار راستہ طے کرنا ہوتا ہے موبد ایک شخص کو اس کا مددو معاون یا پُل گذار مقرر کرتے ہیں۔ یہ عموماً متوفیہ کا خلف اکبر ہوتا ہے جس کی غیر موجودگی میں اُس قریبی عزیز کو منتخب کرتے ہیں۔ جو بعدہٗ جائداد کا والی و وارث مانا جاتا ہے۔ وفات کے دسویں اور تیرھویں دن او ہر ماہ و ہر سال کی تاریخوں میں نیز جشن فراوردگان کے زمانہ میں بھی مُردہ کیلئے رسوم ادا کی جاتی اور مختلف دعائیں مانگی جاتی ہیں۔ آخر الذکر میں ہزارہ پلیٹ (مغفرت کی ہزار دعائیں) و ہزارہ آتش نیئش یا ہزارہ آب نیئش وغیرہ شامل ہیں۔ دخمہ کا رواج موبدوں کے اثر پر منحصر تھا۔ زمانہ ساسانیاں میں جب اُن کا بڑا زور رہا۔ ہر ذی استطاعت شخص کا ایک دخمہ ہوتا تھا جسے تن بہ تن کہتے تھے۔ سپاہ و فوج کے لئے علحدہ دخمہائے لشکری تھے مگر زمانہ ہاخہ منش میں سوائے اُن لوگوں کے جو موبدوں کی تقلید کرتے تھے۔ امرا و بادشاہ اپنے لئے مقبرے بنواتے تھے یا لاشوں کو موم سے لپیٹ کر زمین میں دفن کر دیتے تھے۔ زمانہ قدیم کے دخمے بہت سادہ تھے۔ شہر کے باہر کسی اونچی پہاڑی کے چوٹی پر ایک غار کے چاروں طرف پتھروں کی منڈیر بنا دیتے تھے۔ اس پر لاش رکھ دیتے تھے اور اُس کی ہڈیاں سال میں دو بار غار کے اندر پھینک دیتے تھے۔ ۱۲

۵۱ ہندوؤں میں بھی گائے کے پیشاب سے اپنے جسم اور مکان کو پوتر کرنیکا طریقہ اب تک رائج ہے ۱۲

سوگوار بادشاہ نے اپنے رنج والم کا بے انتہا اظہار کیا۔ ہاتھوں کو چھریوں سے زخمی کیا۔ کپڑے پھاڑ ڈالے اور بستر پر مٹی ورا کھ بچھا کر سویا۔ تمام امیروں و درباریوں نے بھی اُسی کی تقلید کی۔ افواج خاصہ کے سپاہی پھٹے ہوئے جھنڈے اور منڈھے ہوئے طبل لیکر نکلے۔ قشون جاودانی کے مجیروں اور ڈھولوں پر بھی سیاہ کپڑے لپیٹ دیئے گئے تھے۔ شاہی گھوڑوں کی دُمیں کاٹ کر نیلے رنگ سے رنگ لیا گیا۔ تمام درباریوں نے بھورے رنگ کا لباس جو کمر تک پھٹا تھا پہنا اور اہل مجوس کو حکم دیا گیا کہ تمام دن و تین رات برابر مُردے کے لئے دعائیں مانگنے میں مصروف رہیں۔ خصوصاً تیسری رات بڑی عبادت و ریاضت کریں کیونکہ مردہ کی روح چنود کے پُل پر پہنچتی ہے۔ جہاں اس کی دائمی سزا یا جزا کا فیصلہ ہوتا ہے۔

کمبوجیہ، کاسندانہ واتوسا کو بھی طہارت و پاکیزگی کے تمام رسوم[۱] ادا کرنی پڑیں اور مُردہ کے لئے انھوں نے بھی تیس دعائیں پڑھیں۔ بعدہ ننیچاری

---

[۱] ہر ناپاک مادہ کے چھونے کے بعد طہارت کی ضرورت ہے۔ سب سے زیادہ نجس مردہ کا جسم ہے۔ وندیداد میں حکم ہے کہ مردہ کا چھونے والا۔ نو دن تک علٰحدہ رہے۔ نہ کسی آدمی سے ملے نہ آگ پانی نباتات کو ہاتھ لگائے اور اس زمانہ میں وہ ہر رات رسم طہارت (برشنم) ادا کرے۔ اس رسم کے لئے ہر قریہ و شہر میں ایک مخصوص مقام ہے اور خاص طریقہ سے ادا کی جاتی ہے۔ ناپاک آدمی ایک پجاری کے سامنے جاتا ہے جو اپنے چاقو سے اس کے گرد زمین پر ایک حلقہ کھینچ کر خود باہر کھڑا ہوتا ہے اور ایک نو پور کے لانبے چوبی ڈنڈے سے جس کے سرے پر ایک چمچ لگا رہتا ہے۔ پڑھا ہوا پانی اور گائے کا پیشاب دور سے اس پر چھڑکتا ہے جس کے لگتے ہی نجاست کا دیو سب سے پہلے سر سے نکل کر بھاگتا ہے۔ پھر ایک عضو سے دوسرے عضو تک کودتا ہوا ۳۲ جسموں میں جسم سے باہر نکل کر غائب ہو جاتا ہے۔ بعدہ پندرہ مرتبہ ریت یا بالو سے بدن خشک کیا جاتا ہے۔ پھر خالی پانی سے دھوکر خوشبودار عرق وغیرہ لگا کر بالکل پاک ہو جاتا ہے۔

لاش لیکر شہر کے باہر ایک مکان میں چلا گیا اور اپنے اصول فن کے مطابق نہایت اعلیٰ وقیمتی پیمانہ پر اُسے محفوظ کرنے (ممی بنانے) میں مشغول ہوگیا۔

نو دن تک کمبوجیہ کی حالت بالکل دیوانوں کی سی رہی۔ کبھی غصہ کرتا۔ کبھی چیختا چلاّتا۔ کبھی چپ ہوجاتا اور لوگوں سے بھاگتا۔ حتیٰ کہ اپنے قریبی مصاحبوں اور بڑے موبد کو بھی پاس نہ آنے دیتا تھا۔ دسویں دن صبح کے وقت اُس نے سات ججوں[۵] کے افسر اعلیٰ کو طلب کیا اور اُس سے کہا کہ گوماتا پر سزا کا حکم نافذ کرے اور حتی المقدور رحم سے کام لے کیونکہ نیتیتس نے مرتے وقت اُس کمبخت کی جان بخشی کے لئے سفارش کی تھی۔ غرض کہ ایک گھنٹہ کی صلاح و مشورہ کے بعد حکمنامہ بادشاہ کے سامنے دستخط کے لئے لایا گیا۔ اُس کے الفاظ یہ تھے:-

"شہنشاہ کا اقبال ہمیشہ قایم رہے۔ درانحالیکہ حضور والا مرتبت شاہنشاہ

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) ہر شخص کے لئے لازم ہے کہ اپنی عمر میں کم از کم ایک بار اس قسم کی طہارت حاصل کرے تاکہ ماں کے رحم میں رہنے اور اُس کا دودھ پینے کی نجاست دور ہوجائے۔ دودھ چونکہ خون سے نکلا ہے اس لئے ناپاک خیال کیا جاتا ہے۔ اگر اتفاقاً کوئی شخص جنگل میں ہے اور مُردہ شے (مادہ) سے چھو گیا تو اُسے لازم ہے کہ فوراً بھاگتا ہوا قریب کی آبادی میں جائے اور پہلا جو شخص اُسے ملے اُس سے کہے کہ مجھے طہارت کی ضرورت ہے اگر وہ نہ سُنے تو آگے بڑھے اور دوسرے سے کہے۔ اس طرح تیسرے سے استدعا کرے۔ اگر تینوں انکار کردیں تو اس پر کچھ گناہ نہیں۔ گھر پہنچکر خود اپنے آپ کو پانی اور گئیو مُتر سے پاک کرسکتا ہے۔ (جیکس وغیرہ)

[۵] ۔ انہیں قاضی یا جج کہنا چاہئے۔ عموماً اس عہدے پر نہایت تجربہ کار اور عمر رسیدہ لوگ مقرر کئے جاتے تھے۔ ساسانیوں کے زمانہ میں یہ زیادہ تر موبد (یا ہربد) ہوتے تھے جنھیں داتبار کہتے تھے۔ (لفظ داد اسی سے مشتق ہے) موبد اعظم کا فیصلہ سب پر افضل سمجھا جاتا تھا۔ مگر اہم معاملات کا بادشاہ خود فیصلہ کرتا تھا۔ ۱۲

والاجاہ - معدنِ جود وسخا - آفتاب عدل و داد گستری جن کا رحم و کرم بحر محیط سے بھی زیادہ عمیق و بے پایاں ہے - یہ ارشاد ہمایونی صادر فرماتے ہیں کہ گوماتا پسر محبوسی کا گناہ بجائے انصاف کے سختی کی شفقت پدرانہ سے دیکھا جائے - ہم ساتوں ججوں کی یہ رائے ہے کہ اس کی جان بخشی کی جائے - مگر چونکہ اس لڑکے کی نادانی و ناسمجھی کے سبب سے ملک کے بڑے بڑے صاحبان ذی شان کی جانیں معرض خطر میں پڑ گئی تھیں اور ہمیں اندیشہ ہے کہ اس کی شکل و صورت دیکھ کر جیسے یزدان پاک نے شہزادہ والاتبار جناب بردیہ پسر گورش اعظم سے غیر معمولی مشابہ بنایا ہے ممکن ہے دوسرے لوگ دھوکہ میں نہ پڑ جائیں اور بیگناہوں کو نقصان پہونچے - ہماری رائے ہے کہ اس کی شکل بگاڑ دی جائے تاکہ ملک کے ایک سب سے زیادہ نالائق آدمی کو اس کے ایک افضل ترین و اعلیٰ مرتبت فرد سے تمیز کرنے میں کسی کو دقت نہ ہو - اس لئے ارشاد و فرمانِ ہمایونی کے مطابق گوماتا کے دونوں کان کاٹ[۱] ڈالے جائیں اور اُسے تمام شہر میں اس طرح تشہیر کیا جائے کہ دیکھنے والوں کو عبرت ہو اور حق انصاف بھی ادا ہو جائے "

[۱] اوستا میں مختلف و گوناگوں سزاؤں کا ذکر ہے - مثلاً سر مونڈنا - ہتھکڑی یا بیڑی پہنانا - قید کرنا - جلاوطن کرنا - ناک کان و ہاتھ بریدہ کرنا - الٹا لٹکا کر تیر مارنا - پھانسی دینا - کھال کھینچنا - زندہ جلانا - زندہ دفن کرنا - یا جلتی ہوئی راکھ میں دبا دینا - سب سے زیادہ عام سزا دُرّے مارنا تھی - دُرّے دو قسم کے تھے - سروش چرن و اسپہ اشتران کی تعداد بلحاظ جرم پانچ سے دس ہزار تک تھی - زنا و اسقاط حمل ۵۰۰ - اغلام ۱۰۰ - عہد شکنی ۱۰۰ تا ۲۰۰ - حملہ و ضرب رسانی مطابق درجہ شدت - چوری و سرقہ کے لئے داغ دینا - قید یا جرمانہ تھا - عناصر پاک یعنی آب و آتش - نباتات

بادشاہ نے اس حکم نامہ پر دستخط کردیئے اور اُسی دن اس کی تعمیل ہوگئی۔
اُرلیستیس کی یہ ہمت نہ ہوسکی کہ اپنے بھائی کے لئے رحم کا خواستگار ہوتا۔ لیکن دل ہی دل میں پیچ و تاب کھاکر رہ گیا اور یہ محسوس کر کے کہ بھائی کی اس شرمناک سزا سے کہیں اسکا اثر کم نہ ہو جائے بہت جلد بابل سے رخصت کر کے اپنی جائداد کے

(بقیہ صفحہ ۹۷) و زمین کو نجس مادوں سے آلودہ کرنیکی سخت سزائیں تھیں۔ مثلاً کتے یا آدمی کی لاش زمین کے نیچے دفن کردے اور چھ ماہ تک خبر نہ لے تو ہر دو قسم کے پانچ پانچ سو درّے۔ ایک سال تک خبر نہ لے تو اُس سے دوگنہ۔ دو سال کے بعد کوئی کفارہ نہیں۔ اگر کسی کاشتکار نے اُس زمین میں جہاں کوئی آدمی یا کتا مرگیا ہو۔ پہلے سال کے اندر کچھ بونے کا ارادہ کیا تو (۴۰۰) درّے۔ اگر کسی نے انگلی کی پور برابر بھی مُردے کی ہڈی زمین پر پھینک دی تو ۶۰ درّے۔ جنگل میں نجاست سے ملوث ہوگیا اور بلا طہارت کئے درخت یا پانی چھو لیا تو ہر دو آلات سے ۴۰۰ درّے۔ زمانہ حیض میں عورت کے ساتھ ہمبستر ہوا تو ۶۰ درّے۔ مُردہ بچّہ جننے والی عورت کو کسی نے پانی دیا تو ۲۰۰۔ کتے کو بُرا کھانا دیا تو ۵۰۔ اُسے مار ڈالا تو ہر آلہ سے ۵۰۰ سے لیکر ۱۰۰۰ درّے۔ سگِ آبی کے مارنے کی سزا ۲۰۰۰ درّے تھی۔

عموماً پہلے جرم کی سزا کم تھی اور بعض حالتوں میں مجرم فدیہ دے کر چھوٹ بھی سکتا تھا۔ مثلاً لکڑی کے دس ہزار گٹھے۔ آتشکدے کے لئے اُٹھاکر لے جانا۔ دس ہزار قسم کے موذی جانور مارنا۔ مزروعہ زمین خیرات دینا۔ غریبوں کو کھانا کھلانا۔ پل و نہریں بنوانا۔ پروہتوں کو نذرانے و تحائف دینا۔ عہد ساسانی میں اگرچہ قوانین یہی تھے مگر سزائیں کم تھیں۔ ترک مذہب بہت بڑا جرم سمجھا جاتا تھا۔ ملحد کو پہلے ایک سال قید سخت دی جاتی۔ اس عرصہ میں اُسے سمجھایا بجھایا جاتا۔ لیکن نہ مانتا تو قتل کردیا جاتا۔ چنانچہ مانی کی کھال کھینچی گئی۔ مزدک کو اُلٹا لٹکا کر تیروں کا نشانہ بنایا گیا اور اسی طرح جو کوئی عیسائی مذہب (عہد ساسانی) اختیار کرنے کی جرأت کرتا اُس پر پروہت بڑے بڑے ظلم و ستم کرتے تھے۔ (دالنس وغیرہ)

ایک گاؤں پر اُسے بھیجدیا۔

انہیں دنوں ایک عورت غریبانہ لباس پہنے اور اپنا چہرہ نقاب سے چھپائے رات دن محل کے پھاٹک پر کھڑی رہتی تھی۔ نہ سپاہیوں کی دھمکی کا اُس پر کچھ اثر ہوتا تھا نہ خادموں کی ہنسی دل لگی اور بیہودہ مذاق اُسے اپنی جگہ سے ہٹا سکتا تھا۔ جب کوئی افسر پھاٹک کے اندر داخل ہوتا۔ اُس سے یہ عورت سب سے پہلے شہزادی نتنتیس پھر گوماتا کا حال ضرور پوچھتی۔ ایک دن ایک شریر باتونی شعلیچی نے ہنس کر موبد اعظم کے بھائی کی سزا کا حال بیان کیا تو اس عورت کی عجب حالت ہوگئی۔ دیوانہ وار ناچنے لگی۔ اور اُس کا گریبان چومنے لگی۔ یہ دیکھ کر شعلیچی کو سخت حیرت ہوئی وہ سمجھا کہ شاید اُس کا دماغ بہک گیا ہے۔ اور خیرات کے طور پر کچھ دینے لگا مگر اس نے لینے سے انکار کیا۔ اپنی جگہ پر اڑی ہوئی کھڑی رہی اور آنے جانیوالے ترس کھا کر جو کچھ پھینک دیتے تھے اُسی پر بسر اوقات کرتی رہی۔ تین دن بعد گوماتا جس کے سر پر پٹی بندھی ہوئی تھی محل کے اندر سے ایک بند گاڑی میں باہر نکلا۔ جوں ہی اس عورت کی نظر پڑی گاڑی کے پیچھے بھاگی اور ایسا چلانے و چیخنے لگی کہ کوچبان نے اپنے خچروں کو روک کر اس سے پوچھا کہ تو کیا کہنا چاہتی ہے۔ عورت نے اپنی نقاب اُلٹ دی اور ایک عجیب دلربانہ و شرمیلی ادا سے اُس نوجوان زخمی کی طرف دیکھا جو اندر بیٹھا تھا۔ گوماتا کے مُنہ سے اُسے پہچانتے ہی ایک آہ نکلی مگر فوراً ضبط کر کے رُکھائی سے بولا "منداانہ تو کس غرض سے میرے پاس آئی ہے" اس پر اُس غریب بدنصیب لڑکی نے اپنے دونوں ہاتھ پھیلا کر بڑی الحاح و عاجزی سے کہا۔ "گوماتا۔ میرے پیارے گوماتا۔ مجھسے بے وفائی نہ کرو مجھے بھی اپنے ساتھ لیتے چلو۔ جو مصیبتیں تمہاری وجہ سے مجھ پر اور میری مالکہ پر آئی تھیں۔ میں دل سے معاف کرتی ہوں۔ میں تم پر جان و دل سے فدا ہوں۔ دیکھو لیتے چلو۔ میں لونڈی بنکر رہونگی

اور تمام عمر تمہاری خدمت کروں گی

گوماتا ایک لحظہ تک سخت شش و پنج میں رہا۔ عنقریب وہ گاڑی کا دروازہ کھول کر اُسے اپنے سینے سے لگانے والا تھا کہ اتنے میں گھوڑوں کی آواز اُس کے کان میں آئی اور اُس نے پلٹ کر دیکھا کہ ایک گاڑی اہلِ مجوس سے بھری ہوئی محل کے اندر دعاخوانی کے لئے جارہی تھی۔ اُن میں اُس کے بہت سے پُرانے ساتھی دوست بھی تھے جنھیں دیکھتے ہی اس کے دل میں ایک عجیب غیر معمولی حجاب پیدا ہوا۔ اور یہ خیال آیا کہ یہ لوگ جن سے میں پہلے ایسی غرور و تمکنت سے برتاؤ کرتا تھا اب مجھے ایک عورت کے ساتھ دیکھیں گے تو کیا کہیں گے۔ اسلئے ایک تھیلی سونے کے سکّوں سے بھری ہوئی جو بھائی نے رخصت ہوتے وقت اسے دی تھی مندانہ کی طرف پھینک کر اُس نے کوچبان کو بڑی تیزی کے ساتھ گاڑی بڑھانے کا حکم دیا۔ مندانہ نے ٹھوکر مار تھیلی پھینک دی اور چلتی ہوئی گاڑی کے پیچھے لپٹ گئی جس کے ایک پہئے میں اُس کا پیرہن اُلجھ گیا۔ اور وہ زور سے نیچے گری۔ مگر ایک غیر معمولی ہمت و طاقت سے کام لے کر جو صرف حالت مایوسی میں پیدا ہوسکتی ہے وہ پھر اُٹھ کھڑی ہوئی اور گاڑی کے پیچھے بھاگی جو چڑھاؤ کی وجہ سے اب کسی قدر آہستہ ہوگئی تھی۔ اسکے قریب آتے ہی لڑکی نے لپک کر خچروں کی باگیں پکڑ لیں۔ مگر بے رحم کوچبان نے اس زور سے ایک چابک مارا کہ جانور الف ہوگئے لڑکی کو اُن کی دُلتی لگی۔ وہ زمین پر گر پڑی اور گاڑی آناً فاناً میں نظروں سے غائب ہوگئی۔ مگر مندانہ کی دردناک چیخوں کی آواز کن کٹے گوماتا کے زخموں پر عرصہ تک تیر کا کام کرتی رہی۔

ٹیتس کی وفات کے بارھویں دن کمبوجیہ شکار کھیلنے نکلا تاکہ دوڑ دھوپ اور سرگرمی میں تھوڑا سا غم غلط ہوجائے۔ اُمرا و وزرا نے اپنے شہنشاہ کو دیکھتے

ہی نعرہ ہائے خوشی بلند کئے اور نذریں گذرانیں جنھیں اُس نے مہربانی سے قبول فرمایا۔ گذشتہ چند دنوں کے رنج والم نے ایک ایسے شخص کو جو غم واندوہ کا عادی نہ تھا بالکل بدل دیا تھا۔ اس کا چہرہ زرد اور سر کے سیاہ بال سفید ہو چلے تھے۔ آنکھوں سے فتحمندی کی چمک جاتی رہی تھی اور اس صدمۂ جانکاہ نے پورے طور سے اُسے سکھا دیا تھا کہ اُس سے بھی زیادہ قوی تر ایک قوت وطاقت موجود ہے جو قادرِ مطلق ہے اور وہ اگرچہ بہت سی جانوں کو ہلاک ونابود کر سکتا ہے مگر ایک ناچیز وادنیٰ ذی روح کو بھی موت سے نہیں بچا سکتا۔ اپنی روانگی سے پہلے اُس نے شکاریوں وغیرہ کا معاینہ کیا اور گاڈبروا کو بلاکر پوچھا کہ فینیس کہاں ہے۔

گاڈبروا۔ "حضور کا کوئی حکم نہ تھا کہ ......"

بادشاہ۔ اُسے ہمیشہ ہمارا مہمان ومصاحب سمجھو۔ جاؤ بلالاؤ اور ہمارے پیچھے پیچھے آؤ۔

گاڈبروا آداب بجالاکر محل کی طرف واپس گیا اور آدھ گھنٹے کے اندر فینیس کو لئے ہوئے بادشاہ کے جلوس میں آکر مل گیا۔ یونانی کو دیکھتے ہی اُمرائے ایران نے اپنی مسرت کا اظہار کیا۔ یہ عجیب بات تھی کیونکہ عموماً ایک نئے مصاحب کو جو اتنی جلد بادشاہ کا منظور نظر ہو گیا ہو۔ دوسرے بڑے رشک وحسد سے دیکھتے ہیں۔ فینیس بظاہر اس قاعدہ سے مستثنیٰ تھا کیونکہ وہ اُن سے نہایت بیباکی۔ خلوص وسادگی کے ساتھ ملتا تھا اور باتوں باتوں میں ایک جنگ عظیم کی امیدیں بھی دلاتا تھا اور ایسے پُرلطف ومذاقیہ جملے کہتا تھا۔ جو ایرانیوں نے پہلے نہ سُنے تھے۔ غرضکہ سب لوگ شکارگاہ پہنچے تو کچھ دیر کی گپ شپ کے بعد وہ بادشاہ کے حضور میں حاضر ہوا۔ اور ایک گورخر کے تعاقب میں اس عمدگی کے ساتھ اپنی شکاری قابلیت وکمال کا اظہار کیا کہ ہر شخص داد دینے لگا اور جس عقلمندی اور حکمت سے اُس نے قیدیوں کی بےگناہی کے ثبوت دیئے تھے اور جس خوبی سے اُس نے بادشاہ کے دل میں گھر

کرلیا تھا اور جس تیزی کے ساتھ اُس نے ایرانی زبان کی مہارت حاصل کرلی تھی۔ ان سب باتوں کی بڑی تعریفیں ہونے لگیں۔

مردانہ حُسن و بہادری میں فینیس کسی ایرانی امیر سے کم نہ تھا۔ اُس کی شہسواری بھی مسلمہ تھی اور سپر پر بچھے کے شکار میں اُس کی ہنرمندی و دلیری بھی پوری طور سے آشکارا ہوگئی۔ اس لئے جب سب لوگ گھر واپس ہوئے تو آپس میں یونانی کے کمالات کے چرچے کرنے لگے۔ بوڑھے آریاسیپ نے کہا "میں مانتا ہوں کہ یہ یونانی علاوہ شکار کے بظاہر فن جنگ کا بھی اُستاد معلوم ہوتا ہے اور ایک غیر معمولی قابلیتوں کا شخص ہے۔ مگر اجنبی ہونے کی وجہ سے اُس کی ہر بات نئی معلوم ہوتی ہے اس لئے ہم تعریفیں کرتے ہیں۔

فینیس ایک جھاڑی کے پیچھے قریب ہی کھڑا تھا۔ یہ کلمات سُن کر ہنس کے بولا "آپ بالکل صحیح فرماتے ہیں اور میں آپ کے حُسنِ ظن کا نہایت شکرگذار ہوں خصوصاً آپ کی گفتگو کا آخری حصہ مجھے بہت پسند آیا کیونکہ اس نے ثابت کردیا کہ آپ ایرانی ایسے سیر چشم و فیاض ہیں کہ اجنبیوں کی معمولی باتوں کو بھی بہت زیادہ قابل قدر سمجھتے ہیں۔" یہ سُن کر سب ہنسنے لگے اور یونانی کے گرد جمع ہوگئے۔

فینیس۔ دوسری قوموں کا یہ حال نہیں۔ مثلاً یہودیوں ہی کو دیکھ لیجئے کہ وہ اپنے سوائے اور کسی کو خدا کا برگزیدہ بندہ نہیں سمجھتے اسی لئے عقلمند لوگ انھیں تنگ خیال و کمینہ کہتے ہیں اور تمام دنیا اُن سے متنفر ہے۔ مصریوں کو دیکھئے! اُنکے خیالات تو ایسے بیہودہ ہیں کہ بیان سے باہر۔ اگر انکے پجاریوں کا بس چلے تو تمام اجنبیوں کو مار ڈالیں اور فرعون کی سلطنت میں کسی غیر ملکی کو نہ رہنے دیں۔ ایک سچا مصری فاقہ کرنا پسند کریگا مگر ہمارے و آپ کے ساتھ ہم پیالہ و ہم نوالہ ہونا گوارا نہ کریگا۔ دنیا میں کسی جگہ آپ کو ایسی عجیب و غریب و نادر باتیں دیکھنے میں نہ آئیں گی جیسے مصر

میں ہیں۔ لیکن انصاف کو ہاتھ سے نہ دینا چاہیئے۔ سچ تو یہ ہے کہ مصر کے برابر کوئی ملک زیادہ زرخیز۔ سرسبز و متمول نہیں۔ وہاں کے فرمانروا کے پاس اتنی بڑی دولت ہے کہ دیوتاؤں کے بھی خزانے شاید اسی قدر ہوں گے۔ پھر لطف یہ ہے کہ اس خوبصورت ملک کا فتح کرنا کچھ مشکل نہیں ہے۔ میں اپنے دہ سالہ تجربہ کے بعد دعوے کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ فرعون کا تمام لشکر آپ کے ایک قشون جاودانی کا بھی مقابلہ نہیں کر سکتا۔ کیا معلوم کہ آئندہ کیا ہونے والا ہے۔ شاید ہماری و آپ کی قسمت میں ایک دن دریائے نیل کی سیر کرنا لکھا ہو۔ آپ کی تلواریں بھی ایک عرصہ سے بیکار پڑی ہیں اور زنگ آلود ہو چلی ہیں۔"

ان الفاظ کا یونانی کے حسب منشا پورا اثر ہوا۔ کیونکہ سننے والوں کی زبان سے نعرۂ آفریں بلند ہوا۔ کمبوجیہ کے کان میں یہ آواز گئی تو وہ بھی چونکا اور گھوڑے کو کھڑا کر کے پوچھنے لگا کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ فنیس نے آگے بڑھ کر مؤدبانہ عرض کی کہ لڑائی کی ایک امید پر سرداران نامدار اپنی خوشی کا اظہار کر رہے ہیں۔

کمبوجیہ۔ (ایک عرصہ کے بعد اب پہلی مرتبہ مسکرا کر) کیسی لڑائی؟

فنیس۔ (لاپروانہ انداز سے) ہم سب عام طور سے بحث کر رہے تھے کہ شاید کوئی لڑائی ہو جائے۔ بعدہٗ اپنے گھوڑے کو ایڑ دے کر ذرا بادشاہ کے قریب آیا اور ایک ایسی شیریں آواز سے جس کا اثر سننے والے کے دل پر یقینی ہو کہنے لگا:۔

"اے شہنشاہ والا تبار۔ آقائے نامدار گو یہ سچ ہے کہ مجھے اس خوش نصیب ملک میں پیدا ہو کر حضور کی رعایا ہونے کا فخر نہیں حاصل ہوا۔ اور صرف تھوڑا ہی عرصہ ہوا کہ بندگانعالی کے آستان بوسی کا شرف حاصل ہوا ہے۔ تاہم اس ناچیز کے دل میں ایک خیال پیدا ہوتا ہے جو ڈر ہے کہ کہیں گستاخی پر محمول نہ کیا جائے۔ وہ یہ کہ دیوتاؤں نے شاید ازل ہی سے اُس کی قسمت میں حضور والا جاہ کا ایک سچا خادم

وہی خواہ ہونا لکھ دیا ہے اور ایک ایسی خدمت شاہی کے لئے مامور کیا ہے جسے
برلانے میں مال وزر کی لالچ و جاہ طلبی کو بالکل دخل نہیں۔ دیوتاؤں کی عنایت
اور حضور کے انعامات و بخشش نے اُسے ان دونوں باتوں سے مستغنی کر دیا ہے
علاوہ بریں دنیاوی ہوا و ہوس اور دھن دولت کی خواہش زیادہ تر اس شخص کو ہو سکتی
ہے جس کی کوئی آل و اولاد ہو۔ اس بدنصیب خادم کا ایک لاڈلا بیٹا تھا مگر۔۔۔
خیر میں اس ذکر کو ابھی حضور کے سامنے چھیڑنا نہیں چاہتا۔ (بادشاہ کو خاموش دیکھ کر)
شاہا! حضور اس غلام کی اس جسارت آمیز گفتگو سے ناراض تو نہیں ہوئے؟
بادشاہ۔ (جو یونانی کا مطلب سمجھنے سے قاصر تھا) نہیں۔ میں بھلا تم سے
کبھی ناخوش ہو سکتا ہوں۔
فینس۔ حضور کو اس قدر افسردہ خاطر و غمگین دیکھ کر میں نے آج تک اپنی
زبان بند رکھی تھی لیکن اب وہ وقت آگیا ہے کہ اُس راز کا اظہار کروں۔ مگر ڈرتا
ہوں کہ کہیں اُسے سنکر حضور کا غصہ اور رنج اور زیادہ نہ بڑھ جائے۔
بادشاہ۔ نہیں۔ تم سے اب میرے دل کو کوئی بات تکلیف و رنج نہیں پہنچا سکتی
فینس۔ میری ہمت نہیں پڑتی۔ پھر کبھی عرض کرونگا۔
بادشاہ۔ (سخت متحیر ہو کر) نہیں۔ ابھی کہو۔ ڈرو نہیں۔ میں سُننے کے لئے
تیار ہوں۔
فینس۔ حضور والا جاہ کو بڑے شرمناک طریقہ سے دھوکہ دیا گیا ہے۔ نہ صرف
بندگان عالی کو بلکہ اُس حسین و پاک طینت شہزادی کو بھی جو ابھی چند روز ہوئے
کہ ہزاروں حسرتیں لیکر قبل از وقت راہئی ملکِ بقا ہو گئی۔
کمبوجیہ کی آنکھوں میں یکایک ایک چمک پیدا ہو گئی اور یونانی کی طرف
گھور کے دیکھنے لگا۔

فینس۔ فرعون مصر یعنی بادشاہ اماسس نے حضور والا کو جو تاجدارانِ عالم کے سرتاج ہیں دھوکہ و فریب دینے کی جرأت کی۔ متوفہ شہزادی اُس کی دختر نہ تھی گو کہ وہ خود اس راز سے بے خبر تھی وہ ......"

کمبوجیہ ۔ ناممکن۔ میں اسے یقین نہیں کر سکتا۔

فینس ۔ بیشک حضور درست فرماتے ہیں لیکن میں بھی سرِ مو خلاف واقعہ عرض نہیں کرتا۔ شاہا! اماسس نے انتہائی چالبازی و دروغ گوئی سے نہ صرف حضور والا کو بلکہ تمام دنیا کو دھوکہ دیا ہے۔ شہزادی نتیتیس جو اپنے حسن و جمال میں بے نظیر تھی بیشک خاندانِ شاہی سے تھی مگر اس کمینے و غدار اماسس کی نسل سے اُسے کوئی تعلق نہ تھا۔ بلکہ ہوفرا جو مصر کا حقیقی فرماں روا تھا اور جسکا تاج و تخت اُس نے بغاوت و سازش کر کے چھین لیا تھا اس گوہرِ بے بہا کا اصلی باپ تھا۔ حضور جیں بجبیں ہوتے ہیں۔ بیشک حضور کی خفگی بجا ہے۔ کیونکہ ایک دوست و حلیف سے دھوکہ و فریب کھانا بڑے ظلم و ستم کی بات ہے۔

یونانی اتنا کہہ کر چُپ ہو گیا تاکہ اُس کے آخری الفاظ پورے طور سے اپنا زہر یلا اثر پیدا کر لیں۔ بادشاہ کسی قدر بے تاب معلوم ہوا۔ اور اپنے گھوڑے کو زور سے ایک ایڑ مار کر یونانی سے بولا "کہے جاؤ۔ میں تمام واقعہ بالتفصیل سُننا چاہتا ہوں۔"

فینس ۔ شاہ ہوفرا اپنی معزولی کے بعد بیس برس[۱] تک سیئیس کے قید خانہ میں زندہ رہا۔ جہاں اس کی بیوی کو جسکے پہلے تین بچے مر چکے تھے حمل رہا۔ جب ہوفرا کو اس کی خبر ہوئی تو بہت خوش ہوا۔ اور نتیت دیوی کے مندر میں نیاز و نذر چڑھانے کے ارادہ سے گیا۔ وہاں اتفاق سے اس کے دربار کا ایک پرانا

---

[۱] یہ واقعہ مورخ ہیرڈو (Herod) کے بیان کے مطابق ہے (ایبر)

امیر بھی جس کے ساتھ اُس نے کسی زمانے میں ظلم کیا تھا موجود تھا۔ وہ اپنے غلاموں کی مدد سے ہو فرا پر حملہ آور ہوا۔ اور اُسے مار ڈالا۔ اماسس کو خبر ہوئی تو اس نے مقتول فرعون کی بیوہ کو فوراً اپنے محل کے اندر بلا لیا اور اپنی ملکہ لیڈس کے قریب ہی جو خود بھی حاملہ تھی ایک کمرے میں رہنے کی جگہ دی۔ جب نو مہینے پورے ہو گئے تو اول الذکر ایک لڑکی جنتے ہی مر گئی۔ اور اس کے دو دن بعد لیڈس کے بھی ایک دختر پیدا ہوئی .... اب ہم محل کے قریب پہنچ گئے ہیں۔ اگر حضور اجازت دیں تو میں اُس حکیم کا بیان جو لڑکی کی پیدائش کے وقت موجود تھا اور بعدہٗ اماسس کی دھوکہ بازی میں بھی اُس کا شریک و حامی رہا۔ پڑھکر سناؤں۔ میرے پاس اُس کے اصلی خطوط موجود ہیں۔ جن کا پڑھنا محال تھا مگر حسن اتفاق سے ایک شخص انوفس نامی جو کسی زمانہ میں مصر کا ایک بڑا پروہت تھا آج کل اسی بابل میں مسکن گزیں ہے اور ہر قسم کے مصری خط کو پڑھ سکتا ہے۔ کہال نبنچاری بھی اس فن کا ماہر ہے مگر شاید اس خیال سے کہ اس کے وطن پر کوئی مصیبت آئے۔ مدد دینے سے جان چرائے یا انکار کر دے۔"

بادشاہ "ایک گھنٹہ بعد تم اُس شخص کو اپنے ساتھ لے کر میرے پاس آنا۔ کریسس نبنچاری اور وہ سرداران ہخامنش بھی جو مصر سے واقف ہیں۔ حاضر ہوں۔ میں بلا پوری تحقیقات کئے کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا۔ تمہاری شہادت زیادہ قابل اعتبار نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ مجھے خود اماسس نے لکھا تھا کہ تم اپنے ذاتی عناد و کینہ کی وجہ سے اُس کے مخالف و دشمن ہو۔"

وقت مقررہ پر وہ سب جنھیں بادشاہ نے طلب کیا تھا سامنے حاضر ہوئے انوفس اسّی برس کا بوڑھا تھا۔ اُس کا جسم مُردے کے ڈھانچے کی طرح سوکھ کر لکڑی ہو گیا تھا مگر آنکھوں میں ابھی تک چمک تھی اور بُشرہ سے ایک غیر معمولی

تجربہ و عقل و دانش پرستی تھی۔ اُس کا لباس جو پیروہنتوں کی طرح بالکل سفید تھا کسی قدر خستہ و دریدہ تھا اور جگہ جگہ پیوند لگے تھے۔ یہ شخص اپنی جوانی میں شاید لانبا و چہریرے بدن کا ہوگا۔ لیکن کہن سالی و مصیبت و تکالیف نے اب کمر جھکا دی تھی اور جسم ایسا نحیف و زار کر دیا تھا کہ قد بھی ٹھٹر کر رہ گیا۔ جس کے مقابلہ میں سر بہت بڑا معلوم ہونے لگا۔ وہ اپنے لاغر و کانپتے ہوئے ہاتھوں میں پیپرس[۵۱] کا ایک پلندہ لئے ہوئے تھا۔ اس کے اعضا مفلوج تھے اس لئے بادشاہ کے سامنے بھی اُسے ایک آرام کرسی پر بیٹھنے کی اجازت دی گئی۔ نبنچاری اس عجیب و غریب شخص کے قریب ہی کھڑا ہوا۔ اُس کی پُشت کے سہارے کے لئے کرسی کے تکئے درست کر رہا تھا۔ کتحال کی نظروں میں اُس کی عزت نہ صرف بوجہ ایک بڑے پیروہنت ہونے کے تھی جو تمام علوم باطنیہ کا ماہر تھا بلکہ ذاتی تقدس و بزرگی کے خیال سے بھی بہت زیادہ تھی۔ فینس اس کے بائیں جانب کھڑا تھا اور دارا، کری سس و پرکزاسپ بھی قریب ہی موجود تھے۔ کمبوجیہ اپنے جواہر نگار تخت پر جلوہ افروز تھا اور وہ جب حاضرین سے مخاطب ہوا تو اُس کے چہرہ سے درشتی و خفگی کے آثار نمایاں تھے۔

کمبوجیہ۔ یہ شریف یونانی جسے ما بدولت اپنا بہت بڑا خیر خواہ سمجھتے ہیں ایک عجیب خبر لایا ہے وہ یہ کہ فرعون مصر نے مجھے نہایت شرمناک طریقہ سے دہوکہ دیا ہے۔ یعنی میری متوفہ منگیتر اُس کے خاندان سے نہ تھی بلکہ اس سے پیشرو معزول بادشاہ ہوفرا کی دختر تھی۔

تمام حاضرین کی زبان سے انتہائے حیرت و استعجاب کی آواز نکلی۔

کمبوجیہ۔ یہ مرد بزرگ میرے سامنے اب اسی امر کی تحقیق کے لئے طلب

---

[۵۱] پیپرس۔ قدیم مصری ایک درخت کی شاخوں سے لکھنے کے لئے خاص قسم کی شے تیار کرتے تھے۔ یہ درخت از قسم نے ہوتا تھا۔ بعض جگہ اسے پٹیلا۔ یا ایک طرح کا نرکل بھی کہتے ہیں۔ اسی شے کو جس پر قلم سے لکھتے تھے پیپی روس کہتے ہیں۔ ۱۲

کئے گئے ہیں۔

انوفس اشارہ سے اپنی رضامندی کا اظہار کرتا ہے۔

بادشاہ۔ (سفیر سے خطاب کرکے) بہرگزاسپ تم میرے سفیر ہو۔ میرا پہلا سوال تم سے ہے۔ کیا فی الواقعی شہزادی نتیتیس دختر اماسس کے نام سے تمہیں سپرد کی گئی تھی؟

سفیر۔ جی ہاں قبلۂ عالم۔ گو پہلے نہنچاری نے اُس کی توام بہن تاسو کی تعریف بلکہ عالم کا سندانہ کے روبرو کی تھی اور مجھے بھی اُسی کا خیال تھا مگر اماسس نتیتیس ہی کے بھیجنے پر مُصر تھا۔ میں سمجھا کہ شاید وہ اپنی سب سے پیاری لڑکی کو نذر کرکے حضور کو خاص طور سے مرہون منت کرنا چاہتا ہے کیونکہ یہ اپنی بہن سے حُسن وجمال میں کہیں زیادہ افضل وبرتر تھی۔ اس لئے میں نے زیادہ اصرار کرنا مناسب نہ سمجھا۔ حضور والا کو بھی یاد ہوگا کہ حضور کے خط میں بھی اُس نے یہی لکھا تھا کہ میں اپنی سب سے زیادہ پیاری وحسین لڑکی اپنے معزز دوست کی خدمت کے لئے روانہ کرتا ہوں۔

بادشاہ۔ ہاں بیشک اُس نے یہ لکھا تھا۔

کریسس۔ بیشک نتیتیس اپنی بہن سے کہیں زیادہ حسین وذی وقار تھی لیکن یہ میں نے ضرور دیکھا تھا کہ تاشو اپنے والدین کی زیادہ چہیتی و دُلاری تھی۔

دارا۔ ہاں آپ کو یاد ہوگا کہ اماسس نے ایک بار دعوت کے موقع پر بردیہ سے یہ کہا تھا کہ خبردار تاشو کی طرف گھور کر نہ دیکھنا۔ تم اگر کوئی آسمانی دیوتا بھی ہوگے تو بھی میں تمہارے ساتھ اُسے ایران نہ جانے دونگا۔ اس پر شہزادہ سامتیک نے نہایت چیں بجبیں ہوکر اپنے باپ سے کہا۔ ہیں کیا آپ فینس کو بھول گئے۔

کمبوجیہ۔ فینیس!! تمہیں بھول جانے کے کیا معنی؟

یونانی۔ حضور والا! اماسس نے ایک مرتبہ شراب کے نشہ میں اپنا راز مجھ سے بیان کر دیا تھا۔ اس لئے شاید شہزادہ سامتیک کا یہ مطلب ہوگا کہ دوبارہ بھول کر کہیں زبان سے کچھ نہ کہہ دیجئے گا۔

بادشاہ۔ میں سُننا چاہتا ہوں کہ تم سے اُس نے کس طرح اپنا راز افشا کیا۔

یونانی۔ جب میں فتح و نصرت کے ڈنکے بجاتا ہوا قبرص سے واپس ہو کر سئیز آیا تو اس خوشی میں ایک بہت بڑا جشن منعقد کیا گیا۔ اماسس نے میری نہایت عزت و تکریم کی اور سب کے سامنے مجھے گلے سے لگا لیا۔ جو اس کے درباریوں کو نہایت ناگوار گذرا۔ بعدہٗ جوں جوں شراب پی کر مدہوش ہوتا جاتا تھا اُتنی ہی میری تعریفوں کے طومار باندھتا جاتا تھا۔ آخر کار شہزادہ اور میں دونوں اُسے پکڑ کر محل میں لے گئے جب راستہ میں اپنے لڑکیوں کے کمرے کے قریب سے گذرا تو وہاں ٹھیر گیا۔ اور مجھ سے خطاب کر کے کہنے لگا "لڑکیاں یہاں سو رہی ہیں۔ یونانی اگر تم اپنی بیوی کو طلاق دے دو تو میں نلتتیس کو تمہارے عقد میں دینے کے لئے تیار ہوں۔ میں تمہیں اپنا داماد بنانا چاہتا ہوں۔ فینیس! اس لڑکی کے متعلق ایک عجیب واقعہ ہے۔ وہ میری بیٹی نہیں ہے۔ اس پر سامتیک نے فوراً اپنا ہاتھ اُس کے مُنہ پر رکھ کر زیادہ بولنے سے روک دیا اور مجھے بڑی رکھائی سے اپنے مکان چلے جانے کا حکم دیا۔ وہاں پہنچکر میں جو کچھ اپنے کان سے سُن چکا تھا اُس پر غور و فکر کرنے لگا۔ اور اُسی وقت سے ایک قسم کا شبہ میرے دل میں پیدا ہوا جو بعدہٗ درجہ یقین تک پہنچ گیا۔ اب اس کی تصدیق کے لئے میری رائے ناقص میں اس مرد بزرگ کو حکم دیا جائے کہ حکیم امہوتپ کے روزنامچہ سے اُس حصہ کا ترجمہ کر کے حضور کو سنائے جس کا تعلق خاص اس واقعہ سے ہے"۔

کمبوجیہ نے اپنے سر سے اشارہ کیا اور بوڑھا پروہت ایک ایسی کڑکتی ہوئی بلند آواز سے جو اُس کے نحیف جثہ کے لحاظ سے غیر معمولی تھی یہ پڑھ کر سنانے لگا۔

"ماہ توتھ^ا کی پانچویں تاریخ کو مجھے بادشاہ نے طلب کیا۔ میں اس کا منتظر ہی تھا کیونکہ ملکہ کو دردِ زہ شروع ہو گیا تھا۔ میں نے فوراً جا کر مدد دی اور ایک کمزور سی لڑکی پیدا ہوئی۔ جب دایہ نے بچّی کو گود میں لے لیا تو اماسس مجھے اس پردہ کے پیچھے جو اس کمرے کے پس پشت حائل تھا لے گیا۔ وہاں میں نے ایک دوسری لڑکی دیکھی جسے میں نے فوراً پہچان لیا کہ ہوفرا کی بیوی کی نوزائیدہ دختر ہے۔ جس کی ماں میرے ہی زیرِ علاج توتھ کی تیسری تاریخ فوت ہو چکی تھی۔ فرعون نے لڑکی کی طرف اشارہ کر کے مجھ سے کہا کہ یہ بچی اب یتیم ہے۔ قانوناً ہمارا فرض ہے کہ یتیموں کی نگہداشت کریں اس لئے میری اور ملکہ کی اب یہ خواہش ہے کہ اسے متبنّیٰ کر کے اپنی ہی بچی کی طرح اس کی پرورش کریں۔ لیکن یہ راز کسی پر ظاہر کرنا نہیں چاہتے۔ اور تم سے امید رکھتے ہیں کہ اسے اپنے دل ہی میں رکھنا اور عوام میں یہ مشہور کر دیا کہ ملکہ لیڈس کی توام لڑکیاں پیدا ہوئی ہیں۔ ہم اس خدمت کے صلہ میں پانچ ہزار طلائی چھلّے تو ابھی بطور انعام عطا کرتے ہیں اور سالانہ بھی اس کی ایک تہائی رقم تمہیں دیا کریں گے۔ میں نے خاموش ہو کر گردن جھکا لی۔ اور جو لوگ وہاں موجود تھے ان سب کو باہر جانے کو کہا پھر دوبارہ انھیں اندر بلا کر یہ اعلان کیا کہ ملکہ کی ایک اور لڑکی ابھی پیدا ہوئی ہے اصلی لڑکی کا نام تاشو اور دوسری کا نیتیتس رکھا گیا۔"

یہ سُنتے ہی کمبوجیہ اپنی جگہ سے اُچھل پڑا اور کمرے میں بیقرار ٹہلنے لگا۔ انوفس نے اس کی پرواہ نہ کی اور اپنی دھن میں اُسی طرح پڑھتا گیا۔ "توتھ کو

^ا یہ مہینہ ۲۹ اگست سے ۲۷ ستمبر تک رہتا تھا۔ ۱۲

مہینے کی چھٹی تاریخ تھی۔ میں رات کے جاگنے اور تکان کی وجہ سے صبح کے وقت ذرا آرام کرنے کے لئے لیٹا تھا کہ اتنے میں بادشاہ کا ایک خادم آیا اور موعودہ انعام اور ایک خط میرے حوالے کر گیا۔ خط میں لکھا تھا کہ ایک مُردہ بچے کو میں کہیں سے ڈھونڈ کر لاؤں تاکہ ہوفرا کے بچے کے نام سے بڑی دھوم دھام کے ساتھ اُس کی تجہیز و تکفین کی جائے ایک گھنٹے کی بڑی محنت و تلاش کے بعد مجھے ایک غریب عورت کا پتہ چلا جس کی ایک حرامی لڑکی اُسی وقت پیدا ہو کر مر گئی تھی مگر وہ اسے دینے پر ہرگز راضی نہ ہوتی تھی لیکن جب میں نے بہت سمجھایا بجھایا کہ اس کی ایک نہایت خوبصورت ممی بنا کر بڑے اہتمام سے دفن کرونگا تو بالآخر مان گئی۔ غرضکہ میں نے بچے کی لاش اپنی دواؤں کی بڑے بکس میں بند کر کے۔ چونکہ ہیپا موجود نہ تھا اپنے بیٹے ننیچاری کو دی کہ بغل میں دبا کر ساتھ لے چلے۔ اور جو وعدہ کیا تھا اُسے پورا کیا۔ یعنی بڑی دھوم دھام کے ساتھ اُسے دفن کیا۔ کاش کہ اُس کی غریب ماں بھی اُس وقت موجود ہوتی اور اپنی بچی کی آیندہ زندگی کے اعلیٰ ساز و سامان دیکھکر خوش ہوتی۔ ننیچاری کو اس وقت فرعون نے بُلایا ہے۔

۵۱ مصری اپنی قبروں کے اندر مختلف قسم کی اشیاء اور ساز و سامان رکھتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ ہر شے کی ایک روح ہے جو دوسری دنیا میں ممی کی، روح کی خدمت کرے گی۔ اس لئے کھانا۔ کپڑے سامان آرائش وغیرہ جو کچھ اس کے ساتھ رکھے جائیں گے انکا ایک ہمزاد یا ہمتا جو دوسری دنیا میں موجود ہے مردہ کو بآسانی مل جائیگا۔ اولاً مصریوں کا یہ اعتقاد تھا کہ جنت میں ہر شخص کو دنیا کی طرح کام کاج کرنا پڑیگا۔ مگر جب تمول و تمدن میں ترقی ہوئی تو امیروں اور حاکموں کی ضروریات محسوس ہوئیں تو جنت میں بھی اُنکے لئے ہر قسم کے آرام و آسائش کے مہیا کرنے کا خیال ہوا۔ اسی لئے ان کی ممی کے ساتھ مختلف اشیاء خورد نی پوشش و آرائش وغیرہ قبر میں رکھی جاتی گئیں۔ مثلاً خادموں کی مورتیں۔ اُن کے کاروبار

جب دوبار نبنچاری کا نام آیا تو بادشاہ نے حیرت سے کہا یہ ہمارا ہی
کحال نبنچاری ہے جس کا ذکر اس کتبہ میں آیا ہے۔
فینیس۔ جی حضور۔ نبنچاری اُسی امھوتپ کے فرزند ہیں جس نے بچوں کو
بدل دیا تھا۔
کحال آنکھیں نیچے کئے کسی قدر شرمندہ وجیں بہ جبیں معلوم ہوا۔ کمبوچیہ
نے انوفس کے ہاتھ سے نوشتہ لیکر اُسے کئی بار اُلٹا پلٹا پھر کحال کے
قریب آکر یہ سوال کیا "اسے اچھی طرح دیکھ بھال کر ذرا پہچانو۔ کیا یہ تمہارے
ہی باپ کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے؟"
نبنچاری بادشاہ کے قدموں پر گر پڑا اور دونوں ہاتھ اوپر اُٹھاکر خاموش ہو گیا۔
بادشاہ۔ میں تم سے پھر پوچھتا ہوں کہ کیا یہ تحریر تمہارے ہی باپ کے ہاتھ کی
لکھی ہوئی ہے؟۔
نبنچاری۔ میں نہیں کہہ سکتا ...... دراصل ..."
بادشاہ۔ میں حقیقی بات معلوم کرنا چاہتا ہوں۔ ہاں یا نہیں۔
کحال۔ ہاں۔ اے شہنشاہ۔ لیکن۔

بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ یعنی کسان کھیتی باڑی کر رہے ہیں۔ نغمے گا رہے ہیں۔ باورچی کھانا
پکا رہے ہیں۔ کاتب حساب کتاب لکھ رہے ہیں۔ سنار زیور بنا رہے ہیں۔ بڑھئی کام کر رہے ہیں
جہاز چل رہے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ غرضکہ اسی طرح تمام مکمل دنیوی عیش کا نمونہ مورتوں کی شکل
میں بنا کر ممی کے ساتھ کھلونوں کی طرح سجا کر رکھا جاتا تھا۔ حتیٰ کہ قصہ گو اور انکی کہانیاں بھی پیپرس
پر لکھی ہوئی قبروں کے اندر سے دستیاب ہوئی ہیں۔ اس عجیب رسم کا ہمیں مشکور ہونا چاہئے
کیونکہ اس سے اُس زمانہ کے تمدن کی ایک ایسی جیتی جاگتی تصویر ہم دیکھ سکتے ہیں جس کا
مقابلہ کوئی تحریر یا کتبہ نہیں کر سکتا۔ (پروفیسر ولکنس)

نکبو جیبہ - ڈرو نہیں کھڑا ہو - اور ماید دولت کی بخشش وکرم کی امید رکھ - لیکن آیندہ سے تو مجھی کو اپنا بادشاہ تصور کر - آج مادر محترمہ فرماتی تھیں کہ تو نے ایک عمل جراحی کر کے اُنکی آنکھیں درست کر دینے کا وعدہ کیا ہے - کیا یہ صحیح ہے؟ اور تجھے اپنے ہنر پر پورا بھروسہ ہے -

کحال - جی ہاں قبلۂ عالم - میں ان کی بینائی کا ذمہ لیتا ہوں -

بادشاہ - بہت خوب - اچھا ایک بات میں اور پوچھنا چاہتا ہوں - تجھے اس فریب کا پورا علم تھا؟

کحال - جی ہاں میرے آقا -

بادشاہ - اور تو نے بھی مجھے دھوکہ دیا؟ اور اس دروغ سے خبردار نہ کیا؟

نبنچاری - میں نے اماسس کے سامنے رازداری کی قسم کھائی تھی - اور قسم ...."

بادشاہ - بے شک قسم کی عزت و پاسداری فرض ہے - (گاؤ ابرو سے) گاؤ ابرو! دیکھ ان دونوں مصریوں کو ماید دولت کے دستر خوان سے خاصہ طعام بھیجا - (دانوفس سے مخاطب ہو کر) بڑے میاں! خاصکر تمہیں تو سب سے زیادہ مقوی غذاؤں کی ضرورت معلوم ہوتی ہے -

بوڑھا - شاہا! میں کچھ نہیں چاہتا - اس خادم کو صرف سانس لینے کے لئے ہوا - پیٹ بھرنے کے لئے ایک ٹکڑہ روٹی اور ذرا سا پانی - پہننے کے لئے ایک صاف ستھرا کپڑا اور رہنے کے لئے ایک چھوٹا سا حجرہ کافی و بس ہے - جہاں کوئی میرا مخل نہ ہو (مسکرا کر) میرے پاس بے شمار دولت و ثروت ہے جس پر آج مجھے اس قدر فخر و ناز ہے کہ کبھی نہ تھا -

بادشاہ - (حیرت سے) یہ کس طرح؟

بوڑھا - میں حضور کو ایک سلطنت بخشنے والا ہوں -

بادشاہ - (ہنس کر حیرت سے) یہ معمہ میری سمجھ میں نہیں آیا -

بوڑھا - میں نے اس نوشتہ کا ترجمہ کر کے یہ ثابت کر دیا کہ حضور کی متوفیہ بیوی شاہ ہوفرا کی دختر تھیں اور ہمارے ملک کے قانونِ وراثت کی رو سے بادشاہ کی لڑکیاں اُنکے لڑکے یا بھائی کی عدم موجودگی میں تاج و تخت کی وارث ہو سکتی ہیں - اور اگر وہ لڑکی لاولد مر جائے تو اُس کے شوہر کا حق مقدم سمجھا جاتا ہے - اس لئے سامتیک اب مصر کے تخت پر نہیں بیٹھ سکتا - اور قانوناً صرف حضور ہی میرے وطن کے مالک و حاکم ہو سکتے ہیں -

کمبوجیہ یہ سُنکر مسکرایا اور بہت خوش ہوا -

بوڑھا - مجھے اپنی نجوم سے بھی معلوم ہوا ہے کہ سامتیک تباہ و برباد ہوگا اور مصر کا تاج حضور ہی کے سر پر رکھا جائیگا -

کمبوجیہ - بے شک ستاروں کی پیشین گوئی سچ نکلے گی - مجھے پورا یقین ہے بڑے میاں! اب تم اپنے دل کی کوئی آرزو و تمنا بیان کرو میں اُسے بخوشی پورا کرونگا -

انوفس - شاہا! مجھے اپنی فوج کے ساتھ ایک رتھ میں بٹھا کر لے چلئے - میری صرف یہی ایک آرزو و تمنا ہے کہ اپنے پیارے دریائے نیل کے کنارے جا کر مروں -

بادشاہ - تمہاری خواہش پوری ہوگی (درباریوں سے) اب تم سب رخصت ہو - دیکھو ہمارے دستر خوان کے تمام مصاحب آج دعوت کے موقع پر موجود رہیں - مے نوشی کے بعد صلاح و مشورہ کیا جائیگا - مصر پر فوج کشی و معرکہ آرائی مجھے جنگ ماساجت سے کہیں زیادہ مرغوب و دل پسند ہے -

یہ سُنتے ہی سب کے منہ سے ایک نعرۂ خوشی نکلا "شہنشاہ کا بول بالا رہے"

اور رخصت ہو کر چلے گئے۔ کمبوجیہ نے خادموں کو آواز دی اور اپنے ہاتھی کپڑے اُتار کر لباسِ خسروانہ زیبِ تن کیا۔

کرِی سس و فینس ساتھ ساتھ اُس باغ کی سیر کو گئے جو محل کے مشرقی جانب واقع تھا اور نہایت سرسبز مختلف قسم کے درختوں، کیاریوں و فواروں وغیرہ سے آراستہ تھا۔ یونانی کا دل مارے خوشی کے پھولا نہ سماتا تھا۔ مگر کرِی سس کے چہرہ پر تردد و فکر مندی کے آثار تھے۔

کرِی سس۔ یونانی۔ تمہیں یہ بھی خیال ہے کہ اس دنیا کے انبارِ خاشاک میں تم ایک جلتی ہوئی لکڑی پھینک کر کتنی بڑی آفت بپا کرنے والے ہو۔

فینس۔ جی ہاں اور یہ بھی جانتا ہوں کہ صرف بچے اور نادان لوگ ہی بے سمجھے بوجھے کام کیا کرتے ہیں۔

کرِی سس۔ تمہیں شاید یہ بھی معلوم ہوگا کہ انسان کو بعض وقت اُس کے جذبات اندھا و گمراہ کر دیتے ہیں۔

یونانی۔ میں اُن لوگوں میں سے نہیں ہوں۔

کرِی سس۔ تاہم خواہشِ انتقام و کینہ پروری بڑے سے بڑے جذبات ہیجان میں لاتی ہے۔

یونانی۔ صرف اسی حالت میں کہ وہ کسی فوری جوش و خروش کا نتیجہ ہوں لیکن میں تو بڑے ٹھنڈے دل سے خوب سوچ سمجھ کر آمادہ ہوا ہوں۔ اور اچھی طرح اپنے فرائضِ زندگی سے واقف ہوں۔

کرِی سس۔ نیک آدمی کا سب سے پہلا فرض یہ ہے کہ وہ اپنے ملک کی خوش حالی کو اپنے ذاتی فائدہ پر ترجیح دے۔

یونانی۔ میں اسے بھی خوب سمجھتا ہوں۔

گرہی سمس- مگر تمہیں شاید معلوم نہیں کہ مصر کے ساتھ تم نے اپنے ملکِ یونان کی قسمت کو بھی ایرانیوں کے حوالہ کر دیا۔

یونانی- میں ہرگز نہیں مان سکتا۔

گرہی سمس- کیا تم خیال کر سکتے ہو کہ جب بحر قلزم کا تمام ساحل ایرانیوں کے قبضہ میں آجائیگا تو وہ تمہارے پیارے یونان پر حملہ کرنے سے باز رہیں گے۔

یونانی- شاید ایسا ہو لیکن میں اپنے اہل وطن کے طبائع سے واقف ہوں۔ اور بالیقین کہہ سکتا ہوں کہ وہ اجنبی دشمنوں کے حملوں کا کامیابی کے ساتھ مقابلہ کرینگے اور اگر کسی بڑے خطرہ کا سامنا ہوگا تو اُن کے تمام قبیلے آپس میں متحد ہو کر ایک قوم عظیم بن جائیں گے جو کسی دوسرے کو اپنے ملک پر قابض نہ ہونے دیگی۔

گرہی سمس- یہ سب خواب و خیال ہے۔

یونانی- جس کا ظہور میں آنا ایسا ہی لازمی ہے جیسا مجھے اپنی کامیابی پر اس وقت کامل بھروسہ و یقین ہے۔

گرہی سمس- میں تم سے بحث نہیں کر سکتا۔ کیونکہ میں دیگر واقعات وحالات سے واقف نہیں ہوں لیکن میں تمہیں اچھی باتوں کا شیدا۔ اور انسانی ہمدردی وعقل ودانش کا نام لیوا سمجھتا ہوں۔ اور جانتا ہوں کہ بلا سوچے سمجھے یا انصاف کو ہاتھ سے دیکر تم صرف اپنے ذاتی اغراض کی وجہ سے ایک خوش حال قوم کی تباہی کے پیچھے نہ پڑوگے۔ کیسی بے انصافی وافسوس کی بات ہے کہ کسی ایک فرد کے قصور یا ایک حاکم وتاجدار کی غلطیوں کے سبب سے اُس کی تمام قوم خمیازہ برداشت کرے اور بنی نوع انسان طرح طرح کے مصائب وآفات کا نشانہ بنے۔ بتاؤ تو سہی کہ کیوں تم ایسے رحم دل شخص نے اب شقاوت وبیدردی پر کمر باندھی ہے۔ اگر میری رائے کی کچھ قدر کرتے ہو تو اس حرکت سے باز آؤ اور کمبوجیہ کو جنگ پر آمادہ نہ کرو

یونانی ۔سنو۔ میری داستان بڑی پُر درد ہے جسے انصاف سے سُننا اور پھر کبھی مجھے اپنے ارادہ سے باز رکھنے کی کوشش نہ کرنا۔ تم ولیعہدِ مصر سے واقف ہی ہو۔ اور رہوڈوفس کے بھی دوست ہو اور یہ بھی جانتے ہو کہ یہ محترم خاتون مصر کے یونانی باشندوں کی بہت بڑی ہمدرد اور خیرخواہ ہے۔ خصوصاً مجھ سے تو اُسے ایک خاص اُنسیت ہے۔ بدقسمتی سے ولیعہد کو بوجوہاتِ چند مجھ سے سخت دشمنی و عناد پیدا ہو گیا اور جب میں مصر سے اپنے وطن جانے لگا تو اُس نے میرے قتل کی تدبیریں کیں جن کی کامیابی میں کوئی شبہ نہ تھا مگر تمہارے بہادر فرزند نے مجھے موت کے پنجے سے چھڑا لیا۔ اب اتفاق سے چند ہفتوں کے بعد میرے دو لختِ جگر نوکراتیس پہنچے اور رہوڈوفس کے زیرِ حفاظت رہنے لگے۔ نہ معلوم کس کمبخت کو یہ راز معلوم ہو گیا کہ اُس نے شہزادے کو اطلاع کر دی۔ دوسرے ہی دن بوقتِ شب رہوڈوفس کے مکان کی تلاشی لی گئی اور میرے بچوں کو پکڑ کر لے گئے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب اماسس اندھا ہو گیا تھا اور اپنے لڑکے کو اس کی حرکتوں سے باز نہ رکھ سکتا تھا۔ غرض کہ اُسی موذی نے میرے اکلوتے بیٹے کو۔۔

کری سس ۔ مار تو نہیں ڈالا؟

یونانی ۔ (آنسو پونچھکر) ہاں ۔

کری سس ۔ اور لڑکی کو کیا کیا؟ وہ کیا ابھی تک اُنکے قبضہ میں ہے؟

یونانی ۔ اُسے بھی جب جی چاہے گا مار ڈالیں گے۔ میرے لئے تو وہ بھی زندہ در گور ہے۔ بہتر ہے کہ مر جائے مگر مجھے یہ گوارا نہیں کہ بلا بدلہ لئے اپنی زندگی کے دن چین سے گذار دوں۔

کری سس ۔ یہ واقعی بڑا روح فرسا سانحہ ہے۔ میں تمہارے جذبات کو اچھی طرح سمجھتا ہوں مگر تم بھی ذرا سوچ سمجھ کر کام لو۔ معاملہ بہت نازک ہے۔

یہ کہہ کر کری سس نے یونانی کا ہاتھ بڑی محبت سے دبایا۔ اُسے اب

یقین ہو گیا کہ وہ اپنے ارادہ سے باز نہ آئیگا۔ اس لئے زیادہ بحث کرنا فضول سمجھ کے اس سے ہمدردی کا اظہار کرنے لگا۔

فینلیس۔ چلو مجلس شوری میں چلیں۔ کمبوجیہ کو سامتیک کے مظالم کا شکر گذار ہونا چاہئیے۔ اب اُس کی جنگجو و مغضوب الغضب طبیعت بھی امن و امان کی یکساں زندگی بسر کرتے کرتے بہت گھبرا گئی تھی۔

کرہی سس۔ لیکن میرے خیال میں سب سے بڑا بادشاہ وہ ہے جو اپنی رعایا کی بہبودی اور ملک کے امن و امان کو قابلِ ترجیح سمجھے۔ مگر افسوس کہ انسان کی طبیعت عجیب واقع ہوئی ہے وہ ایک ظالم و جابر کو بہ نسبت ایک رحم دل و امن پسند حاکم کے زیادہ وقعت و عزت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ اچی لز کی شان میں کتنے قصیدے لکھے گئے ہیں۔ مگر غریب پتا کوس کو جو ایک عاقل و نیک دل بادشاہ تھا کوئی بھی نہیں پوچھتا۔

یونانی۔ کیونکہ درخت و پودے اُکھاڑ کر پھینک دینا بہ نسبت اُنکے لگانے یا بونے کے زیادہ اہم و مشکل کام ہے۔

کرہی سس۔ مجھے اس سے اختلاف ہے اور سمجھتا ہوں کہ زخمی و گھائل کرنے سے زیادہ جراحی و مرہم پٹی میں بھی خوشی ہوتی ہے اور اعلیٰ درجہ کی نیکی و عقل و دانش کا اظہار ہوتا ہے۔ خیر اب اُس بحث سے کیا فائدہ۔ ہم محل کے قریب آ گئے لیکن قبل اس کے کہ دربار میں داخل ہوں۔ میں ایک ضروری بات تم سے پوچھنا چاہتا ہوں۔ بردیہ کو ان باتوں کی اطلاع مل گئی ہے کہ نہیں۔ فرعون نے کمبوجیہ کے یہ ارادے سُن پائے تو نوکراتیس میں رہنا اس کے لئے خطرہ سے خالی نہ ہوگا۔

یونانی۔ میں نے اُنھیں رخصت ہوتے وقت آگاہ کر دیا تھا اور سمجھا دیا تھا کہ اپنا نام و

بھیس دونوں کو بدل کر عازم سفر ہونا۔

کریسس۔ انہوں نے کوئی اعتراض تو نہیں کیا؟

یونانی۔ نہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ وہ میری صلاح پر ضرور کاربند ہونگے۔

کریسس۔ تاہم بہتر ہوگا کہ ایک قاصد بھیجکر پھر تاکیداً کہلا بھیجو۔

یونانی۔ بہت اچھا میں بادشاہ سے عرض کرونگا۔

کریسس۔ اچھا تو آؤ۔ اب چلیں۔ کھانے کی گاڑیاں مطبخ سے نکل کر محل کی طرف جارہی ہیں۔

یونانی۔ کتنے آدمی بادشاہ کی طرف سے ہر روز کھانا کھاتے ہیں؟

کریسس۔ پندرہ ہزار سے زیادہ۔

یونانی۔ تو ایرانیوں کو شکر کرنا چاہیے کہ اُن کا شہنشاہ دن میں صرف ایک ہی مرتبہ کھانے کا عادی ہے۔

۲۵
باب پچیسواں

بردیہ کی علالت

ان واقعات کے چھ ہفتے بعد سواروں کا ایک چھوٹا سا دستہ سار دیس کے شہر پناہ کی طرف آتا ہوا نظر آیا۔ گھوڑے و سوار دونوں گرد و غبار میں اٹے ہوئے پسینہ

سے تر تھے۔ گھوڑوں کو معلوم ہو گیا تھا کہ شہر قریب ہے۔ اُنکے تھان و اصطبل نزدیک آ گئے ہیں۔ اس لئے رہی سہی پوری قوت سے زور لگا رہے تھے تاہم وہ دو آدمی جو قافلہ کے آگے آگے ہیں جلد باز و بے صبر معلوم ہوتے ہیں۔ اور اُنھیں کوڑے مار کر اور تیز چلانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ وہ بڑی شاہراہ جو تمولس[۵۱] کے پہاڑوں پر سے ہوتی ہوئی آتی ہے ایک نہایت دلفریب و خوشنما منظر پیش کرتی ہے۔ بلندی پر صنوبر۔ شمشاد و اخروٹ کے درخت ہیں۔ دو طرفہ زیتون۔ نارنج و شہتوت وغیرہ کے اشجار سایہ فگن ہیں۔ دامنِ کوہ میں بے شمار انگور کی بیلیں پھیلی ہیں۔ اور سامنے ایک وسیع میدان یا مرغزار ہے جو رنگ برنگ کے پھولوں سے مہک رہا ہے اور جس میں انجیر و کھجور کے بکثرت جھنڈ دور سے ہوا میں ہلتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اس سڑک کے کنارے تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر مضبوط و پختہ کنوئیں بنے ہیں جنکے گرد اونچی اونچی منڈیریں ہیں۔ اور ان پر بیٹھنے و آرام لینے کے لئے سایہ دار درختوں کے کنج ہیں۔ راستہ میں بہت سی ندی و نالیاں بھی ملتی ہیں۔ جو گرمی کی وجہ سے اب خشک ہو گئی ہیں کیونکہ موسم گرما کا آغاز ہے مگر آفتاب کی تمازت و دھوپ کی شدت کم کرنیکے لئے تاڑ کے اونچے اونچے درختوں کی نازک شاخیں پنکھوں کی طرح ہوا میں ہل رہی ہیں۔ آسمان نہایت گہرے نیلگوں رنگ کا معلوم ہوتا ہے۔ بادلوں کا کہیں پتہ و نشان نہیں مطلع بالکل صاف ہے۔ سمت جنوب کوہ تمولس کی اونچی چوٹیاں جو بہار و سرما ہر دو موسم میں برف سے ڈھکی رہتی ہیں اور جانب مغرب سفلس[۵۲] کی پہاڑیاں ہیں جو اودے رنگ کی دور سے صاف نظر آ رہی ہیں۔ اب مسافر اپنے گھوڑوں پر سوار پہاڑی پر سے

۵۱۔ تمولس۔ (Tmolus) لڈیا (Lydia) میں یہ ایک پہاڑ ہے۔ جہاں تہوار وغیرہ بڑے جوش و خروش سے منائے جاتے تھے۔

۵۲۔ سفلس (Sipylus)۔

اُترتے انگور کی باڑیوں و میوہ دار پودوں کے قریب سے گذرتے ہوئے سڑک کے ایک موڑ پر پہنچکر بے ساختہ ٹھہر گئے۔ اور ایک عجیب و غریب سین دیکھ کر مبہوت ہو گئے۔ ان کی نظروں کے سامنے ہرمیز[۱] کی سرسبز و پرفضا وادی میں ایک ایسا خوشنما شہر یکایک ظاہر ہوا جس پر فردوس بریں کا گمان ہوتا تھا۔ یہ سلطنت لیڈیہ[۲] کا مشہور شہر سارڈیس تھا۔ سب سے پہلے ایک ڈھلواں سیاہ چٹان پر سنگ مرمر کی چند خوبصورت عمارات دور سے چمکتی ہوئی نظر آئیں۔ یہی وہ قلعہ تھا جسے کئی صدیاں گذریں شاہ مینس نے تعمیر کیا تھا۔ اس کی شہر پناہ کی تین دیواریں تھیں جن پر کسی زمانہ میں شیر پہرہ دیا کرتے تھے۔ پہاڑی کا جنوبی رُخ زیادہ ڈھلواں نہ تھا اُس پر بکثرت مکانات تھے۔ شمالی رُخ پر کریسس کا عالی شان محلسرا تھا جس کے قریب ہی دریائے پکٹولس بہتا ہوا گذرتا تھا۔ یہ دریا جس کی ریت میں سونا ملا ہوا تھا ملک کے لئے ایک خزانہ بے بہا تھا۔ وہ وسط شہر اور بازاروں سے گذرتا ہوا جانب مغرب ایک تنگ و سرسبز وادی میں داخل ہوتا تھا۔ جہاں سبلی[۳] کا عالی شان مندر اسی کے کنارے واقع تھا۔ جانب مشرق بڑے بڑے وسیع و خوشنما باغات تھے جن کے درمیان ایک خوبصورت جھیل تھی جو گیجیس کے نام سے منسوب تھی۔ اس پر سیر و تفریح کے لئے بکثرت کشتیاں جن کے پیچھے سفید بگلے و راج ہنس اُڑ رہے تھے۔ اِدھر اُدھر پھرتی و چلتی ہوئی نظر آتی تھیں۔ اس سے ایک میل کے فاصلے پر متعدد ٹیلے و پہاڑیاں دکھائی دیں جو نقلی تھیں یعنی انسان کی عجیب و غریب دستکاری و صناعی کا

۱ہرمیز (Hermes)۔

۲۔ لیدیہ۔ ایشیائے کوچک کا وہ حصہ غربی جہاں دریائے قزل ارماغ ہے (اناطولیہ) زمانہ قدیم میں لیدیا کے نام سے مشہور تھا۔

۳سبلی (Cybele)۔

نمونہ تھیں۔ انھیں دیکھتے ہی ہمارے سواروں کے سردار یعنی دارا پسر گستاشپ نے اپنے ساتھی سے جو پرکرزاسپ کمبوجیہ کا سفیر تھا تعجب سے پوچھا "یہ عجیب ٹیلے کیا ہیں۔"

سفیر۔ یہ گزشتہ شاہانِ لیدیہ کے مقبرے ہیں[۱]۔ ان میں سب سے بڑا جو بائیں طرف ہے الیتیز پدر کری سس کا مقبرہ ہے اس عمارت کو شہر کے تاجروں پیشہ وروں اور خصوصاً رنڈیوں نے چندہ دے کر اپنے بادشاہ کے لئے بطور یادگار بنایا تھا۔ ان پانچ ستونوں پر جو اس کی چوٹی پر نصب ہیں بانیوں کے نام کندہ ہیں جن کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں نے اس کی تعمیر میں سب سے زیادہ حصہ لیا تھا۔ غالباً گیجیس کے دادا سے جنسِ اُناث کو خاص طور سے محبت و اُنس تھا۔

دارا۔ خوب! مگر پوتا تو اپنے دادا سے بالکل مختلف معلوم ہوتا ہے۔

سفیر۔ یہ عجیب بات ہے کیونکہ میں نے سُنا ہے کہ اوائل عمر میں کری سس بھی عورتوں کا بڑا شائق تھا۔ لیدیہ والے عام طور سے بڑے عیاش و یار باز ہوتے ہیں۔ آپ کو سامنے وہ دور سارڈیس کی نگر دیوی کا مندر لب دریا نظر آتا ہے۔ اس دیوی کو سبل یا ما کہتے ہیں۔ اسکے معبد کے اردگرد بہت سے باغات و درختوں کے کنج ہیں جہاں عموماً شام کے وقت نوجوان مرد و عورتیں اپنے عشق و عاشقی کے مزے لوٹنے جایا کرتے ہیں اور اُن کے خیال میں دیوی اس سے خوش ہوتی ہے۔

دارا۔ یہی حال بابل میں بھی دیوی مِلتا کے میلے کے زمانہ میں ہوتا ہے۔

سفیر۔ قبرص میں بھی یہی رواج ہے جب میں مصر سے واپس ہوتے وقت

[۱] ان عجیب مقبروں کے متعلق مورخ ہیرڈ کا بیان ہے کہ یہ غیر معمولی انسانی صناعی کا نمونہ تھے۔ انکے نشان ابھی تک شہر سارڈیس کے کھنڈروں کے قریب موجود ہیں۔ (امیم)

وہاں اترا تھا تو بہت سی خوبصورت لڑکیوں کا ایک غول میری پیشوائی کو آیا اور وہ سب گاتی بجاتی ہوئی مجھے اپنی دیوی کے کنج کی طرف لے گئیں جہاں مجبوراً مجھے کچھ انہیں اشرفیاں نذر دینا پڑیں۔ بعدہٗ ان میں سے سب سے زیادہ جو حسین دخوروش تھی وہ مجھے ایک خوشنما ارغوانی رنگ کے خیمہ کے اندر جو طرح طرح کے سازو سامان سے آراستہ اور خوشبوؤں سے معطر تھا لے گئی اور مجھے اپنے نازو نخرے و عشوہ گری سے دام میں لانے کی کوشش کرنے لگی۔

دارا۔ اگر یہ حال ہے تب تو دُودہ یا کی عین تمنا برآئی۔ میں سمجھتا ہوں کہ بجائے بردیہ کی تیمارداری کے وہ اپنا زیادہ تر وقت سبل کے کنج میں گذارتا ہوگا۔ بڑا زندہ دل و سچا دوست ہے۔ میں اُس سے ملنے کا بہت منتظر ہوں۔

سفیر۔ ہاں۔ اور خصوصاً آج کل کہ آپ اس قدر افسردہ خاطر رہتے ہیں ایک ہمراز و ہمدرد دوست کی سخت ضرورت ہے۔

دارا۔ تم سچ کہتے ہو۔ میں اپنی طبیعت سے مجبور ہوں مگر میری افسردگی کا ایک سبب ہے۔ کریٰ سس کا مقولہ مجھے یاد ہے کہ "افسردہ دلی و بدمذاقی دو باتوں سے پیدا ہوتی ہے۔ ایک تو بیکاری۔ دوسری طبیعت کی وہ کمزوری کہ انسان اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ سکے"۔ اس کے صحیح ہونے میں کلام نہیں لیکن دارا کو آج تک کسی نے کمزوری طبع و کاہلی کا الزام نہیں دیا ہے۔ اگر میں دنیا پر حکمرانی نہیں کرسکتا تو کم از کم اپنی طبیعت کو تو قابو میں رکھ سکتا ہوں۔

یہ کہہ کر نوجوان نے ایک جھرجھری لی اور آہ سرد بھر کے آسمان کی طرف دیکھا۔

سفیر۔ (دارا کی طرف بہت غور سے دیکھ کر) پسر گستاشپ! میرا دل بولتا ہے کہ تمہاری قسمت میں بڑی بڑی باتیں لکھی ہیں۔ کورش اعظم کا خواب بے معنی نہ تھا مجھے خوب یاد ہے کہ انھوں نے تمہارے والد سے ارشاد فرمایا تھا کہ اپنے لڑکے

کی خاص طور سے تربیت و خبر گیری کریں۔ تم اُس زمانہ میں بالکل بچہ تھے۔

دارا۔ مگر ابھی تک میرے شانے خالی ہیں اور پر تو نمودار ہوئے ہی نہیں۔

سفیر۔ وہ تمہارے شانوں سے نہیں بلکہ دماغ سے نکلیں گے۔ ذرا خبردار رہو۔ ایسی باتیں زبان سے نکالنا خطرناک ہے۔

دارا۔ جب پر نکل آئیں گے تو کسی کوئیں یا غارِ عمیق میں گرنے کا کیا ڈر ہو سکتا ہے؟

سفیر۔ ہاں مگر ممکن ہے کہ بازو جواب دے دیں۔

دارا۔ یہ ہرگز نہیں ہو سکتا۔ میرے بازوؤں میں کبھی کمزوری نہ آئے گی۔

سفیر۔ لیکن جو تم سے زیادہ طاقتور ہیں وہ ہی شاید تمہارے پروں کو توڑ کر بے بس ولاچار کر دیں۔

دارا۔ مجھے کوئی بے بس نہیں کر سکتا اور نہ میں کسی سے ڈرتا ہوں۔ میں صرف حق کا خواہاں ہوں۔ اور مجھے اپنے ستارہ[۵۱] پر پورا بھروسہ ہے۔

سفیر۔ اس ستارہ کا کیا نام ہے؟

دارا۔ وہ میری پیدائش کا طالع مسعود ہے اور اُس کا نام اناہیتا[۵۲] ہے

۵۱ قدیم ایرانی نجوم پر کامل اعتقاد رکھتے تھے۔ ان کے خیال کے مطابق ۱۲ برج اور سات سیارے ہمیشہ انسان کی زندگی پر اپنا اچھا یا برا اثر پہنچاتے رہتے ہیں۔ بغیر نجومی کی رائے کے کوئی اہم کام نہیں کیا جاتا تھا۔ بادشاہ کے دربار میں نجومیوں کی بڑی قدر تھی اور ہمیشہ انعام و اکرام سے مالا مال کئے جاتے تھے۔ ہر شخص کا ایک جنم پتر ابھی مرتب کیا جاتا تھا۔ کہانت۔ پیشین گوئی پر بھی یقین تھا۔ جادو، ٹونا بھی مانتے تھے مگر جادوگروں کو نفرت سے دیکھتے تھے۔ آج کل بھی یہی اعتقاد ایران میں موجود ہیں۔ (درالنفس وغیرہ)

۵۲ ستارہ وینس۔ ناہید یا زہرہ۔

سفیر۔ نہیں۔ میں اُسے تم سے زیادہ اچھی طرح جانتا ہوں۔ اس مبارک ستارہ کا نام علو العظمی ہے۔ جس کی روشنی میں تم ایسی بڑی بڑی باتوں کا خیال کر رہے ہو۔ ذرا ہوشیار رہنا۔ میں بھی کسی زمانہ میں اُسی راہ پر قدم رکھ چکا ہوں جو نیکنامی و گمنامی دونوں کی طرف لے جاتی ہے مگر اُس کے رہرو کو سچی خوشی بہت کم نصیب ہوتی ہے۔ صاحب حوصلہ و اولوالعزم آدمی کی مثال ایک ایسے شخص کی ہے جو اپنے پیاس بجھانے کے لئے نمکین پانی پی رہا ہے جس سے کبھی سیری نہیں ہوتی۔ اور شہرت و عظمت کی ہوا و ہوس ہمیشہ بڑھتی چلی جاتی ہے۔ میں ایک معمولی سپاہی سے سفیر شاہی کے معزز عہدہ پر پہنچا۔ تم کو بھلا اب کس بات کی خواہش و تمنا ہو سکتی ہے۔ سوائے اولاد کورش اور کون تم سے مرتبہ و عزت میں بڑا ہے۔ (سامنے نگاہ کر کے) اگر میری آنکھیں دھوکہ نہیں دیتیں تو چند سوار شہر سے نکل کر ہم سے ملنے آرہے ہیں۔ اور اُن کے آگے آگے جو دو شخص ہیں وہ شاید دُدہ یا اور گیجبیس ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس ہرکارہ نے جو بہت سویرے سرائے سے نکل کر چل دیا تھا ہماری آمد سے اُنھیں مطلع کر دیا ہے۔

دارا۔ ہاں وہی ہیں۔

سفیر۔ ذرا دیکھنا دُدہ یا تاڑ کے درخت کی ایک ٹہنی توڑ کر ہماری طرف کیسے زور زور سے ہلا رہا ہے۔

دارا۔ (خادموں سے) ذرا اس جھاڑی سے کچھ شاخیں توڑ کر جلدی لانا۔ ہم سبز تاڑ کا جواب سُرخ انار سے دیں گے۔

تھوڑی ہی دیر بعد دارا اور پرگز اسپ اپنے دوستوں سے گلے مل کر "خوش آمدید" کہنے لگے۔ اب یہ دونوں گروہ ساتھ ساتھ روانہ ہوئے اور جھیل کے قریب باغات سے ہوتے ہوئے ایک نہایت آباد و خوشنما شہر میں داخل ہوئے شام کا سہانا وقت تھا۔ ٹھنڈی ہوائیں چلنا شروع ہو گئی تھیں اور اکثر شہری سیر و تفریح کیلئے

باہر جارہے تھے کہیں لیدی سپاہی اپنی وردیاں و مرصع کار خود پہنے اور ایرانی جنگجو اپنے سروں پر قبہ نما ٹوپیاں رکھے زنانِ بازاری کے پیچھے پیچھے اکڑتے ہوئے جارہے تھے آخر الذکر کے چہروں پر رنگ و روغن لگا تھا اور سروں پر پھولوں کے گجرے و ہار بندھے ہوئے تھے۔ دوسری طرف کھلائیاں و انائیں چھوٹے بچوں کی انگلیاں پکڑے یا اُنھیں گود میں لئے جھیل کی طرف لئے جارہی تھیں۔ تاکہ مرغابیوں و بتوں کو دانہ کھلا کر اُنکے تیرنے کا تماشہ دکھائیں۔ کہیں کیلے کے درخت کے نیچے ایک اندھا جوگی اپنا بست تارہ ہاتھ میں لئے بڑے دردناک لہجہ سے ایک گیت گارہا تھا اور اُس کے چاروں طرف بہت سے لوگ کھڑے سُن رہے تھے۔ اور قریب ہی ایک کشادہ میدان میں بکثرت لڑکے و لڑکیاں نائن پن[۱] اور پانسے کھیل رہے تھے اور آپس میں ہنسی مذاق کرتے جاتے تھے۔ جب کوئی گیند کسی لڑکے کے لگتا یا اتفاق سے جھیل میں گر پڑتا تو ہر طرف سے چیخنے چلانے، ہنسی و قہقہے کی آوازیں بلند ہونے لگتیں۔ ایرانی نوواردوں نے اس پُر لطف سین کی زیادہ پرواہ نہ کی۔ وہ اپنے دوستوں سے باتیں کرنے میں مشغول تھے۔ اور بردیہ کی علالت کا حال پوچھ رہے تھے۔ ساردیس کا ایرانی گورنر یا ستَرپ[۲] جس کا نام ارو تزدیا۔ ارد) تھا۔ اپنے درباری لباس میں ایک

---

[۱] نائن پن (Ninepins).

[۲] (یونانی = سترپ۔ قدیم فارسی = خشترہ پاون۔ زبانِ حال = حاکم یا مرزبان)
صوبہ جات کے اندرونی انتظام میں مرکزی حکومت زیادہ دخیل نہ تھی۔ اس کے مختلف اقوام و مذاہب کے لئے انہیں کے قوانین و رسم و رواج کی اتباع کی جاتی تھی۔ ہر صوبہ میں تین حاکم مقرر تھے پہلا گورنر۔ والی یا سترپ۔ یہ عموماً خاندانِ شاہی یا امیر الامرا کے طبقہ سے ہوتا تھا۔ اس کا کام خراج و مالگذاری وصول کرنا۔ سڑکوں کی حفاظت اور زراعت وغیرہ کو ترقی دینا۔ عدل و انصاف کرنا اہم معاملات کی بادشاہ کو اطلاع کرنا۔ اور اُس کے نام سے سفارتیں روانہ کرتا تھا۔ زمانۂ جنگ میں

نہایت شاندار شخص معلوم ہوتا تھا اُس کی آنکھیں سیاہ اور چھوٹی چھوٹی جن پر گھنی و جڑواں بھویں سایہ افگن تھیں وہ اس وقت کری سس کے قدیم محل کے برنجی پھاٹک پر اپنے معزز مہمانوں کے استقبال کے لئے منتظر کھڑا تھا۔ ولایت لیدیہ اُس کی زیر حکومت تھی جو سلطنت میں سب سے زرخیز و متمول سمجھی جاتی تھی۔ اس کا دربار اپنی شان و شوکت میں کچھ کم نہ تھا۔ اور گو اُس کا حرم اتنا بڑا نہ تھا تاہم غلاموں۔ خواجہ سراؤں اور سپاہیان خاصہ کی ایک کثیر تعداد تھی۔ غرضکہ تمام خدم و حشم و دیگر عمائد شہر بھی اس وقت اس کے جلو میں حاضر تھے۔ اس گورنر کا محل بھی نہایت پُر تکلف و شاندار تھا۔ کری سس کے زمانہ میں وہ دنیا کے مشہور و معروف محلوں میں شمار کیا جاتا تھا۔ فتح سار دلیس کے بعد جب ایرانی لوٹ مار کر بادشاہ کا تمام خزانہ وغیرہ پارسا گرد لے گئے تو اس محل کی آرائش وغیرہ کو بہت نقصان پہنچا۔ اور شہر کی رونق بھی کم ہو گئی۔ مگر چند ہی سال بعد اہل لیدیہ اپنے پوشیدہ مال و دولت کو پھر خرچ کرنے لگے۔ اور کورش اعظم و کمبوجیہ کے عہد میں اس قدر امن و امان رہا کہ انکی

بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ) فوج کی بھرتی اور رسد وغیرہ بہم پہنچانا بھی اُسی کا فرض تھا۔ سترپ کو سزائے موت اور سکہ زنی کا بھی اختیار تھا۔ اُسکے ماتحت بہت سے عہدہ دار تھے اور وہ اپنی حرم۔ خواجہ سراؤں۔ اور غلاموں وغیرہ کے ساتھ بڑی شان و شوکت سے عالیشان محلات میں رہتا تھا۔ اس کے ذاتی اخراجات کیلئے عموماً ملک کی آمدنی کا ایک حصہ وقف کر دیا جاتا تھا۔ اس کا عہدہ بشرطیکہ شہنشاہ خوش رہے مدت العمر کے لئے تھا آغاز زمانہ میں موروثی نہ تھا مگر آیندہ چل کر اولاد کو بھی منتقل ہونے لگا۔ دوسرا حاکم اُس فوج شاہی کا جو ولایت میں مقیم تھی سپہ سالار تھا۔ تیسرے کو وزیر خارجیہ یا ایک قسم کا مددگار شاہی سمجھنا چاہیئے۔ یہ تینوں خود مختار تھے اور شہنشاہ سے براہ راست خط و کتابت کر سکتے تھے۔ جس کا یہ نتیجہ تھا کہ کوئی بغاوت نہ کر سکتا تھا۔ یہ انتظام خاصکر دارا کے زمانہ عہد میں ظہور میں آیا۔ (رالنس وغیرہ)

قدیم خوش حالی بہت کچھ واپس آگئی اور سارڈیس نہ صرف ایشیائے کوچک بلکہ دنیا کا سب سے زیادہ متمول شہر شمار ہونے لگا۔

دارا اور پرگزاسپ گو شاہی محلات و دربار کی شان و شوکت دیکھ چکے تھے مگر سارڈیس کے گورنر کا جب محل دیکھا تو انکی بھی عقل دنگ ہو گئی۔ سنگ مرمر کو وہ بہت بیش بہا خیال کرتے تھے۔ کیونکہ بابل، شوس اور اکباتان میں وہ نایاب تھا اور وہاں کے محل اینٹوں اور دیودار وغیرہ کی لکڑیوں سے بنائے گئے تھے مگر یہاں ہر فرش و در و دیوار پر اسی کا استعمال تھا۔ یا چکنے پتھروں کنکر و چونے کا خوشنما کام نظر آتا تھا۔ اس محل کے ایک بڑے ہال میں شاہزادہ بردیہ ایک پلنگ پر گدوں سے ٹیک لگائے لیٹا تھا۔ نوواردوں کو دیکھتے ہی اس نے ان کی طرف دونوں ہاتھ بڑھائے اور بڑی خوشی سے خوش آمدید کہا۔ تھوڑی دیر ملتے جلنے اور سترپ کے دستر خوان پر کھانے وغیرہ سے فارغ ہو کر سب دوست بردیہ کے کمرے میں گئے تاکہ بے تکلف گفتگو کر سکیں۔ سب سے پہلے دارا نے بردیہ سے پوچھا "یہ تو کہو کہ تم بیمار کیسے پڑ گئے؟"

بردیہ۔ بابل سے روانہ ہوتے وقت تمہیں معلوم ہی ہے کہ ہم سب کیسے صحیح و تندرست تھے۔ اور یہی حال جرما تک رہا جو ایک چھوٹا سا شہر دریا کے کنارے اثنائے راہ میں ملتا ہے۔ مگر یہاں پہنچتے ہی گرمی و دھوپ کی شدت بہت محسوس ہونے لگی۔ ہم سب گرد میں اٹے ہوئے سفر کی تکان سے چور گھوڑوں سے اترے۔ کپڑے اتارے اور دریا میں جو منزل کے قریب ہی تھا نہانے کے لئے فوراً کود پڑے۔ گیجیس نے بہت منع کیا لیکن ہمیں اپنی طاقت و جثہ پر ایسا گھمنڈ تھا کہ اس کے کہنے کی کچھ پرواہ نہ کی اور ٹھنڈے پانی میں بڑی دیر تک تیرتے رہے جب ہم سب نہائے اور گیجیس بھی اچھی طرح سستا لیا تو اس نے بھی کپڑے اتار کر

اطمینان سے نہانا شروع کیا۔ مگر وہ زیادہ دیر تک پانی میں نہ رہا۔ بعدہٗ ہم سب چل دیئے اور منزل بہ منزل گھوڑے بدلتے ہوئے رات بھر بڑی تیزی کے ساتھ سفر کرتے رہے جب الیپوس پہنچے تو مجھے سخت دردِ سر و اعضا شکنی محسوس ہوئی لیکن میں نے شرم کے مارے کسی سے حال بیان نہ کیا۔ آخر جب باجس پہنچے اور میں ایک نئے و تازہ دم گھوڑے پر سوار ہونے لگا تو معلوم ہوا کہ میری تمام طاقت یکا یک زائل ہو گئی ہے اور فوراً بیہوش ہو کر زمین پر گر پڑا۔

دُدہ یا۔ تمہارے بیہوش ہونے سے ہم بڑے گھبرا گئے۔ خوش قسمتی سے گیجبیس ساتھ تھے ورنہ میرے تو ہوش و حواس جاتے رہے۔ انکے اوسان بجا رہے اور تھوڑی دیر سرزنش و ملامت کرنے کے بعد اُنہوں نے ایک عقلمند جنرل کی طرح کام لیا۔ فوراً ایک طبیب کو بلایا مگر یہ شخص عجیب احمق تھا۔ اس نے بردیہ کو دیکھتے ہی کہا کہ اب انکے بچنے کی کوئی امید نہیں۔ اس پر مجھے ایسا غصہ آیا کہ میں نے حکیم کو پکڑ کر خوب ٹھونکا۔

ستر پ۔ (ہنس کر) ہاں مگر مجھے معلوم ہوا کہ تمہاری اس سزا کی اُس نے کچھ پروا نہ کی۔ بلکہ بہت خوش ہوا کیونکہ بعدہٗ تم نے اُس کی جسم کی ہر خراش و چوٹ کو گن کر ایک ایک اشرفی انعام دی۔

دُدہ یا۔ (منھ بنا کر) ہاں۔ میری لڑنے بھڑنے و مارکوٹ کی ایسی خراب عادت ہے کہ اس سے اکثر سخت مالی نقصان پہنچتا ہے۔ خیر تو اُس کے تھوڑی دیر بعد بردیہ نے آنکھیں کھول دیں۔ گیجبیس نے مجھ سے کہا کہ فوراً سار دیس جا کر کوئی اچھا حکیم اور ایک آرام دہ گاڑی لے آؤ۔ میں گھوڑے پر بیٹھتے ہی سرپٹ ہو گیا۔ اپنی شہسواری پر مجھے ناز ہے۔ اُس دن میں نے اس کا حق ادا کر دیا۔ یعنی شہر پہنچے کو ابھی چند میل باقی تھے کہ میرا تیسرا گھوڑا بے دم ہو کر زمین پر بیٹھ گیا۔ میں پا پیادہ دوڑتا ہوا

شہر پناہ کے پھاٹک پر آیا۔ لوگ مجھے دیوانہ سمجھے ہونگے۔ یہاں پہلا سوار جو مجھے نظر آیا وہ سلیلینی کا ایک تاجر تھا۔ میں زبردستی اس کا گھوڑا چھین کر خود سوار ہو گیا اور صبح ہوتے ہوتے سارڈیس کے ایک مشہور حکیم کو ایک عمدہ گاڑی میں ساتھ لئے ہوئے مریض کے پاس آپہنچا اور اُسی گاڑی میں لٹا کر بہت آرام سے آہستہ آہستہ یہاں لایا اب انھیں دس روز تک بخار چڑھا رہا اور ہذیان کا ایسا سخت دورہ ہوا کہ بیان سے باہر ہے۔ یہ حالت دیکھ کر مجھے اس قدر وحشت و پریشانی ہوئی کہ اب بھی خیال آجاتا ہے تو پسینہ پسینہ ہو جاتا ہوں۔

بردیہ نے اپنے دوست کا ہاتھ بڑی محبت سے پکڑ کر دارا سے کہا۔ "انھوں نے اور گیجبیس نے میری جان بچالی۔ یہ دونوں ایک لحظہ بھر بھی میرے پاس سے جدا نہیں ہوئے۔ اور میری ایسی خدمت کی ہے کہ شاید کوئی ماں بھی اپنے بیمار بچے کی نہ کرتی۔ میں اروترہ کا بھی بہت ممنون ہوں کہ میری وجہ سے اُنہیں بڑی زحمت گوارا کرنی پڑی۔

دارا۔ یہ کس طرح؟

بردیہ۔ پولی کراتیس جس کا نام ہم اکثر مصر میں سُنتے تھے اُس کے دربار میں ایک مشہور و معروف یونانی طبیب ہے۔ جب میں یہاں آکر بیمار پڑا تو اروترہ نے اس حکیم کو جسے ڈمی موسیدیس کہتے ہیں۔ ایک خط لکھا اور سارڈیس آنے کیلئے کثیر زر و جواہر کی لالچ دی۔ اتفاق سے ساموس کے دریائی قزاقوں نے جنکے دستبرد سے یہاں کا کوئی ساحل محفوظ نہیں ہے اس قاصد کو پکڑ لیا اور ہمارے ستّرپ کا خط پولی کراتیس کو جا کر دے دیا۔ اُس نے پڑھ کر یہ جواب دیا کہ ڈمی موسیدیس میرا نوکر ہے اگر ایرانی حاکم کو اس کی ضرورت ہے تو مجھ سے درخواست کرے۔ ہمارے معزز دوست نے میری وجہ سے یہ بھی گوارا کیا اور اُسے نہایت

عاجزی کے ساتھ حکیم کو یہاں بھیجنے کے لئے لکھا۔

پرگزاسپ۔ پھر اس کا پولی کراتیس نے کیا جواب دیا۔

بردیہ۔ وہ ایک سخت مغرور شخص ہے جب اُسکی ضد پوری ہو گئی تو اُس نے حکیم کو بھیج دیا جس کے علاج سے تم دیکھتے ہو کہ کتنی جلدی میں تندرست ہو گیا۔ ابھی چند روز ہوئے کہ حکیم بہت سے بیش بہا تحائف اور انعام لیکر یہاں سے مالامال اپنے مالک کے پاس چلا آیا ہے۔

زریہ دس۔ مجھے خوب معلوم ہے کہ کیوں پولی کراتیس اس حکیم کو کبھی اپنے پاس سے جدا نہیں ہونے دیتا۔ دارا! یقین مانو کہ اس کا ثانی آج کل دنیا میں کوئی نہیں ہے وہ منوچہر[۱] کی طرح حسین و جمیل پیران[۲] ویسہ کی طرح دانا و ہوشیار۔ رستم[۳] کی مانند بہادر و قوی اور مقدس

۱؎ یہ عہد پیشدادیان کا ایک مشہور (روایتی) بادشاہ گذرا ہے۔ یہ فریدوں کا پوتا تھا جس کے باپ ایرج کو اُس کے دو بھائیوں سلم و تور نے مار ڈالا۔ منوچہر جب جوان ہوا تو اُس نے ان سے بدلہ لیا۔ اسی کا وزیر سام رستم کا دادا حاکم سیستان تھا۔ منوچہر کے زمانہ میں ایران و توران کی جنگ شروع ہو گئی اور افراسیاب نے اُسے مار کر ۱۲ برس تک ایران پر حکومت کی۔ (شاہنامہ)

۲؎ پیران ویسہ۔ یہ افراسیاب کا وزیر اپنی عقل و دانش میں مشہور تھا۔ اس نے سیاوش کے قتل سے بادشاہ کو بہت منع کیا۔ اپنے ملک کی نہایت وفاداری کے ساتھ خدمت کی۔ بالآخر مارا گیا۔

۳؎ رستم۔ ایران کے اس مشہور و معروف ہیرو سے کون واقف نہیں ہے۔ اسکے حالات زیادہ تر روایتی ہیں اور تاریخ و کتبات میں کہیں پتہ نہیں لگتا۔ مشہور ہے کہ اس کا باپ زال تھا جس کی پرورش سیمرغ نے کی تھی۔ اس کی ماں رودابہ دختر مہراب شاہ کابل تھی۔ یہ سب سے پہلے کیقباد کو جو اولادِ منوچہر سے تھا اور افراسیاب کی فتح کے بعد کوہ البرز میں گوشہ نشین تھا نکال کر لایا۔ اور تورانیوں کو شکست دیکر اُسے تخت ایران پر بٹھایا تھا۔ بعدہٗ جب دوسرے کیانی تاجدار یعنی کیکاؤس نے مازندران پر فوج کشی کی۔ دیو سفید سے شکست کھائی تو رستم ہی نے ہفت خوان سر کرنے کے بعد اُسے دشمن کی قید سے نجات دلائی۔ اس نے اپنے بیٹے سہراب کو دھوکہ میں مار ڈالا جو شاہنامہ کا

سوما[۵] کی طرح مددگار و عقدہ کشا ہے۔ تم اُسے بڑے بھاری لوہے کے حلقے پھینکتے ہوئے ذرا دیکھو تو حیران ہو جاؤ۔ میں بھی طاقت میں کچھ کم نہیں ہوں لیکن جب مجھ سے اور اُس سے ایک دن کشتی ہوئی تو چند منٹ میں مجھے زمین پر اُس نے چت کر دیا۔ علاوہ بریں وہ ایسا پُر مذاق و زندہ دل ہے۔ اور ایسے عمدہ قصّے و کہانیاں جانتا ہے جن کے سُننے سے کبھی سیری نہیں ہو سکتی۔

دارا۔ ہمارے ایران میں بھی آج کل ایسا ہی ایک یونانی موجود ہے۔ **فینس** کو تم بھول گئے جس نے ہمیں موت کے مُنہ سے بچایا تھا۔

دُدہ یا۔ دی موسیدس۔ کروتن کا باشندہ ہے جو شاید سمت مغرب کوئی مشہور شہر ہے۔

بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ) ایک نہایت غمناک واقعہ ہے۔ اس زمانہ میں تورانی پھر حملہ آور ہوئے اور کیخسرو (تیسرا کیانی تاجدار) نے اسی ہیرو کی مدد سے افراسیاب کو مغلوب کر کے اُسے قتل کیا۔ بعد ازاں گستاشپ کے عہد میں توران سے پھر جنگ چھڑ گئی ایرانیوں کو ہزیمت ہوئی۔ سہراسپ و زردشت مارے گئے۔ اسفندیار اپنے باپ گستاشپ کی مدد کو آیا اور غنیم کو شکست دیکر تاج و تخت کا طلبگار ہوا۔ مگر بادشاہ نے اُسے دھوکہ دیکر رستم کو پکڑنے کیلئے بھیجا۔ ایک سخت لڑائی ہوئی جس میں اسفندیار مارا گیا۔ بعدہٗ چند سال بعد رستم بھی اپنے بھائی کی دغا ہی سے ایک غار میں گر کر مر گیا۔ ان روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ رستم سوائے بہمن کے اور تمام شاہان کیانی کے زمانہ تک زندہ رہا۔ (شاہنامہ)

۵؎ "ہوما" در رگ وید ا "سوما" اشتقاق ایں اسم از ہُو یا سو بمعنی شیرہ فشردہ می شود۔ سبزہ ایست کہ در کوہ پیدا می شود۔ و از آں قوم آریا و ہند شراب درست میکردند۔ در رگ وید ا می نویسد کہ اورا سیمرغ یا عقاب از آسمان بر زمین فرود می آورد۔ ایرانیاں باستان اورا شاہ نبات گفتہ اند۔ بقول آنہا غذائے است کہ صحت و عمر طولانی می دہد و بیماری را رفع می کند و از میان آب می روید

(مرزا عباس ایران نامہ)

اروتز - اور جہاں اتھنز کی طرح سب یونانی بستے ہیں۔ میرے نوجوان دوستو! ان لوگوں سے بہت ہوشیار رہنا۔ یہ بڑے فتنہ پرداز۔ جھوٹے و دغاباز ہوتے ہیں اور ساتھ ہی علم و ہنر حسن و جمال۔ دلیری و قوت میں بھی اپنا کوئی ثانی نہیں رکھتے۔

ددہ یا۔ ڈھی موسیدس نہایت شریف النفس آدمی ہے۔ اور صداقت و راستگوئی کا شیدا ہے۔

دارا۔ فینیس کو بھی تو کری سس ایسا ہی کہتے ہیں۔

بردیہ - اور سافو بھی ہمیشہ فینیس کی تعریفیں کرتی تھی۔ خیر اب یونانیوں کا ذکر جانے دو۔ کیونکہ اروتز کو ان سے سخت نفرت ہے۔ وہ ہمیشہ اُنکے باغیانہ حرکات سے نالاں رہتے ہیں۔

اروتز - سچ کہتا ہوں ایک یونانی شہر کا قابو میں رکھنا۔ دجلہ و فرات کے مابین تمام شہروں پر حکومت کرنے سے زیادہ دشوار و مشکل ہے۔

اثنائے گفتگو میں دُدہ یا کھڑکی کے قریب چلا گیا تھا وہاں سے اس نے ستریپ کی بات کاٹ کر یہ کہا "ستارے آسمان پر اب بہت اونچے ہو گئے ہیں۔ بردیہ کے آرام کا وقت آرہا ہے۔ دارا! اب جلدی کرو اور گھر کی خبریں ہمیں سناؤ" دارا نے گردن کے اشارہ سے ہاں کہا اور اُن واقعات کا جن سے ہم واقف ہو چکے ہیں ذکر کرنے لگا۔ نتتیس کی وفات کا حال سُنکر بردیہ کو بہت رنج ہوا۔ اور اماسس کی دھوکہ بازی و دروغ گوئی سے سب حیرت و افسوس کرنے لگے۔

دارا۔ دختر فرعون کے حسب و نسب کا اصلی حال معلوم ہوتے ہی کمبوجیہ بالکل بدل گیا۔ اُس نے تمام اُمرا کو مجلس شوریٰ کے لئے بُلایا۔ اور دعوت کے وقت ماتمی کپڑے اُتار لباس شاہانہ پہن کر بیٹھا۔ تم خیال کر سکتے ہو کہ کس جوش و خوشی کے ساتھ سب نے مصر پر فوج کشی کی رائے و تجویز پسند کی۔ کری سس جو اماسس کے

خیر خواہ تھے اور ہمیشہ امن وامان کی صلاح دیا کرتے تھے اُن تک کی زبان سے اس جنگ کے خلاف کوئی کلمہ نہ نکلا۔ دوسرے دن حسب معمول جن باتوں پر حالتِ مے نوشی میں بحث ہو رہی تھی اُن پر سنجیدگی کے ساتھ غور و فکر کی گئی۔ متعدد تجاویز و رایوں کے بعد فینس نے تقریر کی اجازت مانگی اور ایک گھنٹہ تک ہم سب کو خطاب کیا۔ اس شخص نے اتنی جلدی ہماری زبان پر قدرت و کمال حاصل کر لیا کہ مجھے سخت حیرت ہوتی ہے اس کی زبان میں عجب فصاحت و شیرینی تھی۔ منہ سے الفاظ موتیوں کی طرح جھڑ رہے تھے۔ کبھی رُلا دیتا تھا کبھی ہنسا دیتا تھا اور کبھی مارے غیظ و غضب کے سب اپنے آپے سے باہر ہو جاتے تھے۔ اس کا طرزِ کلام ایک رقاصہ عورت کی اداؤں سے کچھ کم دلکش نہ تھا۔ ساتھ ہی اس میں مردانہ پن۔ خودداری اور شان بھی پائی جاتی تھی۔ میں اُس کے الفاظ دُہرا نہیں سکتا۔ کیونکہ اپنی زبان سے جو کچھ کہونگا وہ ایسا ہی ہوگا جیسے بادل کی گرج کے سامنے پھٹے ہوئے ڈھولوں کی آواز سنائی دیتی ہے۔ غرضکہ جب بکمال جوش و خروش ہم سب نے جنگ کا فیصلہ کر دیا تو فینس نے پھر ایک تقریر کی اور ہمیں بتایا کہ کن تدابیر سے فتح نہایت آسانی سے حاصل ہو سکتی ہے۔ ابھی اسی قدر کہنے پایا تھا کہ دارا کو مجبوراً خاموش ہونا پڑا کیونکہ وُدہ یا مارے خوشی کے اُچھلتا کودتا اس کے گلے لپٹ گیا۔ اور چلّا چلّا کر اپنی مسرت کا اظہار کرنے لگا۔ بردیہ کیمبیس اور اردتز بھی کچھ کم خوش نہ تھے سب نے دارا سے مزید حالات بیان کرنیکی درخواست کی۔

دارا۔ ماہ فروردین[۱] میں ہماری فوج مصر کی سرحد پر پہنچ جانی چاہئے کیونکہ امرداد[۲] میں دریائے نیل کی طغیانی شروع ہو جانے سے اس کی نقل و حرکت مشکل ہو جائے گی۔ فینس آج کل اہل عرب سے اتحاد قائم کرنے اُنکے ملک گیا ہے۔ تاکہ ریگستان میں وہ ہماری رہنمائی کریں اور پانی بھی ہماری افواج کے لئے بہم پہنچاتے رہیں وہاں سے

۱ - مارچ - ۲ - اپریل

اس کا ارادہ قبرس جانے کا ہے۔ یہ جزیرہ مصریوں نے اسی کی مدد سے فتح کیا تھا اور اُسی کے کہنے سے وہاں کا حاکم پھر بحال کیا گیا تھا اس لئے وہ اس کا بہت احسانمند ہے اور اس کی صلاح پر ضرور عمل کریگا۔ یونانی نے ان باتوں کا بندوبست اور انتظام اپنے ہی ہاتھ میں لے لیا ہے اور تمام عالم کے مختلف حالات سے ایسا واقف معلوم ہوتا ہے کہ گویا سب اُسی کی ملکیت سے ہیں۔ اُسکے پاس دنیا کے کل ممالک کا ایک نقشہ بھی تانبے کے پتر پر موجود ہے جسے ایک دن ہمیں دکھاتا تھا۔

اروتز۔ میرے پاس بھی ایک ایسا ہی مرقع ہے جسے ہکاتیوس[۵۱] باشندۂ ملیسیا نے جو ایک مشہور سیاح ہے اپنے پروانہ راہداری کے عوض میری نذر کیا تھا۔

زپروس۔ یہ یونانی بھی عجیب و غریب چیزیں ایجاد کرتے ہیں۔

اروتز۔ کل تمہیں دکھاؤں گا۔ تانبے کے ایک بڑے سے پتر پر کندہ ہے۔ اس وقت دارا کی باتوں میں مخل نہ ہونا چاہئے

دارا۔ فینیس تو ملک عرب چلا گیا۔ اور پرگزاسپ تمہیں بادشاہ کا یہ حکم سنانے روانہ کئے گئے کہ بہت جلد فوج ایونیان اور اہل کاریہ کی بھرتی شروع کردو۔ اور پولی کراتیس کو بھی ہمارا حلیف بنانے کی کوشش کرو۔

سترپ۔ (جبیں بہ جبیں ہوکر) ایک ڈاکو و قزاق سے امداد و اتحاد کے کیا معنی؟

پرگزسپ۔ اس کے پاس بہت سے عمدہ جہازات ہیں جن کی ہمیں ضرورت ہوگی۔ فینیس سے اُس نے وعدہ بھی کرلیا ہے۔

---

۵۱ ہکاتیوس نے انکسی مندر کے نقشہ کی اصلاح کی اور دنیا کی ایک تاریخ لکھی جو قدیم زمانہ میں بہت مشہور تھی۔ افسوس ہے کہ سوائے چند اوراق کے اب یہ کتاب بالکل مفقود ہوگئی۔ یہ شخص ۵۵۰ ق م میں پیدا ہوا تھا۔

سب سے قدیم نقشہ مصری سونے کی کانوں کا ہے جو آجکل تیورن کے عجائب خانہ میں موجود ہے (پروفیسر ایبر)

اروتزہ ۔ میرے خیال میں تو فنیقی ۔ شامی اور یونانیان جہازات مصری بیڑے کو تباہ کرنیکے لئے بالکل کافی ہونگے ۔

پرکرزسپ ۔ یہ ٹھیک ہے ۔ لیکن اگر پولی کراتیس ہمارے خلاف ہوگیا تو سمندر پر قبضہ رکھنا بہت مشکل ہوجائے گا ۔ تم نے ابھی خود کہا تھا کہ بحر اجین[۱] پر آج کل اُسی کی حکومت ہے ۔

ستریپ ۔ تاہم مجھے یہ پسند نہیں کہ ایک ڈاکو کو اپنا حلیف بناؤں ۔

پرکرزاسپ ۔ مجبوری ہے ۔ ہمیں آج کل زبردست مددگاروں کی سخت ضرورت ہے اور اس میں کلام نہیں کہ پولی کراتیس کا بیڑا بڑا طاقتور ہے ۔ جب اس کی مدد سے مصر فتح ہوجائے گا تو پھر اُس کا غرور توڑنے کا وقت آئیگا اور اُس کی بھی خبر لی جائے گی ۔ فی الحال تم اپنے غصہ کو ضبط کرو ۔ اور صرف ہماری مہم عظیم کی کامیابی کا خیال دل میں رکھو ۔ میرے یہ الفاظ بادشاہ کی طرف سے ہیں ۔ یہ اُسی کا فرمان والا شان ہے جس کے ثبوت کے لئے تمہیں یہ انگشتری دکھاتا ہوں ۔

اروتزہ ۔ مہر شاہی[۲] کو دیکھتے ہی سروقد کھڑا ہوگیا اور نہایت ادب سے سر جھکا کر کہنے لگا شہنشاہ کا میرے متعلق کیا ارشاد ہے ۔

---

[۱] بحر قلزم ۔

[۲] ۔ مہریں قدیم زمانہ کی صناعی کی ایک خاص مثال ہیں وہ عموماً بیش بہا پتھروں و جواہرات سے بنائی جاتی تھیں اور اکثر بادشاہ کا نام یا شبیہ اُن پر کندہ ہوتی تھی ۔ زمانہ موجودہ میں بعض قدیم ایرانی مہریں دستیاب ہوئی ہیں ۔ جو نہایت خوشنما و عجیب ہیں ۔ مثلاً دارائے دوم کی ایک انگشتری ہے جس پر تاڑ کے دو درخت ادھر اُدھر ہیں اور ان کے درمیان ایک رتھ پر بادشاہ مع اپنے رتھ بان کے نظر آتا ہے وہ ایک شیر کو تیر مار رہا ہے جو زخمی ہوکر پچھلے پنجوں پر کھڑا ہوکر حملہ کرنا چاہتا ہے ۔ شیر کے جسم پر جو نیچے پڑا ہے رتھ کے پہئے عنقریب گذرنے والے ہیں اور مقدس شبیہ اوپر اُڑ رہی ہے ۔ اور

سفیر۔ اس کا حکم ہے کہ حتی المقدور حاکم ساموس سے اتحاد قایم کرنے کی کوشش کرو۔ اور اپنی فوج جمع کر کے جہاں تک جلد ہو سکے افواجِ شاہی سے بابل کے میدان میں آکر مل جاؤ۔

ستر پ زبان سے تو کچھ نہ کہہ سکا مگر دل میں بہت جھنجلاتا ہوا غصہ میں بھرا کمرے کے باہر چلا گیا۔ جب وہ دور نکل گیا تو دُوہ یا نے آہستہ سے کہا "یہ غریب قابلِ رحم ہے۔ بھلا کس طرح اب ایسے مغرور شخص کی خوشامد کرے جو اس سے نہایت گستاخانہ پیش آیا تھا۔ حکیم کا واقعہ ابھی اس کے دل سے بھولا نہیں ہے۔"

دارا۔ تم بڑے نیک دل ہو۔ مجھے تو ارو تز کا برتاؤ پسند نہیں آیا۔ شہنشاہ کا فرمان سُنکر اُسے ہرگز ایسا برافروختہ نہ ہونا چاہئے تھا۔ تم نے شاید دیکھا نہیں کہ جب ہرگز اسپ نے اُسے مُہرِ شاہی دکھائی تو کس غصہ سے اُس نے اپنے ہونٹ چبا کر مُنہ پھیر لیا۔

سفیر۔ اس شخص کے اطوار باغیانہ معلوم ہوتے ہیں۔ شہنشاہ کو اس کی اطلاع دینا چاہئے۔
بردیہ۔ کہیں ایسا غضب نہ کیجئے گا۔ بھائی جان کو اس کی خبر نہ ہونے پائے ورنہ اس غریب کی جان کی خیر نہیں ہے۔ میں اُس کا بہت ممنون احسان ہوں کیونکہ اُسکی وجہ سے میں نے دوبارہ زندگی پائی ہے۔

(بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ) داہنی جانب تین زبانوں میں لکھا ہے "میں دارا ہوں شہنشاہِ اعظم"۔ دوسری مہر جو پٹرو گراڈ کے عجائب گھر میں ہے ایک طلائی خول کے اندر ہے۔ بائیں طرف تاڑ کا درخت ہے۔ سامنے بادشاہ کاندھے پر کمان ڈالے اپنے ہاتھ سے ایک دشمن کو جو گھٹنوں کے بل بیٹھا ہوا رحم کا خواستگار ہے نیزہ مارنے والا ہے۔ اُسکے پیچھے چار شخص جن کی مشکیں بندھی ہوئی اور گردنوں میں ایک رسی پڑی ہوئی ہے کھڑے نظر آتے ہیں۔ بادشاہ کا لباس جنگی ہے۔ سر پر بجائے تاج کے سپاہیوں کی ٹوپی ہے۔ یہ غالباً دارائے اعظم ہے اور اس کا مغلوب قیدی شاید بابل کا سرکش فرماں روا ہے۔

(رالنس وغیرہ)

پر کرز اسپ سر جھکا کر خاموش ہو گیا مگر دارا نے جواب دیا۔ "بہر حال ہمیں اُسکی طرف سے اب ہوشیار رہنا چاہیے۔ خاص کر ایسے ملک میں جو دار الخلافت سے اتنی دور ہے۔ ہمیں ایک ایسے والی کی ضرورت ہے جو شہنشاہ کا حکم بے چون وچرا بجالائے اور ارووتز کی طرح اپنے آپ کو لیدیہ کا خود مختار حاکم نہ سمجھے۔"

دُوہ یا۔ تم اُس غریب سے ایسی جلدی ناراض کیوں ہو گئے؟

دارا۔ بعض لوگوں سے ملتے ہی فوراً میرے دل کو معلوم ہو جاتا ہے اور ان کی طرف سے اُنس یا سوء ظن پیدا ہو جاتا ہے۔ ارووتز کے منہ سے ابھی ایک لفظ بھی نہ نکلا تھا کہ اس کی صورت دیکھتے ہی مجھے نفرت ہو گئی۔ یہی کیفیت ساٹتیک کو دیکھ کر ہوئی تھی مگر بخلاف اس کے اماسس اسکے باپ سے مل کر میں بہت خوش ہوا تھا۔

دوہ یا۔ (ہنس کر) ہم نہ ایسے روشن ضمیر ہیں اور نہ آپ کی طرح مردم شناسی کا یہ مادہ ہے اچھا اب غریب ارووتز کو جانے دیجئے۔ اچھا ہوا وہ چلا گیا۔ اب گھر کا کچھ حال سنائیے ملکہ کاسندانہ اور آپ کی محبوبہ اتوسا کا کیا حال ہے۔ کری سس کیسے ہیں میری بیویاں تو اچھی ہیں۔ اُن کے دل بہلانے کے لئے میں نے ایک اور ڈھونڈھ نکالی ہے۔ شاید آپ کو معلوم نہ ہو گا کہ ارووتز کی مہ جبین دختر سے کل میرا عقد ہونیوالا ہے۔ ابھی تھوڑے ہی دن ہوئے کہ آنکھوں ہی آنکھوں میں ہم دونوں کے دل ملگئے کچھ کہنے سُننے کی بھی نوبت نہ آئی۔ مگر اشاروں ہی سے مزے مزے کی باتیں ہو گئیں اور سب معاملہ طے ہو گیا۔" دوست یہ سُنکر ہنسنے لگے۔

دارا۔ اب میں ایک خبر سُناتا ہوں جسے میں نے سب سے آخر کہنے کے لئے رکھ چھوڑا تھا۔ کیونکہ اس سے بڑھ کر کوئی خوشی کی بات نہیں ہو سکتی۔ بردیہ ! کان لگا کر سُنو۔ تمہاری والدہ مکرمہ ملکہ کاسندانہ کی آنکھوں میں بینائی آگئی۔ ہاں۔ ہاں۔ سچ کہتا ہوں اس میں سرمو فرق نہیں۔ کس کے علاج سے فائدہ ہوا؟ اجی وہی

رونی صورت مُردہ دل مصری کا حال جس کا غرور وخشک مزاجی آج کل اور زیادہ بڑھ گئی ہے بس اب سوالوں کی بوچھار نہ کرو۔ ورنہ باتیں کرتے کرتے صبح ہوجائے گی۔ اور تمہیں سونا نصیب نہ ہوگا۔ ہم سب کو اب یہاں سے چل دینا چاہیے۔ کیونکہ سب سے اچھی خبر تو میں نے کہہ دی۔ جسے سُنکر تمہیں اچھے اچھے خواب نظر آئیں گے۔ نہ جانے دو گی؟ اچھا تو متھرا کی قسم میں بھی بک بک کئے جاؤنگا۔ گو چند باتیں ایسی ہیں جن کا ذکر کرنے سے مجھے افسوس آتا ہے۔ پہلے بادشاہ سے شروع کرتا ہوں۔ جب تک فنیس بابل میں موجود رہا دختر فرعون کا غم اُس کے دل سے نِکلا ہر جاتا رہا تھا۔ یونانی کو ایک لحظہ بھی جدا ہونے کی اجازت نہ تھی اُسے نئی نئی باتیں سوجھتی تھیں اور نہ صرف کمبوجیہ بلکہ ہم سب اُس کی صحبت سے لطف اُٹھاتے تھے۔ ہر شخص اُس سے الفت کرتا تھا۔ جس کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ کسی کو اُس سے رشک وحسد نہ تھا۔ ہر صبح وہ بادشاہ وسب درباری نوجوان امیرزادوں کی ورزشوں کا تماشہ دیکھتے تھے۔ لڑکے اپنی تیر کمان لئے ہوئے گھوڑوں پر سوار دوڑاتے ہوئے بالو یا ریت کے ٹیلوں کے قریب سے گذرتے تھے اور ان مٹکیوں پر جو اُن پر رکھی تھیں نشانہ مارتے تھے۔ پھر لکڑی کی گیندیاں ایک دوسرے کی طرف پھینکتے تھے اور بڑی ہوشیاری سے اپنے آپ کو بچاتے تھے۔ فنیس کو ماننا پڑا کہ اس قسم کے کھیل اُسے نہیں آتے لیکن نیزہ بازی یا کشتی لڑنے میں وہ ہم سب سے مقابلہ کرنے کے لئے تیار تھا۔ نہایت پھرتی کے ساتھ گھوڑے سے کود کر نیچے آتا۔ اپنے کپڑے اُتار دیتا اور لڑکوں کے اُستاد پہلوان کو پھول کی طرح اُٹھا کر پھینک دیتا۔ پھر دوسرے لوگوں کو جنھیں اپنے زور بازو پر ناز تھا اُس نے اچھی طرح نیچا دکھایا اور اگر تھک نہ گیا ہوتا تو شاید مجھے بھی ہرا دیتا۔ میں اُس سے طاقت میں کم نہیں ہوں بلکہ اُس سے زیادہ بھاری بوجھ اُٹھا سکتا ہوں۔ مگر وہ غضب کا پھرتیلا ہے اور ایسے داؤں پیچ کرتا ہے کہ آدمی حیران رہ جاتا ہے اُسے اپنے

برہنہ جسم سے بڑی مدد ملتی ہے۔ ہمیں تو شرم آتی ہے ورنہ اُسی کی طرح ننگے ہوکر اپنے بدن پر زیتون کا تیل مل کر کشتی لڑتے۔ اُس نے نیزہ بازی میں ہم سب کو ہرا دیا۔ مگر بادشاہ سے جو اپنے کو تمام دنیا میں سب سے بڑھ کر نشانہ باز سمجھتا ہے تیر اندازی میں سبقت نہ لے جا سکا۔ فینس کو ہمارے ملک کا یہ قاعدہ بہت پسند آیا کہ کشتی کے بعد ہارنے والا جیتنے والے کے ہاتھوں کا بوسہ لیتا ہے۔ پھر اُس نے ایک نئی ورزش ہمیں دکھائی جسے مُکّہ بازی کہتے ہیں وہ کسی آزاد شخص پر اُسے آزمانا نہیں چاہتا تھا۔ اسلئے بادشاہ نے میرے سائیس غلام لسبوس کو بلایا جو ہمارے یہاں کے تمام خادموں سے زیادہ تنومند و طاقتور ہے اور اُس کی قوت کا یہ حال ہے کہ گھوڑے کے پچھلے پیر اپنے دونوں ہاتھوں سے پکڑ لیتا ہے تو وہ ٹس سے مس نہیں کر سکتا۔ اس دیوزاد غلام نے جو قد میں فینس سے پورے ایک بالشت بھر اونچا ہوگا یونانی کا جثہ و قد و قامت دیکھا تو ہنسنے لگا اور اُس پر ترس کھا کر اپنے شانے ہلانے لگا۔ غرضکہ پہلے اُسی نے یونانی کو اس زور سے ایک گھونسا رسید کیا کہ اگر کسی ہاتھی کے لگتا تو فوراً بیٹھ جاتا فینس نے بڑی پھرتی و چالاکی کے ساتھ اُسے رد کیا اور ایک ایسا مُکّہ مارا جو اُس کی دونوں آنکھوں کے درمیان پیشانی پر لگا۔ اور وہ تیورا کر چیخ مار کر زمین پر گر پڑا۔ جب یونانی نے اُسے اٹھایا تو اُس کی ناک و مُنہ سے خون کی ایک دھار جاری تھی اور اُس کا چہرہ چقندر کی طرح سُرخ و تربوز کی طرح پھول کے کُپّا ہو گیا تھا۔ لڑکوں نے یہ تماشا دیکھا تو خوشی کے مارے چلّانے و اُچھلنے لگے۔ ہم نے بھی یونانی کی ہنرمندی کی داد دی اور بادشاہ کے ساتھ مل کر سب اُس سے ہنسی مذاق کرنے لگے۔ وہ اپنا باجہ (لیوت) ہاتھ میں لیکر بجانے لگا اور یونانی گیت گا کر ہم سب کے سامنے ناچنے و تھرکنے لگا۔

اسی اثنا میں نینچاری مصری کحال کے عمل جراحی سے ملکہ کا سندانہ کی آنکھیں اچھی ہو گئیں۔ ان میں بینائی آ گئی۔ اور بادشاہ کی افسردہ دلی اور بھی کم ہو گئی

غرضکہ تمام باتیں میرے موافق تھیں اور میرے والد توسا سے میری شادی کا پیغام دینے ہی والے تھے کہ اتنے میں فینیس عرب چلا گیا اور سب کا یا پلٹ ہو گیا۔ یونانی کے رخصت ہوتے ہی یہ معلوم ہوا گویا سینکڑوں دیو خبیث بادشاہ کے لپٹ گئے وہ پھر خاموش و مغموم رہنے لگا۔ لوگوں سے بولنا چالنا ترک کر دیا اور سویرے تڑکے بڑے بڑے جام شراب کے چڑھانے لگا تاکہ یوں غم غلط ہو جائے۔ شام کے وقت بھی وہ نشہ میں ایسا مدہوش ہوتا تھا کہ لوگ دربار سے اٹھا کر لے جاتے تھے۔ صبح کے وقت جب سو کر اُٹھتا تو دردِ سر و تشنج کے مارے بیتاب ہوتا تھا۔ تمام دن وہ کسی گم شدہ شے کی جستجو میں اِدھر اُدھر گھومتا پھرتا اور رات کو اکثر اُس کی زبان پر تمتیس کا نام ورد رہتا تھا حکیم و طبیب یہ حالت دیکھ کر بہت پریشان ہوئے۔ اُنکی دوائیں وغیرہ بے سود تھیں کیونکہ وہ اُنھیں پیتا ہی نہ تھا اور پھینک دیا کرتا تھا۔

ایک دن کری سس نے ان طبیبوں سے مخاطب ہو کر کیا خوب کہا کہ اے قلدانیو! و مجوسیو! علاج معالجہ کرنے و دوائیاں دینے سے پہلے ذرہ تم بیماری کی تشخیص تو کر لو تمہیں اس کا سبب بھی معلوم ہے؟ اگر نہ ہو تو مجھ سے پوچھ لو۔ میں بتاتا ہوں۔ بادشاہ کو دو باتوں کی شکایت ہے ایک دماغی۔ دوسری زخم کاری۔ دماغی مرض تو اسکی طبیعت کا مردہ پن ہے اور زخم اس کے اندرون قلب ہے۔ اول الذکر کا علاج یونانی کے ہاتھ میں تھا مگر آخر الذکر کی کوئی دوا ابھی تک دریافت نہیں ہوئی اور تجربہ سے ثابت ہوتا ہے کہ ایسے زخم یا تو خود بخود اچھے ہو جاتے ہیں یا اندر ہی اندر رستے رہتے ہیں۔ اس پر سردار اتانس بولا کہ مجھے ایک بہت عمدہ علاج معلوم ہے۔ بادشاہ کو صلاح دینا چاہئے کہ اپنے حرم کو شوس سے بلائے یا کم از کم میری دختر فدیمیا ہی کو اپنی دلبستگی کے لئے طلب کرے۔ ہم سب نے اس پر اتفاق کیا اور اُسے آمادہ کیا کہ کمبوجیہ کے سامنے اپنی یہ تجویز پیش کرے۔ غرضکہ ایک دن دعوت کے

موقعہ پر آتانس نے حرم کا ذکر کیا تو بادشاہ نے غضبناک ہو کر اُس غریب کو ایسی سخت جھڑکی دی کہ ہم سب افسوس کرنے لگے۔ اس کے کچھ دن بعد کمبوجیہ نے موبدوں و نجومیوں کو بلا کر اپنا ایک خواب بیان کیا اور اُس کی تعبیر پوچھی۔ خواب یہ تھا کہ وہ ایک صحرائے لق و دق میں کھڑا ہے جو اس قدر بنجر ہے کہ گھانس کی ایک پتی تک نظر نہیں آتی وہ اس وحشت انگیز جگہ سے گھبرا کر کسی سرسبز زرخیز مقام کی تلاش میں جانے والا تھا کہ اتنے میں اتوسا نظر آئی اور بلا اُس کی طرف دیکھے ایک چشمہ کی طرف دوڑی جو یکا یک وہاں سے پیدا ہو کر ہر چہار طرف شاداب کر رہا تھا۔ اُسے بڑی حیرت ہوئی پھر اُس نے دیکھا کہ جہاں کہیں اتوسا کے قدم اُس جلتی ہوئی ریتیلی زمین پر پڑتے ہیں فوراً چھوٹے چھوٹے پودے[1] اُگنا شروع ہو جاتے ہیں۔ جو بڑے ہو کر اتنے اونچے درخت بن جاتے ہیں کہ اُن کی شاخیں آسمان سے باتیں کرتی ہیں اب آگے بڑھ کر وہ اُس سے ملنا چاہتا تھا کہ اتنے میں اُس کی آنکھ کھل گئی۔

سیانوں اور جوتشیوں نے ایک دوسرے سے صلاح و مشورہ کے بعد یہ تعبیر بیان کی کہ شہزادی اتوسا جو کام ہاتھ میں لیگی ہمیشہ اُس میں کامیاب ہوگی کمبوجیہ کو اس جواب سے تشفی ہو گئی مگر جب دوسرے دن پھر اُس نے وہی خواب دیکھا تو اُسے شک ہوا اور موبدوں سے جھنجھلا کر کہنے لگا کہ تمہاری پہلی تعبیر غلط تھی اب صحیح نہ بیان کروگے تو تمہیں سخت سزا دونگا۔ یہ لوگ پھر بڑی دیر تک غور و فکر کرتے رہے۔ اور بالآخر سب نے یک زبان ہو کر یہ جواب دیا کہ اتوسا ایک بڑی سلطنت کی ملکہ ہوگی اور اُس کے بطن سے ایک نہایت مشہور و نامآور تاجدار پیدا ہوگا۔

[1] بجائے چھوٹے چھوٹے پودے۔ انار بن کے پودے۔ شاہان ایران اس کا پھل بوقت تاج پوشی کھاتے تھے۔

لمبوجیہ نے یہ سُنا تو اُسے پورا یقین ہوگیا اور ہم لوگوں سے اس کا ذکر کرکے ایک عجیب طریقہ سے مُسکرایا۔ ملکہ کا سندرانہ نے اُسی دن مجھے بُلاکر کہا کہ اپنی جان کی خیریت منظور ہے تو اتوسا کا خیال اب دل سے بالکل نکال دو۔ میں نے کچھ نہ کہا اور رخصت ہوکر باغ سے ہوتا ہوا گذر رہا تھا کہ اتوسا کو انار کے ایک درخت کے پیچھے کھڑا ہوا دیکھ کر رُک گیا۔ مجھے دیکھتے ہی اُسکے مُنہ سے ایک دردناک آہ نکلی۔ میں اُس کے پاس آیا اور ہم دونوں کچھ دیر تک باتیں کرتے رہے کہ دنیا مافیہا سے بے خبر ہوگئے۔ بالآخر وقت جدائی آیا تو رو روکر ہم نے ایک دوسرے کو ہمیشہ کے لئے الوداع کیا۔ یہ میرے قصہ کا انجام ہے جس کا نتیجہ وہی ہوا جو قسمت میں تھا۔ مجھ سے زیادہ بھلا کون اس دنیا میں بدنصیب ہوسکتا تھا مگر عین اس مصیبت کے وقت اتوسا کی اقرارِ محبت نے یکایک میری یاس و ناامیدی کو اس ناقابلِ بیان مسرت و خوشی سے بدل دیا کہ اب میں صابر و شاکر ہوں۔ اگر دائمی جدائی کا خوف نہ ہوتا تو مجھے یقین ہے کہ یہ راز ہرگز اس کی زبان پر نہ آتا اور تادمِ مرگ اس کے دل میں ہی محفوظ رہتا۔ لیکن میں کیا سے کیا کہہ گیا۔ دیکھو اسے کسی پر ظاہر نہ کرنا اور نہ یہ سمجھنا کہ میں اب دل شکستہ اور ناامید ہوگیا ہوں۔ بخلاف اس کے میں فی الواقعی بڑا خوش قسمت ہوں اور اُس تھوڑی دیر کی نعمتِ غیر مترقبہ خوشی کو جو وصال جاناں میں حاصل ہوئی تھی اپنی مدت العمر کے مصائب و آلام کا نعم البدل خیال کرتا ہوں۔ میں آپ لوگوں کی برادرانہ ہمدردی کا نہایت مشکور ہوں۔ اب باقی حال جلدی سے ختم کرتا ہوں۔ اتوسا سے رخصت ہونیکے تین دن بعد ارتس لونہ دختر گاوبردا سے مجبوراً میری شادی کردی گئی جس کے حسین ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ اور کوئی اُس کا شوہر ہوتا تو بہت خوش رہتا۔ میں دوسرے ہی دن گھبرا گیا۔ اتفاقاً اسی اثنار میں ایک قاصد تمہاری بیماری کی خبر لایا جسے سُنتے ہی میں نے اپنا ارادہ مستقل کرلیا اور باوجود اپنے خسر کے منع کرنے کے بادشاہ سے اجازت لیتے ہی پر کرزا اپنے

کے ہمراہ بابل سے روانہ ہو گیا اور تمہیں ڈھونڈھتا ڈھونڈھتا یہاں تک پہنچا اور اب تمہارے
وُدُوہ یا دونوں کے ساتھ مصر بھی جاؤں گا۔ گیجبیس کے متعلق فرمانِ شاہی ہے کہ وہ
بطور ایک ترجمان۔ سفیر کے ہمراہ سامو میں جائیں۔ کمبوجیہ کا مزاج اب کسی قدر
درست ہو چلا ہے اور افواج کے معاینہ و ملاحظہ میں وہ اپنا زیادہ تر وقت گذارتا ہے
قلدانی نجومیوں نے بھی اُسے یقین دلایا ہے کہ آج کل ادریا مریخ کا عمل ہے
جو لڑائی کے دیوتا کے تابع ہے اور ایرانی افواج کی فتح وظفر کی دلیل ہے۔ بردیہ!
اب تم سفر کے کب تک قابل ہو جاؤ گے۔

بردیہ۔ اگر کہو تو میں کل ہی چلنے کو تیار ہوں۔ طبیب کا خیال ہے کہ سمندر کی ہوا مجھے
موافق آئے گی۔ سمرنا تک خشکی کا سفر بھی بہت تھوڑا ہے۔

وُدُوہ یا۔ (مسکرا کر) علاوہ بریں اپنی پیاری معشوقہ کو دیکھتے ہی اتنی جلد آپ اچھے ہو جائیں گے
کہ پھر کسی دوا وغیرہ کی ضرورت نہ ہو گی۔

دارا۔ (غور کر کے) اگر یہ ہے تو بہتر ہو گا کہ تین دن بعد تاریخ روانگی قرار دی جائے۔ کیونکہ
ہمیں ابھی بہت کچھ ساز و سامان مہیا کرنا ہے۔ میرے خیال میں بردیہ! تم بابل کے
ایک قالین فروش تاجر کا بھیس اختیار کرو میں اس کا بھائی ہونگا اور وُدُوہ یا بحیثیت دوسرے
تاجر کے جو سارڈیا کے سُرخ رنگ کا بیوپار کرتا ہے۔ ہمارے ساتھ چلیں گے۔

وُدُوہ یا۔ فوجی اور جنگجو سپاہیوں کا لباس کیوں نہ اختیار کیا جائے۔ دھوکے باز اور مول
بھاؤ کرنے والے سوداگروں کی حیثیت سے جانا تو سخت ذلت ہے۔ ہم لوگ یہ کیوں نہ
کہیں کہ لیدیہ کے سپاہی ہیں اور کوئی قصور کر کے وہاں سے بھاگ آئے ہیں اور مصری فوج میں نوکری کرنا چاہتے ہیں۔

بردیہ۔ یہ بھی اچھا خیال ہے کیونکہ ہماری شکل و شباہت سے کوئی تاجر نہ سمجھے گا اور
سب سپاہی خیال کریں گے۔

گیجبیس۔ یہ کچھ ضروری نہیں۔ یونانی تجار و جہاز کے مالک دیکھو ایسا اکڑ کر چلتے ہیں

کہ گویا تمام دنیا انہیں کی ہے۔ مگر میرے خیال میں بھی دُدہ یا کی رائے زیادہ قابل ترجیح ہے۔
دارا۔ اچھا تو اروتیز کو اب ہم تینوں کے لئے لیدی ٹکسیار کوں[51] کی پوشاک مہیا کرنی پڑیگی۔
گیجبیس۔ چلیارک[52] کی وردی کیوں نہ منگائی جائے۔ مگر تمہاری نوعمری دیکھکر لوگوں کو شبہ ہوگا۔

دارا۔ تو کیا ایک معمولی سپاہی کے بھیس میں جائیں؟
گیجبیس۔ نہیں میرے خیال میں ہکٹنارک[53] کا لباس زیادہ موزوں و مناسب ہوگا۔
دُدہ یا۔ (ہنس کر) کوئی بھی ہو مگر تاجر کا لباس مجھے منظور نہیں۔ تین دن بعد ہمیں روانہ ہوجانا چاہیئے۔ اس عرصہ میں میری شادی بھی ہوجائے گی اور گنج سبیلی کا بھی جسے دیکھنے کا اس قدر مشتاق ہوں لطف اُٹھاؤنگا۔ خدا حافظ بردیہ! دیکھو اچھی نیند سونا۔ ورنہ سافو تمہارا زرد چہرہ دیکھکر بڑی ناخوش ہوگی۔

چھبیسواں[۲۶] باب

تین دوست مصر میں

نوکراتیس میں اُس دن غضب کی گرمی تھی۔ دریائے نیل کی طغیانی کا زمانہ تھا۔ تمام کھیت و باغات پُرآب تھے۔ اور دہانہ دریا پر بندرگاہوں میں بکثرت جہازات

---

[51] - ٹکسیارک - کپتان فوج۔
[52] - چلیارک - یک ہزاری - یا ایک ہزار سپاہیوں کا افسر۔
[53] - ہکٹنارک - ایک سو سپاہیوں کا افسر۔

لنگر انداز تھے۔ مصری جہاز جن پر فنیقی ملاح ملازم تھے۔ مالٹا سے نہایت خوبصورت بیش بہا کپڑے سار دینیا سے دھات و جواہرات۔ قبرص سے تانبا و شراب میں لائے تھے۔ یونانی سہ طبقی کشتیوں پر مصفا تیل و روغن۔ شرابیں مصطگی اور کلسیڈونیا کا کانسہ واونی کپڑے لدے ہوئے تھے۔ فنیقی و شامی جہازوں پر بھی جن کے بادبان و مستول نہایت خوشنما تھے طرح طرح کی اشیا نظر آتی تھیں۔ مثلاً تانبا۔ ٹین۔ ارغوانی رنگ۔ کپڑے۔ جواہرات۔ گرم مسالے۔ شیشے۔ قالین وغیرہ اور لبنان کی دیودار لکڑی جو مصر میں مکانات کی تعمیر کے لئے استعمال میں لائی جاتی تھی۔ ان اشیا کے تبادلہ میں وہ حبش کا بیش بہا مال لیجاتے تھے۔ جس میں سونا۔ چاندی۔ آبنوس۔ خوبصورت پردار پرند۔ جواہرات۔ سیاہ فام حبشی غلام وغیرہ شامل تھے۔ مگر ان سب سے زیادہ انہیں مصری اناج کی جو تمام دنیا میں مشہور تھا خواہش و ضرورت تھی۔ نیز ممفس کی رتھیں۔ سیز کی لیس اور پیپرس وغیرہ بھی بکثرت لے جاتے تھے۔ تبادلۂ اشیا کا رواج ایک عرصہ سے موقوف ہو چکا تھا۔ اور اس زمانہ میں نوکراٹس کے تاجر اپنے مال و اسباب کی قیمت چاندی کے سکّوں میں یا سونا تول کر ادا کیا کرتے تھے۔ اس مصری بندرگاہ میں جس کی تجارت زیادہ تر یونانیوں کے ہاتھ میں تھی بڑے بڑے گودام و مال گھر بنے ہوئے تھے جن کے قریب ہی بہت سے چھوٹے چھوٹے لکڑی کے مکان تھے جہاں ملاح وغیرہ اپنے کام کاج سے فارغ ہو کر گانا بجانا سننے۔ ہنسی مذاق کرنے اور آوارہ عورتوں کی تلاش میں آتے تھے۔ جہازوں کے آتے ہی اس محلہ میں عجب ہل چل نظر آتی ہے۔ سفید و سیاہ فام غلام بھاری بھاری سامان اپنی پیٹھوں پر لادے ہوئے اِدھر اُدھر جا رہے تھے اور جہازوں کے ملاح

۱؎ اس زمانہ میں مصر اناج کی بہت بڑی منڈی تھا۔ برامد کا حق بادشاہ کو تھا۔ چنانچہ فرعون نے بنی اسرائیل کو زمانہ قحط میں غلہ بھیجا تھا۔ (دلکنس)

وکارکن وغیرہ بھی رنگ برنگ کپڑے پہنے شراب کے نشہ میں جھومتے ہوئے پھر رہے ہیں ان سے کچھ دور چند افسر جن کی زرق برق وردیوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یونانی و فنیقی جہازوں کے کپتان ہیں۔ اپنے ماتحتوں کو ضروری احکام دے رہے ہیں یا تجارتی مال کو تھوک فروش سوداگروں کے سپرد کرکے اُن سے رسید لینے میں مصروف ہیں۔ جوں ہی کوئی جھگڑا فساد برپا ہوتا ہے مصری پولیس اپنے لمبے لمبے ڈنڈے وعصا لئے ہوئے اور یونانی محافظان بندرگاہ جن کا تقرر شہر کے مُکھیا تاجروں کی طرف سے ہوتا ہے فوراً موقع پر آموجود ہوتے ہیں اور بہت جلد امن وامان قایم کردیتے ہیں۔ مگر اس وقت اتفاق سے یہاں پر بہت کم لوگ نظر آتے ہیں۔ کیونکہ بازار کھلنے کا وقت آپہنچا ہے اور اکثر آزاد یونانی اس کی سیر کو گئے ہیں تاہم کچھ لوگ ایک خوبصورت جہاز کا جو ابھی لنگر انداز ہوا ہے تماشہ دیکھنے کے لئے ٹھہر گئے ہیں۔ یہ جہاز ساموس کا بنا ہوا ہے اُس کا اگلا حصہ راج ہنس کی گردن کی طرح نازک وپتلا اور اُس کے مُہرے پر دیوی ہیرا کی ایک لکڑی کی مورت کندہ ہے۔ اس کے بالائی تختہ سے تین خوش رو نوجوان لیڈیہ کا سپاہیانہ لباس زیب تن کئے اور ان کے پیچھے بہت سے نوکر چاکر اسباب وغیرہ لئے ہوئے نیچے اُتر کر ساحل پر آئے۔ یہ دارا۔ ذُدہ یا اور بردیہ تھے۔ ان تینوں میں سب سے زیادہ وجیہہ و خوش رو بردیہ نے آگے بڑھکر پہرے کے سپاہی سے پوچھا کہ تھیوپمپوس باشندۂ ملیسیا کا مکان کہاں ہے؟ یونانی عموماً اجنبیوں سے بڑے خلق کے ساتھ پیش آتے تھے۔

یہ سپاہی بھی ہمارے مسافروں کی رہبری کے لئے فوراً آمادہ ہوگیا اور بازار سے ہوتا ہوا جس کی افتتاح کی خبر گھنٹے بجنے سے ابھی مشتہر ہو چکی تھی۔ ایک خوشنما حویلی کے سامنے جو نوکراتیس کے معزز رئیس یعنی تھیوپمپوس کا مسکن تھی ٹھہر گیا۔ ہمارے نوجوانوں کو یہاں تک پہنچنے میں کچھ دیر لگی۔ کیونکہ بازار سے جلدی گذرنا آسان نہ تھا۔ ماہی گیروں، قصابوں، کنجڑوں، نان بائیوں وکمہاروں وغیرہ نے آوازیں دے کر

اپنی طرف مخاطب کرنا چاہا جس سے پیچھا چھڑانا کچھ مشکل نہ تھا۔ لیکن جب پھول والیوں کی دوکان کی طرف سے گذرے تو ایک ایسا دلفریب سین سامنے آیا کہ دُدہ یا تو مارے خوشی کے اچھلنے لگا۔ یہاں تین نہایت حسین و پری جمال لڑکیاں ایک قسم کا سفید و باریک لباس جس کے کناروں پر رنگین گوٹ بڑی خوشنما معلوم ہوتی تھی۔ زیب تن کئے تپائیوں پر بیٹھی نظر آئیں۔ اُن کے چاروں طرف قسم قسم کے خوشبودار پھولوں کے ڈھیر لگے تھے جن کے وہ ہار و گجرے گوندھ رہی تھیں۔ اور اپنے سروں پر بھی پھولوں کی ٹوپیاں پہنے تھیں۔ جیوں ہی ان کی نظر ہمارے نوجوانوں پر پڑی تو اُن میں سے ایک جو ملکۂ حسن تھی فوراً کھڑی ہو گئی اور بڑی دلربانہ انداز سے پھولوں کے ہار دکھا کر اپنی شیریں زبان میں کہنے لگی "میرے بانکے سپاہیو! اپنی پیاری معشوقہ کے بالوں میں سجانے کو یہ پھول نہ خریدو گے۔

دُدہ یا۔ (ہار لیکر اور لڑکی کا ہاتھ پکڑ کر) پیاری نازنین! میں بڑی دور سے آیا ہوں۔ اس شہر میں ابھی تک میری کوئی معشوقہ نہیں ہے۔ اس لئے یہ پھول تمہارے ہی خوبصورت بالوں میں لگا کر دیکھوں گا اور یہ ایک اشرفی بھی اس پیارے و نازک ہاتھ میں رکھ کر بوسہ دونگا۔

لڑکی قہقہہ مار کر ہنس پڑی اور اپنے ساتھیوں کو اشرفی دکھا کر اجنبی سے کہنے لگی۔ "ایراس[1] کی قسم تم ایسے طرحدار نوجوانوں کے لئے معشوقوں کی کیا کمی۔ کیا تم بھائی بھائی ہو؟"

دُدہ یا۔ نہیں۔

لڑکی۔ افسوس! ہم تو بہنیں ہیں۔

ایرانی۔ اور تم سمجھیں تھیں کہ ہم تینوں بھائی ہوتے تو تم سے بڑا اچھا جوڑ ملتا۔

[1] ۔ ایراس ۔ یونانی دیوتا عشق۔

لڑکی ۔ ہاں ۔ مگر بلا میرے کہے آپ کیسے سمجھ گئے ۔

ایرانی ۔ تمہاری صورت ہی کہے دیتی ہے ۔ اچھا ذرا اپنی بہنوں سے پوچھو ۔ انکی کیا رائے ہے ؟

وہ دونوں بھی ہنسنے لگیں اور اپنی رضامندی کے اظہار سے بردیہ اور دارا کو ایک ایک پھول دیکر اُن کے خودوں پر گجرے و ہار باندھنے لگیں جس کے صلہ میں انہوں نے بھی ایک ایک اشرفی ان دونوں کے نذر کی ۔ اجنبیوں کی اس غیر معمولی فیاضی کی خبر چشم زدن میں تمام گل فروشوں میں پھیل گئی اور چاروں طرف سے ان پر ایسا زغہ ہوا کہ وہ گھبرا گئے ہر ایک باصرار اپنے گلدستے و پھول پیش کرتی تھی اور میٹھی میٹھی باتوں اور آنکھوں کے اشاروں سے انھیں ٹھیرنے کے لئے کہتی تھی ۔ ایک سے ایک بڑھکر حسین دلفریب اور بآسانی قابو میں آنے والی تھی ۔ بردیہ تو بس ایسا لٹو ہو گیا تھا کہ وہاں سے جانے کا نام ہی نہ لیتا تھا ۔ دارا نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کھینچا اور بردیہ سے کہا کہ اسے سمجھاؤ یہاں اب زیادہ ٹھیرنا مناسب نہیں ہے ۔ غرضکہ بہ ہزار خرابی اُسے کھینچتے ہوئے دونوں آگے بڑھے اور اب بازار کے اُس حصہ سے گذرے جہاں صراف میزوں پر مختلف سکے سجائے ہوئے اپنے لین دین میں مصروف تھے اور شہر کے لوگ بھی پتھر کی بنچوں پر باہر بیٹھے ہوئے آپس میں گپ شپ کر رہے تھے ۔ یہاں سے تھیو پمپوس کا مکان کچھ زیادہ دور نہ تھا ۔ جہاں پہنچتے ہی یونانی رہنما نے پیتل کا کھٹکا زور سے مارا جس کی آواز سُنکر ایک بوڑھے دربان نے دروازہ کھولا اور چونکہ مالک مکان ابھی تک بازار سے واپس نہیں آیا تھا اس لئے مسافروں کو ایک کمرے میں بٹھا کر تھوڑی دیر انتظار کرنے کو کہا ہمارے نوجوان دوست ابھی اس خوبصورت کمرے کے نقش و نگار تصاویر دیکھنے میں محو تھے کہ اتنے میں مالک مکان بھی آ پہنچا ۔ اس کے پیچھے پیچھے بہت سے غلام مختلف اشیا کی ٹوکریاں سروں پر لئے جو اُس نے بازار

سے خریدی تھیں نظر آئے۔ یونانی تاجر نے اجنبیوں کو نہایت اخلاق سے خوش آمدید کہا اور اُن کے اس تکلیف فرمائی کا سبب پوچھا۔ بردیہ نے جلدی سے اِدھر اُدھر دیکھا اور جب اُسے یقین ہو گیا کہ کوئی آس پاس نہیں ہے تو اس نے فنیس کا خط اپنی جیب سے نکال کر تھیوپمپوس کے حوالے کیا جسے پڑھتے ہی اُس کا چہرہ متغیر ہو گیا اور شہزادہ کے سامنے نہایت ادب سے گردن جھکا کر کہنے لگا۔ "زمیں کی قسم۔ حضور کی تشریف آوری میرے حد سے زیادہ فخر و مسرت کا باعث ہے۔ اس غریب خانہ کو اپنا ہی تصور فرمائیے۔ معافی چاہتا ہوں کہ آپ کو اس لباس میں نہ پہچان سکا۔ بہ نسبت پہلے کے اب آپ کے سر کے بال کچھ چھوٹے اور ڈاڑھی زیادہ نمایاں معلوم ہوتی ہے کیا میرا یہ خیال صحیح ہے کہ آپ یہاں گمنام رہنا چاہتے ہیں۔ جو آپکی خوشی۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔ میزبان کو اپنے مہمانوں کی آزادی میں مخل ہونا نازیبا ہے (غور سے دیکھکر) اب آپکے دوستوں کو بھی میں نے پہچان لیا۔ ان کی شکلیں بھی بالکل بدل گئی ہیں۔ آپ کی طرح ان حضرات نے بھی اپنے سر کے بال کاٹ کر چھوٹے کر لئے ہیں (دارا سے مخاطب ہو کر) میں قسم کھاتا ہوں۔ عزیز من! مجھے تمہارا نام ....

دارا۔ میرا نام دارا ہے۔

میزبان ۔ ہاں دارا تم نے اپنے بالوں پر سیاہ رنگ پھیر لیا ہے۔ سچ ہے کہ نہیں؟ دیکھو میرا حافظہ بھی کتنا اچھا ہے۔ مگر کچھ زیادہ فخر کی بات نہیں کیونکہ میں نے تمہیں کئی بار سیئرز میں دیکھا تھا اور تمہاری شکل و شباہت سے بخوبی واقف ہوں۔ (بردیہ سے) شہزادے! آپ نے مجھ سے ابھی یہ سوال کیا تھا کہ کوئی دوسرا بھی اس بھیس میں آپ کو پہچان سکتا ہے۔ میرے خیال میں تو یہ ناممکن ہے۔ آپ کے انوکھے لباس۔ چھوٹے چھوٹے بال اور رنگین ابروؤں نے بالکل ہی شکل بدل دی ہے۔ (ایک آواز سنکر) ذرہ معاف فرمائیے گا۔ دربان مجھے پکار رہا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی ضروری کام ہے۔

تھوڑی دیر بعد تھیو مپوس واپس آیا تو نوجوانوں سے خطاب کر کے کہنے لگا۔

"میرے محترم دوستو! اگر آپ صاحبان کو گمنام رہنا منظور تھا تو نوکراتیس میں آتے ہی اپنی آمد آمد کا ایسا شور نہ مچانا چاہیے تھا۔ آپ نے گل فروش لڑکیوں سے شاید کچھ ہنسی مذاق کیا اور چند ہاروں کے بدلے اتنا زیادہ انعام دیا جو آپ کی شان کے لائق تھا مگر ایک لیدی ہکسٹنڈارک کی حیثیت سے بالاتر تھا۔ یہاں کا بچہ بچہ اُن تینوں حسین بہنوں سے جن کا نام استفینان ۔ کلورس ۔ آرینی ہے واقف ہے اکثر نوجوانوں کو وہ فریفتہ کر چکی ہیں اور اپنی میٹھی میٹھی باتوں سے اُن سے زر و جواہر وصول کرتی ہیں۔ عموماً اس مذاق کے لوگ بازار لگنے کے وقت پھولوں کے بہانے سے اُنسے ملنے جاتے ہیں۔ اور وہیں بات چیت ٹھیرا کے بوقتِ شب اُنکے یہاں جا کر اپنی جیبیں خالی کرتے ہیں۔ مگر یہ کوئی نہیں کرتا کہ صرف ہنسی مذاق کے لئے آپ لوگوں کی طرح ایسی فیاضیاں دکھائے۔ لڑکیوں نے اسے ایک نہایت عجیب بات سمجھ کر اپنے تنگ دل یاروں کو چڑانے کی غرض سے وہ اشرفیاں دکھائی ہوں گی جسکی شہرت ہر طرف پھیل گئی۔ آپ جانتے ہیں کہ لوگ بات کا بتنگڑ ابنا دیتے ہیں اور نمک مرچ لگا کر گرگٹ کو مگرمچھ مشہور کرتے ہیں۔ شدہ شدہ یہ افواہ اُس مصری کپتان کے کانوں تک میں بھی پہنچی جو سامتیک کی طرف سے بازار کے انتظام کے لئے مقرر ہے۔ جوں ہی اُسے معلوم ہوا کہ تین لیدیہ کے سپاہی آئے ہیں جو اپنی اشرفیاں گل فروشوں کے بازار میں کوڑیوں کی طرح لُٹا رہے ہیں تو اُسے خواہ مخواہ شبہ پیدا ہوا اور اس نے آپ لوگوں کی خبر لینے کے لئے اپنا ایک اہلکار میرے مکان پر بھیجا۔ میں ابھی اُس سے گفتگو کر کے آرہا ہوں۔ اور حیلہ و حوالہ بتا کر سمجھا آیا ہوں کہ آپ لوگ سارددیس کے امیروں سے ہیں اور ستراپ کے ظلم سے تنگ ہو کر یہاں بھاگ آئے ہیں۔ اب کچھ دیر میں ایک مصری کاتب آئیگا جو آپ لوگوں کو پروانہ راہداری دیگا تاکہ

جب تک مصر میں آپ کا قیام رہے کوئی پوچھ گچھ نہ ہو میں نے اُس سے یہ بھی کہہ دیا ہے کہ اگر کوشش کر کے میرے دوستوں کو فرعون کی فوج میں نوکر رکھا دیگا تو بہت انعام دونگا وہ اس حکیمہ میں آکر اب سب کچھ کر دیگا اور آپ لوگوں کی نوعمری پر خیال کر کے جاسوسی کا شبہ نہ کر سکے گا۔

ابھی یہ گفتگو ختم نہ ہونے پائی تھی کہ ایک دبلا پتلا شخص سفید کپڑے پہنے اندر داخل ہوا۔ اور سامنے آکر بیٹھ گیا۔ یہ شہر کا کاتب یا منشی تھا۔ اس نے ایک ترجمان کی مدد سے اجنبیوں سے دریافت کیا کہاں سے آئے ہو۔ اور یہاں آنے کا کیا مقصد ہے؟ نوجوان اپنی پہلی بات پر قایم رہے اور بولے کہ ہم لیبدیہ کے رہنے والے مفرور ملاح ہیں۔ آپ کی بڑی مہربانی ہوگی اگر مصری فوج میں بھرتی کرا دیں اور پروانہ راہداری بھی عنایت کریں۔ اس کی تصدیق یونانی تاجر نے کی اور فوراً اپنے دوستوں کا ضامن ہو گیا۔ بعدہٗ کاتب کو بھی کوئی اعتراض نہ ہوا۔ اور فوراً کاغذ تیار کر کے نوجوانوں کے حوالے کر دیئے ہر دو یہ کے پروانہ میں مرقوم تھا "سمروس لسپر سندون باشندۂ سار دیس۔ عمر قریب ۲۲ سال۔ قد لانبا۔ جسم چھریرا۔ چہرہ خوبصورت۔ ناک سیدھی۔ پیشانی بلند جس کے وسط میں ایک نشان ہے۔ اس شخص کی ضمانت قابلِ اطمینان ہے اس لئے اسے مصر کے اُن مقامات میں جہاں اجنبی جا سکتے ہیں۔ بودوباش کی اجازت دی جاتی ہے۔ من جانب حاکم نوکراتیس۔ دستخط کاتب سجاَن"۔

دارا اور ذُدُہ یا کے پاسپورٹ بھی اسی قسم کے تھے۔ جب کاتب رخصت ہو گیا تو تھیوپمپوس نے نوجوانوں سے کہا "اب آپ اس ملک میں بے خوف و خطر رہ سکتے ہیں۔ مگر شرط یہ ہے کہ ان نوشتوں کو اپنی جان کی برابر حفاظت سے رکھئے۔ اور کبھی اپنے پاس سے جدا نہ ہونے دیجئے۔ شکر ہے کہ یہ مرحلہ بھی بخیریت طے ہو گیا۔ اب آیئے ناشتہ حاضر ہے۔ کچھ تناول فرمایئے۔ اور اگر خلاف مزاج نہ ہو تو ایک

بات بنائیے وہ یہ ہے کہ شہر میں ایک عجیب افواہ گرم ہے جو ممکن ہے کہ غلط ہو۔ ایک جہاز یہ خبر لایا ہے کہ شہزادے صاحب آپ کے برادر مکرم مصر پر حملہ کرنے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔

بردیہ۔ یہ بالکل صحیح ہے۔ پھر کسی وقت اطمینان سے اسکے متعلق کہونگا۔

اسی روز شام کے وقت عشاق کو ایک دوسرے کا دیدار نصیب ہوا۔ سافو شہزادے کے اچانک آجانے سے اس قدر خوش ہوئی کہ شادیٔ مرگ کی سی کیفیت ہوگئی۔ اس کی زبان سے گھنٹہ بھر تک کوئی لفظ نہ نکل سکا۔ مگر آنکھیں فرط محبت سے چمک رہی تھیں۔ دل جو بانسوں اُچھل رہا تھا دمبدم قابو سے باہر ہوا جاتا تھا۔ دونوں تن تنہا چمپلی کے اُس مبارک نخل کے نیچے جہاں عشق نے سب سے پہلے اپنا گھائل بنایا تھا جاکر بیٹھ گئے سافو نے اپنا سر بردیہ کے سینے پر رکھ دیا۔ بڑی دیر تک دونوں ایک دوسرے کو صرف تکتے رہے اور کچھ نہ کہہ سکے۔ گرمیوں کی چاندنی رات تھی۔ ماہتاب و کواکب اپنی اپنی گردش میں مشغول تھے۔ بلبلیں چہک رہی تھیں۔ ٹھنڈی ٹھنڈی اُوس پھولوں و پتیوں پر پڑ رہی تھی مگر ان دونوں کو خبر نہ تھی۔ دونوں پر ایک عجیب محویت و بیخودی طاری تھی اور نشۂ عشق نے مدہوش کر کے انھیں دنیا مافیہا سے بیخبر کر دیا تھا۔ آخر کار بردیہ نے اپنی پیاری کے دونوں نازک ہاتھ پکڑ کر عجیب لذت بھری نگاہوں سے اُسے گھورنا شروع کیا گویا اُس کی موہنی صورت کا عکس اپنے دل میں اُتارنا چاہتا ہے اور جب وہ شرما کر نیچے دیکھنے لگی تو کہا "میں نے تمہیں ایک بار خواب میں دیکھا تھا تو سمجھا تھا کہ اہرمزد نے اپنی تمام مخلوق سے زیادہ تمہیں کو حسین و مہ جبین بنایا ہے۔ مگر اب جو حالت بیداری میں اصلیت کو دیکھتا ہوں تو وہ خیالی تصویر بھی بالکل ماند معلوم ہوتی ہے" اس کے جواب میں صرف ایک نگاہِ ناز کافی تھی۔ جس نے عاشق کے دل پر برچھی کا سا کام کیا۔ اُس نے بے اختیار

اپنی دلربا کو سینے سے لگا کر پوچھا۔ "کہو پیاری کبھی مجھے یاد بھی کرتی تھیں"۔
سافو۔ ہر گھڑی۔ روز و شب میں تمہیں کو یاد کیا کرتی تھی اور کہتی تھی کہ اب ضرور آئیں
گے۔ آج ہی صبح جب باغ کی سیر کو نکلی تو مشرق کی طرف جہاں تمہارا وطن ہے
دیکھنے لگی۔ ایک چھوٹی سی چڑیا میری داہنی طرف سے اُڑی اور میری داہنی آنکھ
پھڑکنے لگی[ا]۔ پھر میں اندر بھاگی ہوئی آئی اور اپنا بکس کھول کر وہ پھولوں کا ہار جو چلتے
وقت تم نے دیا تھا دیکھنے لگی۔ اُس کے پھول ابھی تک موجود ہیں جو ملیتہ کے خیال میں
سچی محبت کی نشانی ہے۔ میں بڑی خوش ہوئی اور دل میں کہنے لگی کہ کیا عجب ہے
وہ آج ہی آجائیں۔ اسی امید میں میں دوڑتی ہوئی دریا کے کنارے گئی۔ اور جو
کشتی سامنے آئی اُسی کی طرف اپنا رومال ہلانے لگی۔ کیونکہ ہر کشتی میں مجھے تمہاری
ہی صورت نظر آتی تھی مگر جب تم نہ آئے تو میں رنجیدہ و مایوس واپس چلی آئی۔ اور
ایک گیت گا کر دل بہلانے لگی۔ پھر زنانے کمرے میں آکر بیٹھ گئی اور آتشدان کی طرف
ٹکٹکی باندھے اپنے خیالات میں ڈوب گئی۔ اتنے میں نانی اماں آئیں تو میرا شانہ
ہلا کر کہنے لگیں۔ جو شخص دن کے وقت خواب و خیال میں پڑا رہتا ہے اس کو رات
میں نیند آنا محال ہے اور دوسرے دن اس کا دماغ بیکار اور اعضا کسلمند ہو جائینگے
روزِ روشن دیوتاؤں نے جاگنے کے لئے بنایا ہے تاکہ اپنی آنکھیں کھلی رکھیں اور ایک
لمحہ بھی بیکار نہ جانے دیں۔ گذری ہوئی باتوں کا خیال فضول ہے۔ اور آیندہ کی
امیدوں میں پڑا رہنا نادانی ہے عقلمند موجودہ زمانہ سے سروکار رکھتے ہیں۔ اسی سے
مستفید ہوتے ہیں۔ اور اُن تمام صفات ذاتی کو جو زیس نے انھیں بخشی ہیں سبھی
تام اکمل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس سے ہمارے خیالات۔ جذبات۔ اقوال
وافعال میں یکسوئی پیدا ہوتی ہے اور وہ سب ایک اسرہ دِ خوش آہنگ کی طرح

[ا] پرند کا داہنی طرف سے اُڑ کر نکلنا یا داہنی آنکھ پھڑکنا عمدہ شگون سمجھے جاتے تھے۔

باہم دیگر موافق و متفق ہو کر کام کرتے ہیں۔ تم جس شخص کی محبت کا دم بھرتی ہو اُس کا صرف خیال و تصور ہی کرنا کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔ مگر اپنے علم و ترقی کے لئے کوشاں رہنا اور اپنی ذات کو ذہنی اور اخلاقی زیورات سے آراستہ کرنا سچی محبت کی نشانی ہے اور عاشق صادق کے لئے ایک مبارک و گراں بہا تحفہ ہے کیونکہ جب تم اپنے آپ کو اُسے حوالہ کردوگے تو تمہاری سب خوبیاں و برائیاں بھی ساتھ ساتھ جائیں گی۔ اور آخر الذکر جس قدر کم ہونگے اتنا ہی زیادہ تمہاری اصلی محبت کا پتہ لگے گا۔ محض تصور و خیال کرنے سے کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی۔ تزکیہ نفس کی کوشش ضروری ہے۔ حُسن ظاہری چند روزہ ہے مگر نکوئی و پاکبازی کے پھول ہمیشہ سرسبز و شاداب رہیں گے اور تمہارے محبوب کے مشام جاں کو معطر کریں گے۔ غرض کہ اسی طرح وہ مجھے دیر تک سمجھاتی رہیں۔ میں شرما کر آتشدان کے پاس سے اٹھ کر چلی گئی۔ اور اپنا باجہ ہاتھ میں لیکر نئے گانے سیکھنے لگی اور اپنی محترمہ اُستانی سے جن کی عقل و دانش اکثر مردوں سے افضل و برتر ہے سبق لیتی رہی۔ اس طرح میرا وقت گذرتا گیا۔ وقت جس کی لہریں اس سامنے والے دریا کی طرح ہمیشہ رواں ہیں کبھی تو اس پر ایک خوشنما و زریں کشتی نظر آتی ہے کبھی ایک خونخوار نہنگ کی صورت سامنے آکر ڈرانے لگتی ہے ''

ہرڈیہ۔ ہم دونوں اس وقت اُسی عیش و نشاط و مسرت و شادمانی کی کشتی پر سوار ہیں اے کاش کہ زمانہ کی موجیں اپنی جگہ پر رک جائیں اور زندگی ہمیشہ اسی طرح رہے۔ میری دلربا نازنیں۔ تیرے پیارے مُنہ سے بھی کس عقل و دانش کے پھول جھڑتے ہیں۔ تو اپنا گراں بہا سبق اتنی جلدی سمجھکر کس فصاحت و شیرینی سے ادا کرتی ہے۔ پیاری سافو۔ مجھے تجھ پر ناز ہے۔ تیری خوبیاں و نیکیاں ایک خزانہ بے بہا ہیں جسے دیکھ کر میں اپنے آپ کو اُس بھائی سے بھی جو آج نصف دنیا کا مالک و شہنشاہ ہے زیادہ خوش نصیب و دولت مند سمجھتا ہوں۔

سافو۔ تمہیں اور مجھ پر ناز! کہاں میں ایک غریب و بیکس لڑکی۔ کہاں ایک جلیل القدر شہزادۂ والاتبار جو اپنے حُسن و جمال شرافت و شجاعت میں اپنی قوم کے لئے مایۂ ناز و یگانۂ روزگار ہے۔

بردیہ۔ نہیں۔ نہیں۔ میرے دل میں اپنی قدر و منزلت بس اُسی قدر ہے جس قدر تمہاری محبت کا مستحق و سزاوار سمجھا جاؤں۔

سافو۔ آہ اے آسمانی دیوتاؤ! میرے کمزور دل کو اس مسرت بے پایاں کی برداشت و تحمل کی طاقت بخشو! کہیں اُس برتن کی طرح جو زر و جواہر سے لبالب بھر گیا ہو وہ ٹوٹ نہ جائے۔

بردیہ۔ نہیں وہ ہرگز نہیں ٹوٹ سکتا۔ ایک دوسرا دل۔ میرا دل بھی تو اس کا شریک و مددگار ہے۔ پیاری تیری روح سے میری روح کو تقویت پہنچتی ہے۔ تیرا جذبۂ اُلفت تمام دنیا سے مجھے لاپروا کر دیتا ہے۔ اور اندھیری رات کی مصیبتیں و کلفتیں سب آسان ہو جاتی ہیں۔

سافو۔ آہ پیارے ایسا نہ کہو۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں دیوتا بھی جنہیں انسان کی خوشی منظور نہیں ہے۔ ہم سے رشک و حسد کرنے لگیں۔ تمہارے جانیکے بعد ہمیں بہت رنج و غم اُٹھانا پڑے۔ فینیس کے دونوں بچے بیچارے یہاں رہتے تھے۔ لڑکا ایراس کی طرح خوبصورت تھا اور لڑکی بھی ایسی پیاری و ہنس مُکھ تھی کہ کیا بیان کروں نانی اماں کو اُن سے بہت محبت ہو گئی۔ اور میں بھی دونوں پر فدا تھی یہ نہ سمجھنا کہ تمہارے سوائے اور کوئی میری جان و دل کا مالک ہو سکتا ہے مگر ہمارے دل دیوتاؤں نے سورج کی طرح عجیب بنائے ہیں گو اس کی روشنی ہر چیز پر پڑتی ہو پھر بھی اُس کی اصلی چمک و تیزی میں کوئی کمی نہیں آتی۔ مجھے ان بچوں سے بڑی دلبستگی و الفت تھی۔ ایک دن شام کے وقت ہم سب زنانے مکان میں تھیومپوس

کے ساتھ اکیلے بیٹھے تھے کہ اتنے میں باہر بڑا شور سُنائی دیا۔ ہمارا غلام ناسیلیس دوڑتا ہوا دروازہ کے پاس پہنچا ہی تھا کہ بہت سے سپاہی اُسے دھکّا دیکر اندر گھس آئے اور بیچ کا دروازہ بھی زبردستی کھول کر جہاں ہم لوگ بیٹھے تھے بے دھڑک چلے آئے نانی اماں نے فرعون کا اُنھیں وہ فرمان لاکر دکھایا جس کی رو سے ہمارے مکان میں تلاشی لینے کی اجازت نہ تھی۔ اُنھوں نے اُسے دیکھ کر نہایت حقارت کے ساتھ قہقہہ مارا۔ اور ہمیں شہزادہ سامتیک کا ایک تحریری حکم دکھایا جس میں لکھا تھا کہ فینس کے بچوں کو فوراً اُن کے حوالہ کر دیا جائے۔ تھیوپمپوس نے سپاہیوں سے بڑی حجت و بحث کی اور کہا کہ کتنی شرم کی بات ہے کہ ان بے گناہ بچوں کو جو یہاں مہمان ہیں زبردستی پکڑ کر لے جاتے ہو۔ سپاہیوں کے سردار نے اس شریف آدمی کو بھی نہایت نفرت سے جواب دیا۔ میری نانی کی بھی ایک نہ سُنی۔ اُنکے کمرہ میں گھس گیا۔ دونوں بچّوں کو جو آرام سے سو رہے تھے جھنجوڑ کر اُٹھایا۔ پھر اُنھیں کھینچتا ہوا باہر لے گیا اور کشتی میں بٹھا کر روانہ ہو گیا۔ چند ہفتوں کے بعد ہم نے لڑکے کی موت کا حال سُنا۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ولیعہد کے حکم سے اُسے قتل کر دیا۔ بیچاری لڑکی قیدخانہ کی اندھیری کوٹھری میں پڑی ہوئی اب مصیبتیں جھیل رہی ہے اور اپنے باپ اور ہم لوگوں کو یاد کر کے رویا کرتی ہے۔ پیارے تم مجھ سے خفا تو نہیں کہ خوشی کے وقت یہ رنج کی باتیں سُنا رہی ہوں۔ مگر سچ کہتی ہوں کہ جب مجھے یہ واقعہ یاد آتا ہے دل مسوس کے رہ جاتی ہوں۔ بے اختیار آنسو نکل پڑتے ہیں اور یہی حالت اس وقت بھی ہے کہ ضبط نہیں کر سکتی۔

بردیہ۔ پیاری۔ تمہارے درد و غم کی چوٹ میرے دل پر بھی لگی ہے مگر میرا رنج دوسری قسم کا ہے۔ تمہارا دل نازک ہے تم رونے لگتی ہو۔ لیکن میں عملی طور سے اس کا اظہار کروں گا اور ان غریب بچّوں کے مظالم کا انتقام لونگا۔ اطمینان رکھو۔

میں یقین دلاتا ہوں کہ دریائے نیل کا دوسرا سیلاب آنے سے پہلے ایک لشکر جرار اس ملک پر حملہ آور ہوگا۔ اور ان بے گناہ معصوموں کے خون کا بدلہ لے گا۔

سافو۔ پیارے تمہاری آنکھیں کیسی چمکنے لگیں۔ ایسا خوبصورت تو میں نے کبھی تمہیں نہ دیکھا تھا۔ ہاں۔ غریب معصوموں کا بدلہ ضرور لینا اور تم ہی لینا۔ سوائے تمہارے اور کوئی نہ لے

بردیہ۔ (مسکرا کر) میری نیک و رحم دل سافو بھی اب جنگ وجدال کی طرف مائل ہوگئی

سافو۔ کیوں نہیں۔ جہاں ظلم و ستم کا بازار گرم ہو عورتوں کو بھی انتقام میں حصہ لینا چاہئے اور شر و فساد کے رفع ہونے سے خوش ہونا چاہیئے۔ مگر تم نے ابھی ابھی لڑائی کا ذکر کیا تھا۔ کیا واقعی اعلان جنگ ہوگیا ہے؟

بردیہ۔ نہیں ابھی تک نہیں ہوا۔ ہماری تیاریاں ابھی پوری نہیں ہوئی ہیں مگر دریائے فرات پر ایک لشکر عظیم جمع ہو رہا ہے۔

سافو۔ اے ہے! بڑا غضب ہونے والا ہے۔ میں ابھی کیسی ہمت سے انتقام کے لئے کہہ رہی تھی مگر یہ تو سنتے ہی میرا دل بیٹھا جاتا ہے۔ لڑائی کے نام سے میری روح کانپتی ہے۔ کتنے گھر تباہ ہونگے۔ کتنی مائیں اپنے پیارے بچوں کو روئیں گی۔ کتنے بچے یتیم ہوجائیں گے۔ کتنی غریب بیوائیں سوگواری و غم میں رو رو کر راتیں کاٹیں گی۔

بردیہ۔ اس میں شک نہیں کہ جنگ وجدال وحشیانہ فعل ہے لیکن بعض اوقات ضروری ہے اور انسان کی تمام زنگ آلود کثافتیں دور کرکے اس پر ایک قسم کی جلا وصیقل کر دیتا ہے اور اس کی ہمتیں بلند۔ اس کا عزم و استقلال و زور بازو دہ چند ہوجاتا ہے۔ تمہیں کس قدر خوشی ہوگی جب اپنے پیارے ہیرو کو فتح و نصرت کے ساتھ واپس دیکھو گی۔ ایرانی بیویاں تو اپنے شوہروں کو بڑی مسرت و افتخار سے لڑائی کے لئے رخصت کرتی ہیں۔ انھیں کچھ کم محبت نہیں ہے۔ لیکن ان کی شجاعت و ناموری کو سب پر ترجیح دیتی ہیں۔

سافو۔ میں بھی آپ کو کب روکتی ہوں۔ جائیے۔ خوشی سے جائیے۔ میری دعائیں ہمیشہ آپ کے شامل حال رہیں گی۔

بردیہ۔ فتح ہمیشہ حق کے ساتھ رہتی ہے۔ ہم فرعون کی فوج کو شکست نہ دیں گے تو اُسے اُن مظالم کا کس طرح بدلہ ملے گا؟

سافو۔ آپ نے ارسٹو میقس کا بھی کچھ حال سُنا جو فنیس کی جگہ مقرر ہوئے تھے۔ وہ بھی یکایک غائب ہو گئے۔ کسی کو پتہ نہ چلا۔ سُنتے ہیں کہ یا تو سامتیک نے انھیں اس قصور پر کہ فنیس کے لڑکوں کی حمایت کی تھی کسی مہیب قید خانہ میں ڈال دیا۔ یا کہیں۔ دور دراز کسی کان پر مشقت کرنے کے لئے بھیجدیا جو قید سے بھی کہیں زیادہ بدتر ہے۔ اس غریب کو پہلے اس کے دشمنوں نے سازش کر کے بلاقصور اپنے ملک سے جلاوطن کر دیا تھا اور پھر صد افسوس کہ جس دن وہ مصر سے لاپتہ ہوئے اُسی روز اسپارٹا سے خبر آئی کہ انکے لڑکے نے وہاں اتنا بڑا نام پیدا کیا کہ اُس کے صلہ میں اس کے معزز باپ کو واپس ہونے کی اجازت مل گئی۔ اور ایک جہاز پھولوں سے نہایت آراستہ پیراستہ انھیں لانے کے لئے یہاں بھیجا گیا۔ اور اس میں چند لوگ بطور سفیر آئے جن کا سردار ارسٹو میقس کا وہی بہادر و فاتح فرزند تھا۔

بردیہ۔ میں اس بوڑھے دلیر شخص سے بخوبی واقف ہوں۔ وہی نا جس نے ذلت سے بچنے کے لئے اپنا پیر کاٹ ڈالا تھا۔ اگر فرعون نے اُسے بھی کوئی اذیت پہنچائی ہے تو قسم ہے اُس ستارہ درخشاں کی جسے تم مشرق کی طرف ڈوبتا دیکھ رہی ہو۔ اس کا انتقام بھی ہم ضرور لیں گے۔

سافو۔ (چونک کر) پیارے! کیا اتنی دیر ہو گئی۔ وقت بھی ایک نسیم خوشگوار کی طرح ہماری پیشانیوں کا بوسہ لیتا ہوا کس تیزی سے گذرتا چلا جا رہا ہے۔

دیکھو لوگ اب بُلا رہے ہیں وہ ہمارے منتظر ہوں گے۔ صبح ہونے سے پہلے تمہیں شہر میں اپنے معزز مہمان کے گھر پہنچ جانا ہے۔ پیارے اب رخصت۔

بردیہ۔ جان من الوداع۔ پانچ دن میں اور صبر کرتا ہوں پھر ہمارا بیاہ رچے گا اور خوشی کے شادیانے بجیں گے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ہیں! تم تو بیاہ کا نام سُنکر الیسا کانپنے لگیں جس طرح لڑائی کے ذکر سے تھرا گئی تھیں۔

سافو۔ ہاں جب کوئی نعمت کسی کو ملنے والی ہوتی ہے تو دل قابو میں نہیں رہ سکتا اور اس کے خیال ہی سے جسم پر رعشہ پڑ جاتا ہے۔

بردیہ۔ رہوڈوفنس پھر بُلا رہی ہیں۔ چلو اب چلیں۔ میں نے تھیومپوس سے کہا ہے کہ اُن سے دریافت کر کے مجھے بتائیں کہ کس طرح اور کس جگہ شادی کی رسوم ادا ہوں گی۔ میں اُن کے مکان پر صرف اپنی شادی تک رہنا چاہتا ہوں۔ پھر تمہاری رخصتی کے بعد فوراً تمہیں ہمراہ لیکر اپنے ملک چلا جاؤں گا۔

سافو۔ ہاں۔ میں بھی اب آپ کا ساتھ کبھی نہ چھوڑوں گی۔

دوسرے دن علی الصباح ہمارے نوجوان اپنے میزبان کے ساتھ سیر باغ میں مصروف تھے کہ دُڈہ یار بردیہ سے خطاب کر کے کہنے لگا۔ "رات بھر تمہاری سافو کا خیال رہا۔ بردیہ تم بڑے خوش نصیب ہو۔ ایسی بے مثل حسینہ و پری پیکر تو شاید دُنیا میں کہیں پیدا نہ ہوئی ہوگی۔ آریاسپ بھی اُسے دیکھے تو اپنی نیلیتھیا کا حُسن بھول جائے۔ میں اپنی سارد لیس والی نئی بیوی کو بہت خوبصورت سمجھتا تھا مگر اب خیال کرتا ہوں تو سافو کے مقابلہ میں وہ بالکل ہیچ و ناچیز معلوم ہوتی ہے۔ اہرمزد کو ایسے اسراف سے کام لینا مناسب نہ تھا۔ ایک سافو کے حُسن سے تین چار حسینوں کو پیدا کر سکتا تھا۔ کس دلفریب ادا سے کل رات اُس نے ہم سب کو ایرانی زبان میں الوداع کہا تھا۔

بردیہ۔ میری غیر موجودگی میں اُس نے ایک باشندہ شوس کی بیوی سے جو یہاں قالینوں کی تجارت کرتا ہے ہماری زبان سیکھنا شروع کی تھی اور اتنی جلدی اس میں مہارت حاصل کر لی کہ خود مجھے سخت حیرت ہوتی ہے۔

تھیوپمپوس۔ واقعی وہ عجب کمال کی لڑکی ہے۔ میری متوفیہ بیوی اُسے اپنے بچوں کی طرح چاہتی تھی اور ہمارے لڑکے سے جو آج کل ملی تو س میں تجارت کرتا ہے شادی کا پیام دینے والی تھی۔ مگر دیوتاؤں کو اور ہی منظور تھا۔ تاہم میری بیوی اگر آج زندہ ہوتی تو روڈوفس کا محل ہار پھول سے آراستہ دیکھ کر بہت خوش ہوتی۔

دَدُہ یا۔ کیا آپ لوگ دُلہن کا مکان پھولوں سے سجاتے ہیں۔

یونانی۔ ہاں۔ اگر تمہیں کسی مکان کے دروازہ پر ہار پھول نظر آئیں تو سمجھ لینا کہ وہاں لڑکی کی شادی ہونے والی ہے۔ اگر زیتون کی شاخیں لٹکی ہیں تو لڑکا پیدا ہوا ہے۔ اگر اونی رومال اُڑ رہا ہے تو دختر تولد ہوئی ہے۔ اگر برتنوں میں پانی بھرا ہوا رکھا ہو تو موت ہوئی ہے۔ اسی طرح اور بہت سی رسوم ہیں جنھیں پھر عرض کروں گا۔ کیونکہ بازار کا وقت آپہونچا ہے۔ مجھے وہاں ضروری جانا ہے اسلئے اب آپ سب صاحبوں سے رخصت ہوتا ہوں۔

دَدُہ یا۔ میں بھی تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔ سافو کے گھر کے لئے مجھے بھی ہار و پھول خریدنا ہے۔

یونانی۔ (ہنس کر) ہاہا۔ میں سمجھ گیا۔ آپ اُن گل فروش لڑکیوں کے دیدار کے مشتاق ہیں کتنا ہی چھپائیے یا انکار کیجئے مجھے باور نہ ہوگا۔ میرے ساتھ بخوشی چلیئے لیکن کل کی طرح زیادہ فیاضی سے کام نہ لیجئے گا اور اپنے تبدیل لباس کا خیال رکھئے گا۔ لڑائی کی افواہیں مشہور ہو گئی ہیں اگر ذرا بھی کسی کو آپ پر شبہ ہو گیا تو غضب ہو جائے گا۔

یونانی نے اپنے غلام کو آواز دی جس نے آکر اُسے جوتے پہنائے پھر دُہ ُدہ با کے ساتھ بازار گیا اور چند گھنٹوں کے بعد جب واپس آیا تو تنِ تنہا تھا اور اُس کی چہرہ سے غیر معمولی فکر و تردد کے آثار پائے جاتے تھے۔

سوداگر۔ تمام شہر میں عجب ہل چل مچی ہوئی ہے۔ خبر ہے کہ اماسس سخت بیمار ہے۔ میں صرافہ میں کھڑا لین دین کر رہا تھا اور میرا کچھ مال جو بہت منافع سے بک گیا تھا اُس کی قیمت وصول کر کے نیا مال خریدنے کا ارادہ ہی کر رہا تھا کہ لڑائی کی افواہیں گرم ہوتے ہی تمام قیمتیں گر گئیں۔ بعدہ ایک افسر نے آکر مجھ سے کہا کہ فرعون ایک ایسی سخت بیماری میں مبتلا ہے کہ تمام حکیموں نے جواب دیدیا ہے اور اب اُس کے بچنے کی کوئی امید نہیں۔ نہ معلوم کب اُس کی موت کی خبر آجائے اور خطرناک واقعات پیدا ہو جائیں۔ فرعون کی موت یونانیوں کے لئے سخت مصیبت کا پیش خیمہ ہوگی کیونکہ ولیعہد ہمارا جانی دشمن ہے اور ہم سب کو فوراً مصر سے نکال دیگا۔ اُسے اس بندرگاہ اور ہمارے تمام مندروں سے اس قدر نفرت ہے کہ اگر اپنے باپ کا خوف اور یونانی فوج کی ضرورت نہ ہوتی تو کب کا اُس نے ہم سب کو یہاں سے نکال دیا ہوتا۔ اسی لئے اماسس کی وفات کے بعد اگر ایرانیوں نے اس ملک پر چڑھائی کی تو ہم سب کو بہت خوشی ہوگی کیونکہ وہ غیر ملکیوں کے حقوق کے ایسے دشمن نہیں ہیں اور نہ اُن سے اس قدر نفرت کرتے ہیں۔

بردیہ۔ تم اطمینان رکھو۔ میں بھائی سے کہہ کر تمہارے پُرانے حقوق بلکہ اور نئے حاصل کرانے کی کوشش کرونگا۔

تاجر۔ آپ کا بڑا احسان ہوگا۔ ہم سب آپ کے بھائی کی فتح و نصرت کے لئے دست بدعا ہیں اور امید کرتے ہیں کہ وہ بہت جلد اب یہاں تشریف لائیں گے۔

ساملتیک اب کچھ دنوں میں ہمارے مندروں کو منہدم کرانے کا حکم دینے ہی والا ہے۔ عرصہ ہوا کہ ممفس میں ہمارے ایک نئے معبد کی تعمیر اسی نے بند کرادی تھی۔

دارا۔ جب ہم جہاز سے اُترے تھے تو یہاں بہت سے خوبصورت عمارات نظر آئی تھیں۔

یونانی تاجر۔ جی ہاں۔ وہ سب ہمارے ہی مندر ہیں اور بڑے خرچ سے تیار ہوئے ہیں۔ دُدہ پا بھی اب تشریف لے آئے۔ میرے غلاموں کے سر پر ہار پھول کا ایک پورا جنگل اٹھا لائے ہیں اور خوشی کے مارے ہنس بھی رہے ہیں۔ شاید گلفروشوں سے خوب ہنسی دل لگی رہی ہے۔ دُدہ پا! آداب عرض ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس افسوسناک خبر کا جو تمام شہر میں پھیلی ہوئی ہے آپ کے دل پر کچھ اثر نہیں ہوا ہے۔

ددہ پا۔ میری دعا ہے کہ اماسس سو برس تک زندہ رہے۔ اگر وہ مر گیا تو کہیں اس ٹکڑ میں میرا شکار ہاتھ سے نہ نکل جائے۔ روڈوفس کے مکان پر کب چلوگے؟

سوداگر۔ شام ہوتے ہی جانے کا ارادہ ہے۔

دُدہ پا۔ اچھا تو میری طرف سے یہ پھول بطور تحفہ نذر کر دیجئے گا۔ بردیہ معاف کرنا میں آج رات تمہارے ساتھ جانے سے معذور ہوں۔ شاید بھائی تمہاری خوشی میں ہارج ہوں۔ دارا! کہو تمہارا کیا ارادہ ہے؟

دارا۔ میں تو بردیہ کے ساتھ ہی رہوں گا اور وہاں روڈوفس کی پرلطف گفتگو و صحبت سے لطف اُٹھاؤں گا۔

دُدہ پا۔ میں پہلے ہی جانتا تھا کہ تم یہ کہوگے۔ نہیں تو ایسی جگہ لطف آتا ہے جہاں کوئی نئی بات یا جدید معلومات حاصل ہوں۔ خیر میں اب معافی چاہتا ہوں

اور آپ سے رخصت کی اجازت مانگتا ہوں وجہ یہ ۔۔۔۔۔۔

بردیہ - (ہنس کر) ہم سے کیا بہانے بناؤ گے - میں سمجھ گیا - آپ کے دل میں ہے کہ جن مہ جبینوں کے دن میں درشن ہو چکے ہیں اُن کی صورتیں رات کے وقت کیسی نظر آتی ہیں -

دَدُہ یا - (سنجیدہ مُنہ بنا کر) بیشک آپ خوب سمجھے - یہ اپنا اپنا مذاق ہے - کسی کو دارا کی طرح عاقلوں کی صحبت میں لطف آتا ہے کسی کو خوش وقتی و نظارہ بازی کی خواہش دامنگیر رہتی ہے -

بردیہ - اچھا اب آپ تشریف لے جایئے - میری دعا ہے کہ تینوں بہنیں آپ کو مُبارک ہوں -

دَدُہ یا - نہیں - میں صرف ایک ہی پر قانع ہوں - جو عمر میں سب سے چھوٹی ہے یعنی اسٹفانیان -

جب بردیہ - دارا اور تھیومیپوس - روڈوفس کی مجلس ختم ہونے کے بعد اس کے مکان سے رخصت ہوئے تو صبح ہو چکی تھی - ایک اور معزز یونانی بھی انکے ہمراہ تھا - اس کا نام سلوسن تھا جسے اس کے بھائی پولی کراتیس نے اپنے ملک سے نکال دیا تھا - یہ بھی اُس رات روڈوفس کا مہمان تھا اور اب ان کے ساتھ شہر اپنے گھر واپس جا رہا تھا - یہ شخص گو جلا وطن تھا مگر بھائی کی طرف سے نہایت عمدہ وظیفہ ملنے سے اس کے تمول کی تمام شہر میں دھوم تھی اور ہنرمندی سپہگری اور فضول خرچی میں بھی ایسا ہی مشہور تھا - علاوہ بریں حُسن صورت و خوش پوشاکی میں یکتائے زمانہ تھا - چنانچہ نوکراتیس کے طرحدار نوجوان اُسی کے طرز لباس کی تقلید کرتے تھے - وہ بالکل خود مختار بےفکر و بےشغل تھا اور اکثر روڈوفس کی صحبت میں شام کا وقت گذارتا تھا - یہ معزز خاتون بھی اُسے

اپنے خاص دوستوں میں شمار کرتی تھی اور اُس سے اپنے کوئی راز کی بات نہ چھپاتی تھی اس لئے اُسے سافو کے عشق کا حال بخوبی معلوم تھا۔ اُس رات کی مجلس میں یہ طے پایا تھا کہ چار دن بعد شادی منعقد ہو اور تمام رسومات خفیہ طور سے کئے جائیں بردیہ اور اُس کی منگیتر دونوں کو ساتھ بٹھا کر سفرجل[۵۱] کھلایا گیا۔ بردیہ کو زیمس ہیرا اور دیگر دیوتاؤں کی جو شادی بیاہ کی مربی و سہایک سمجھے جاتے تھے بھینٹ نذر چڑھانا پڑی اور اس طرح باضابطہ طریقہ سے اس کی منگنی کی رسم ادا ہو گئی۔ سلوسن نے اپنی تھامیسم کے مغنیوں اور شمع برداروں کی فراہم کا وعدہ کیا اور تھیوپمپوس کے مکان پر دولھا کی طرف سے دعوت ولیمہ قرار پائی۔ شہزادہ نے اپنی دُلہن کے لئے نہایت بیش بہا تحائف پیش کئے اور سافو کی جائداد لینے سے انکار کر کے اُسے بھی روڈوفس کو واپس دینا چاہتا تھا مگر وہ کسی طرح راضی نہ ہوئی غرض کہ اس گفت و شنید کے بعد جب واپس ہوئے تو سلوسن بھی اُن کے ساتھ تھیوپمپوس کے مکان تک ہو لیا۔ اور وہاں سے رخصت ہونے ہی والا تھا کہ اتنے میں سڑک پر شور و شغب کی آواز سنائی دی اور چند مصری سپاہی ایک شخص کو پابجولاں قید خانہ کی طرف لئے جاتے نظر آئے۔ قیدی اپنی ٹوٹی پھوٹی یونانی زبان میں کچھ کہہ رہا تھا مگر سپاہیوں کے کان پر جوں تک نہ رینگتی تھی جس سے وہ اور غصہ میں آ کر چلا چلا کر گالیاں سُناتا تھا۔ بردیہ اور دارا کے کان میں جیوں ہی یہ آواز گئی فوراً باہر نکل کر آئے اور اپنے دوست ڈڈ ہ یا کو دیکھ کر بہت حیران ہوئے سلوسن اور تھیوپمپوس نے آگے بڑھ کر سپاہیوں

۵۱ بقول پلوتارک۔ قانون سولن کے مطابق اتھنز کی ہر دلہن کے لئے سفرجل کا بہی کھانا ضروری تھا۔ شادی کے پہلے اس پھل کا استعمال دونوں کے دل میں محبت و الفت پیدا کرتا تھا۔ (ایبر)

کے گارڈ کو روکا اور اُن کے افسر سے پوچھا کہ بتاؤ تو اس شخص نے کیا قصور کیا ہے۔
یہ دونوں شہر کے معززین سے تھے اور افسر بھی ان سے بخوبی واقف تھا اس لئے
انھیں دیکھتے ہی اس نے سلام کیا اور جواب دیا کہ اس اجنبی نے ایک قتل کیا ہے
جس کے جرم میں اُسے پکڑ کر قید خانے لئے جاتے ہیں یہ سُنتے ہی تھیومپوس افسر
کا ہاتھ پکڑ کر ایک طرف لے گیا اور اُس سے کہا کہ اجنبی کو رہا کر دو گے تو بہت خوش
کرونگا۔ مگر اُس نے نہ مانا تاہم یونانی تاجر کی خاطر سے اُسے قیدی سے کچھ دیر
صرف گفتگو کرنے کی اجازت دے دی۔ پھر سب دوستوں نے مل کر دُودہ یا
سے پوچھا کہ جلد بتاؤ آخر یہ مصیبت تم پر کیونکر آئی۔ اس نے اپنا کل ماجرا کہہ سُنایا
اور بیان کیا کہ شام ہوتے ہی وہ اُس گل فروش حسینہ کے مکان پر پہنچا اور رات بھر
اس کے یہاں رہا جب دروازہ بند کر کے صبح باہر نکلا تو چند طاقتور نوجوان شخصوں
نے جو چھپے ہوئے کھڑے تھے اس پر یکایک حملہ کر دیا۔ ان میں سے ایک
شاید اسی لڑکی کا کوئی پرانا یار تھا جس سے پہلے بھی اُس سے جھگڑا ہو چکا تھا اب
اُس نے تلوار نکال کر اپنے دشمنوں کے حملہ کا جواب دیا۔ اُن کے پاس صرف
لکڑیاں تھیں۔ تلوار دیکھتے ہی دُم دبا کر بھاگ نکلے مگر اتفاق سے ایک شخص
یعنی وہی پرانا یار زخم کاری کھا کر زمین پر گر پڑا اور چلّانے لگا۔ "دوڑو۔ میں مر گیا۔
چور ہے" یہ آواز سُنتے ہی بہت سے پولیس والے آ پہنچے اور اُسے پکڑنا چاہا
مگر وہ اب آسانی سے کب ہاتھ آتا تھا اور شمشیر بکف پولیس پر حملہ آور ہو کر
بھگا دیتا مگر اتنے میں ایک دوسرا گارڈ آ پہنچا اور اب سب نے مل کر اُسے پکڑنا
چاہا وہ بھی پل پڑا اور ایک ایسا ہاتھ مارا کہ ان میں سے ایک سپاہی کا سر بھٹے
کی طرح اُڑ گیا اور دوسرے کے ہاتھ میں زخم کاری لگا۔ تیسرے کے سر پر تلوار
پڑنے ہی والی تھی کہ پیچھے سے ایک کمند کسی نے پھینک کر اُس کے گلے میں پھانسی

لگادی اور اس زور سے کھینچا کہ وہ بیہوش ہو کر زمین پر گر پڑا۔ پھر کچھ دیر بعد جب آنکھیں کھلیں تو پیروں میں بیڑیاں پڑی تھیں۔ اس نے اپنا پاسپورٹ دکھایا اور تھیوسیپوس کا نام لیا مگر سپاہیوں نے ایک نہ سنی اور کشاں کشاں اپنے ساتھ لے گئے۔

یہ واقعہ سنکر تاجر نے بہت افسوس کیا اور کہا کہ اس لڑائی کا نتیجہ اچھا نہ ہوگا۔ بعدہٗ افسر سے مخاطب ہو کر کہا کہ میں اس شخص کا ضامن ہوتا ہوں اسے رہا کردو۔ مگر اس نے صاف انکار کر دیا اور کہا کہ اسے چھوڑ دونگا تو خود میری جان کی خیر نہیں ہے کیونکہ یہاں کے قانون کے مطابق قاتل کا چھپانے والا بھی سزائے موت کا مستوجب سمجھا جاتا ہے اس قیدی کو فوراً سیلیز لے جاکر حاکم شہر یا نومارچ[۱] کے حوالہ کر دونگا۔ اس نے ایک مصری کو قتل کیا ہے اس لئے ایک مصری عدالت ہی اس کی سزا کا فیصلہ کر سکتی ہے۔ ڈڈیا نے اپنے دوستوں سے کہا کہ آپ لوگ مجھے میرے ہی حال پر چھوڑ دیجئے اور کچھ پرواہ نہ کیجئے۔ بردیہ نے جواب دیا کہ میں ان لوگوں سے اب علانیہ کہے دیتا ہوں کہ ہم کون ہیں شاید اس تدبیر سے تم رہا ہو جاؤ۔ مگر ڈڈیا نے اس رائے سے سخت اختلاف کیا اور کہا متھرا کی قسم۔ اگر آپ نے یہ حرکت کی تو میں ابھی تلوار اپنے سینہ میں بھونک لونگا۔ یہ لوگ یقیناً آپ کو بھی پکڑ لیں گے۔ لڑائی کی خبر شہر میں مشہور ہو چکی ہے۔ سامتیک سن پائے گا تو بہت ہی خوش ہوگا ایک سونے کی چڑیا اس کے ہاتھ آجائے گی اور آپ کو قید میں رکھکر وہ اپنا مطلب نکالے گا۔ بھائیو! کچھ اندیشہ نہ کرو۔ اہرمزد ہم سب کا حافظ و

---

[۱] مصری زبان میں صوبہ یا ضلع کو نوم اور صوبہ دار کو نومارچ کہتے تھے۔ اس کا سب سے بڑا کام زراعت کی نگرانی اور انتظام تھا۔ (ولکنس)

نگہبان ہے۔ اب جاؤ۔ اپنے غریب دوست کو کبھی کبھی یاد کرنا کہ لڑائی بھڑائی اور عشق و عاشقی کا ایسا دلدادہ تھا کہ ایک دن اسی میں اُس نے جان دیدی۔

مصری افسر نے اب اشارہ سے دوستوں کو علیحدہ ہونے کے لئے کہا اور سپاہیوں کو آگے بڑھنے کا حکم دے کر چل دیا۔ تھوڑی دیر میں وہ سب نظروں سے غائب ہو گئے اور ہمارے ایرانی اپنی مجبوری اور دوست کی مصیبت پر کفِ افسوس ملتے رہ گئے۔

باب ستائیسواں

شادی

قانون مصر کے مطابق دُدہ یا کے لئے سزائے موت یقینی تھی۔ دوستوں نے یہ سُنا تو انہوں نے عہد کر لیا کہ سیئز جا کر کسی نہ کسی طرح اُسے چھڑانے کی کوشش کریں گے۔ سلوسن بھی ان کے ساتھ چلنے پر آمادہ ہو گیا۔ اُسے مصری زبان آتی تھی اور وہاں کے لوگوں سے بھی واقف تھا۔ بردیہ و دارا نے اپنے بال و بھویں خوب رنگ لیں۔ چوڑے چھجے دار ٹوپیاں پہن لیں اور یونانی طرز کا ایک سادہ لباس زیب تن کر کے ایسی ہیئت بدل لی کہ ان کے دوست بھی بمشکل پہچان سکتے تھے۔ سلوسن کا لباس نہایت پُرتکلف تھا۔ اس کی ایک ذاتی کشتی تھی جس میں اُسی کے غلام ملاح تھے۔ تینوں اُس پر بیٹھ کر فوراً روانہ ہو گئے۔ ہوا موافق تھی کشتی بہت جلد منزل مقصود پر پہنچ گئی۔ جہاں دریائی طغیانی کی وجہ سے سیئز کے چار طرف

ایسا پانی گھرا ہوا تھا کہ وہ ایک جزیرہ بن گیا تھا۔ ہمارے مسافر دور ایک تنہا مقام پر اپنی کشتی کھڑی کر کے کنارے پر آئے اور اہل حرفہ کے محلّہ سے ہوتے ہوئے شہر میں داخل ہوئے۔ دوپہر کا وقت گرمی سخت تھی مگر لوگ اپنے کام میں ہر طرف مشغول تھے۔ نان بائی کے مکان کے کھلے ہوئے صحن میں مزدور اپنے پیروں سے آٹا اور ہاتھوں سے میدہ گوندھ رہے تھے اور تندور کے اندر سے مختلف قسم کی روٹیاں۔ پاؤ روٹی و کلچے وغیرہ جن کی طرح طرح کی شکلیں تھیں کسی کی پان کی کسی کی مچھلی۔ گھونگھے یا بھیڑ۔ بکرے وغیرہ کی۔ نکال نکال کر ٹوکریوں میں بھرتے جاتے تھے اور بہت سے چُست و چالاک لڑکے دو دو تین تین ٹوکریاں اپنے سروں پر رکھے بڑی پُھرتی سے اُن دوکانوں میں[۱] جو شہر کے دوسرے حصہ یا بازار میں تھیں پُہنچا دیتے تھے۔ اسی طرح قصاب اپنی چُھریاں پتھر پر تیز کر رہے تھے اور مکان کے سامنے بیلوں کو باندھ کر ذبح کرنے میں مصروف تھے۔ موچی و جوتے فروش آنے جانے والوں کو آوازیں دے دے کر اپنی طرف مخاطب کرنا چاہتے تھے اور بڑھئی۔ درزی۔ اور جُلاہے وغیرہ بھی بڑی تن دہی کے ساتھ اپنے اپنے مشاغل میں منہمک نظر آتے تھے۔ اہل حرفہ کی بیویاں اپنے ننگے بچّوں کی انگلیاں پکڑے خرید و فروخت کی غرض سے گھر سے باہر جا رہی تھیں اور چند سپاہی ایک کلار کی دوکان کے پاس جو لب سڑک تھی شراب کا مول بھاؤ کر رہے تھے ہمارے دوستوں نے ان باتوں کی طرف بہت کم توجہ کی۔ اور سلوسن کے پیچھے پیچھے ہو لئے جو یونانی فوج کی چوکی کے پاس پُہنچکر ٹھیر گیا۔ پھر اپنے ساتھیوں کو باہر

[۱] مصری غذا کے متعلق ہم اوپر لکھ چکے ہیں۔ وہ مچھلی کے بڑے شایق تھے۔ یا تو تازی کھاتے یا دھوپ میں سُکھا کر اُسے خشک کر لیتے تھے۔ دریائی پرند یعنی مرغابی وغیرہ بھی کھاتے تھے عوام جو کی شراب کے بڑے دلدادہ تھے۔ (ہسٹری آف ورلڈ)

ہی کھڑا کر کے خود اندر گیا۔ اور اُس افسر سے جو اس وقت پہرہ پر تھا ال کر پوچھنے لگا کہ آپ کو ایک قیدی کا حال معلوم ہے جو ابھی ابھی نوکراٹس سے یہاں لایا گیا ہے

افسر۔ ہاں مجھے معلوم کیوں نہیں۔ ابھی آدھ ہی گھنٹہ تو ہوا ہے کہ مصری سپاہی ایک قیدی کو پکڑ کر لائے ہیں۔ اس کی تلاشی لی گئی تو کمر کی پٹی میں سونے سے بھری ہوئی ایک تھیلی دستیاب ہوئی ہے اس لئے سب کا خیال ہے کہ وہ کوئی ایرانی جاسوس ہے۔ شاید تم نے بھی سُنا ہوگا کہ شاہ ایران مصر پر حملہ کرنے کی تیاریاں کر رہا ہے۔

سلوسن۔ سچ کہو۔ یہ تو تم نے عجیب خبر سُنائی۔

افسر۔ یہ بالکل صحیح ہے بلکہ فرعون کو بھی اب اس کی تصدیق ہوگئی ہے۔ عرب تاجروں کا ایک قافلہ جو کل پلوسیم میں داخل ہوا تھا۔ یہ خبر لایا ہے۔

سلوسن۔ ممکن ہے کہ محض ایک افواہ ہو اور اس غریب قیدی پر جو لیڈیہ کا باشندہ ہے ناحق شبہ کیا جاتا ہو۔ میں اس شخص سے اچھی طرح واقف ہوں اس لئے مجھے اُس کے حال پر رحم آتا ہے۔ یہ اپنے ملک کے ایک نہایت متمول خاندان سے ہے۔ ایرانی ستریپ سے کچھ بگاڑ ہو گیا تھا اس لئے اُس کے ڈر سے یہاں بھاگ آیا ہے۔ یہ بھی ایک عجیب واقعہ ہے جس کا مفصل حال جب نوکراٹس کی سیر کرنے آؤگے تو بیان کرونگا۔ مجھے امید ہے کہ تم اپنے دوست واحباب کو بھی ساتھ لاؤگے اور میرے ہی یہاں مہمان رہوگے۔ میرے بھائی نے ساموس سے کچھ شراب بھیجی ہے جو ایسی اعلےٰ درجہ کی ہے کہ شاید تم نے کبھی نہ چکھی ہوگی تم ایسے قدردان کے سوا میں چاہتا ہوں کہ اور کسی کو اس دعوت میں شریک کروں

یہ سُنتے ہی ٹمسیارک کا چہرہ بشاش ہو گیا اور سلوسن کا ہاتھ پکڑ کر کہنے لگا۔ "واہ دوست۔ قسم ہے کیا مزے کی بات سُنائی ہے۔ میں ضرور آؤنگا۔

تم نے شراب کا نام لیتے ہی میرے دل کو بیتاب کر دیا۔ بھئی اُن تین گل فروش بہنوں کو بھی ضرور بُلانا اور چند بانسری بجانے والے بھی اُس وقت ہوئے تو لطف آجائیگا۔

سلوسن۔ میں اُن سب کو بلاؤں گا۔ گل فروشوں کے نام لیکر تم نے مجھے یاد دلایا کہ اس غریب قیدی پر بھی انھیں کی وجہ سے یہ مصیبت آئی ہے۔ کسی بدمعاش لُچّے آدمی نے اپنے چند دوستوں کے ساتھ اُن کے مکان کے سامنے ہی اُس پر حملہ کرنے کا قصد کیا تھا مگر یہ بھی بڑا دل چلا جوان ہے اپنی جان بچانیکے لئے...

افسر۔ اس نے دشمن کو مار کر زمین پر گرا دیا۔

سلوسن۔ اور ایسا گرایا کہ اُس نے پھر سانس تک نہ لی۔

افسر۔ شاباش۔ بڑا بہادر آدمی معلوم ہوتا ہے؟

سلوسن۔ اس کے پاس تلوار تھی۔

افسر۔ یہ اور بھی اچھا ہوا۔

سلوسن۔ نہیں بلکہ بہت بُرا ہوا کیونکہ اس کا حریف ایک مصری تھا۔

افسر۔ ٹھیک کہتے ہو۔ معاملہ بہت بے ڈھب نظر آتا ہے۔ کسی اجنبی سے اگر کوئی مصری قتل ہو جائے تو پھر اُسے کہیں پناہ نہیں مل سکتی۔ اور فوراً اُس کی گردن ماری جاتی ہے۔ بہر حال چند دنوں کی مہلت تو اُسے مل ہی جائے گی۔ کیونکہ وہ پروہت جو اُس کی قسمت کا فیصلہ کریں گے آج کل بہت عدیم الفرصت ہیں اور بیمار بادشاہ کے لئے دعا و دوا کرنے میں مصروف ہیں۔

سلوسن۔ میں اس غریب لڑکے کے باپ سے بھی واقف ہوں اور اُس کی جان بچانے کے لئے بہت زر و جواہر دینے کے لئے تیار ہوں۔

افسر۔ بیشک۔ اور اُس نے قصور ہی کیا کیا تھا اپنے بچاؤ کے لئے ہاتھ اُٹھایا تھا۔ بھلا کوئی شخص مار کھالے اور کچھ نہ بولے۔

سلوسن۔ تمہیں یہ بھی معلوم ہے کہ وہ غریب کس قیدخانہ میں ہے؟

افسر۔ ہاں۔ بڑا قیدخانہ تو آج کل زیر تعمیر ہے اس لئے اُسے اسباب کی ایک کوٹھری میں جو مصری باڈی گارڈ کی بڑی چوکی و معبد نلتیھ کے کنج کے درمیان واقع ہے بند کر دیا ہے۔ جب میں گھر واپس جا رہا تھا تو میں نے دیکھا تھا کہ سپاہی اُسے وہاں لئے جا رہے ہیں۔

سلوسن۔ وہ نہایت دلیر و طاقتور شخص ہے۔ تمہارے خیال میں اگر اُسے مدد پہنچائی جائے تو رہائی کی کچھ امید ہو سکتی ہے؟

افسر۔ مجھے تو یہ ناممکن معلوم ہوتا ہے جس مکان میں وہ مقید ہے وہ دو منزلہ ہے اور اُس کی صرف ایک ہی کھڑکی ہے جس کا رُخ کنج کی جانب ہے اور تمہیں معلوم ہی ہے کہ اس کنج کے چاروں طرف دس دس فٹ اونچی دیواریں ہیں اور اُس کی کس سختی کے ساتھ حفاظت کی جاتی ہے۔ تمام دروازوں و پھاٹکوں پر دُہرا دُہرا پہرہ ہے۔ صرف اُس رُخ پر جو دریا کی طرف ہے طغیانی کے زمانہ میں کوئی پہرہ نہیں ہوتا۔ یقین جانو یہ جانوروں کے پوجنے والے سیار دلومڑی سے بڑھکر ہوشیار و چالاک واقع ہوئے ہیں۔

سلوسن۔ افسوس۔ تو اب کوئی چارہ نہیں۔ غریب نوجوان کو اسی کی قسمت پر چھوڑ دینا چاہئے۔ میں اب جاتا ہوں مگر دمونز دیکھو اپنا وعدہ مت بھولنا اور ضرور میرے یہاں آنا۔

سلوسن یہ کہکر باہر نکل آیا اور اپنے دوستوں کے پاس جاکر یہ تمام واقعہ کہہ سُنایا۔

دارا۔ مجھے تو پوری امید ہے کہ ہم ذرا سی ہمت کر جائیں تو رہائی کی صورت نکل سکتی ہے۔ دُدہ بابلی کی طرح تیز و چالاک اور ریچھ کی مانند قوی و تنومند ہے۔

میرے ذہن میں ایک نہایت عمدہ تدبیر آئی ہے۔

سلوسن - وہ کیا۔ ذرا میں بھی تو سُنوں۔ امید تو میری بھی ابھی تک منقطع نہیں ہوئی ہے۔

دارا - ہم ایک رسی کی سیڑھی۔ ایک مضبوط ڈوری۔ اور ایک کمان خرید لینگے اور کشتی میں بیٹھ کر اندھیرا ہوتے ہی مندر کی اُس دیوار کے قریب جائیں گے جہاں آج کل پہرہ نہیں ہے۔ تم تھوڑی سی میری مدد کرو گے تو میں یہ سب چیزیں لیکر اوپر چڑھ جاؤں گا اور گدھے کی بولی بولوں گا جسے سنتے ہی دُدہ یا فوراً پہچان لیگا کہ کون آیا ہے۔ کیونکہ لڑکپن سے ہم دونوں ایک دوسرے کو اسی اشارہ سے بلاتے تھے۔ پھر میں اپنے ایک تیر میں ڈوری اُلجھا کر تاک لگا کے اس کے کمرے میں پھینکوں گا۔ اس سے چلا کر کہونگا کہ اس میں کوئی بھاری چیز باندھ کر نیچے لٹکا دو پھر اس کے سرے پر رسی کی سیڑھی اور ایک کیل باندھ دونگا جسے وہ اوپر کھینچ لیگا اور کیل دیوار میں ٹھونک کر سیڑھی باندھ کر بآسانی نیچے اُتر آئے گا اور ہم دونوں کشتی میں بیٹھتے ہی فوراً ہوا ہو جائیں گے۔

بردیہ - کیا کہنا۔ لاجواب تدبیر ہے۔

سلوسن - مگر نہایت خطرناک بھی ہے۔ اُترتے وقت اگر کسی نے دیکھ لیا تو جان کی خیر نہیں ہے۔ پروہت رات ہی کے وقت وہاں اپنے بعض مذہبی رسومات کیا کرتے ہیں جنھیں سوائے چند لوگوں کے اور کوئی نہیں دیکھ سکتا۔ مگر وہ تالاب جہاں یہ خفیہ و رازدار مجلسیں ہوتی ہیں۔ دُدہ یا کے قیدخانہ سے کسی قدر فاصلہ پر ہے۔

دارا - یہ اور بھی اچھا ہے۔ اب زیادہ دیر نہ کرنا چاہیئے اور سب سے پہلے تھبو میوس کو لکھنا چاہیئے کہ نوکراٹیس میں ایک نہایت تیز رفتار جہاز کرایہ پر لیکر ہمارے

لئے تیار رکھے۔ لڑائی کی خبر مشہور ہو گئی ہے۔ دُدہ یا کی رہائی کا جب حال معلوم ہوگا تو سب لوگ ہمیں جاسوس خیال کریں گے اور بڑی شدت کے ساتھ ہمارا تعاقب کریں گے۔ ہمیں بلا ضرورت اپنے آپ کو خطرہ میں ڈالنا مناسب نہیں ہے۔ بردیہ تمہارے سپرد یہ تمام انتظام ہے۔ اب پہلا فرض یہ ہے کہ جلد واپس جاکر آج ہی اپنی شادی وغیرہ سے بھی فارغ ہو جاؤ کیونکہ بہر حال کل صبح تک ہمیں فوراً نوکراٹیس سے روانہ ہو جانا چاہیے۔ دیکھو زیادہ چون وچرا اور یہاں ٹھیرنے کی ضد نہ کرو۔ تمہارا رہنا بالکل فضول ہے۔ ناحق تماشہ دیکھنے سے کیا فائدہ۔ ددہ یا کی رہائی کے لئے بس صرف ایک ہی شخص کی ضرورت ہے۔ میں نے ہی یہ تدبیر سوچی ہے اور سوائے میرے کوئی اس میں دخل نہ دینے پائیگا۔ ہرمز ہمارا نگہبان ہے۔ اس کی مدد شامل حال رہی تو کل ہم تینوں پھر ایک دوسرے سے بخیریت مل جائیں گے۔

بردیہ اس پر کسی طرح راضی نہ ہوتا تھا اور بڑی دیر تک حجت وتکرار ہوتی رہی بالآخر سب کے سمجھانے بجھانے سے مان گیا اور ایک کشتی کی فکر میں دریا کی طرف چل دیا سلوسن اور دارا نے رسی وغیرہ مول لینے کے لئے شہر کی راہ لی۔ بردیہ کو کرایہ کی کشتی ڈھونڈھنے کے لئے معبد نتیھ کے قریب سے گذرنا پڑا۔ یہاں لوگوں کا اس قدر اژدہام تھا کہ اس کو راستہ ملنا دشوار ہو گیا۔ پروہت اُس شاہراہ سے جو کنج ابوالہول کے قریب سے گذرتی تھی مجمع کو ہٹانے کا حکم دے رہے تھے۔ مندر کے پھاٹک پر رنگ برنگ کے پھریرے اُڑ رہے تھے۔ بردیہ نے آگے بڑھنا چاہا تو لوگوں کے دھکم دھکا سے اتفاقیہ سب سے اگلی صف پر جا پہنچا۔ یہاں مجبوراً اُسے ٹھیرنا پڑا۔ اتنے میں پیلان[۱] کا عظیم الشان پھاٹک کھلا۔ اور معبد کے

[۱] پیلان۔ معبد کا خاص طرز کا دروازہ۔

اندر سے ایک بہت بڑا جلوس[1] باہر نکلتا ہوا نظر آیا۔ جس کا تماشہ دیکھنے میں بردیہ ایسا محو ہو گیا کہ اُسے اپنی ٹوپی کا بھی جو سر سے کہیں گر کر مجمع میں غائب ہو گئی تھی خیال نہ رہا۔ اس کے پیچھے دو یونانی سپاہی کھڑے ہوئے آپس میں باتیں کر رہے تھے جس سے معلوم ہوا کہ اراکین خاندانِ شاہی فرعون کی دعائے صحت مانگنے اور نذریں و بھینٹ چڑھانے کی غرض سے مندر میں گئے ہیں اور اب واپس آنے والے ہیں۔ بردیہ کو بھی چند صورتیں نظر آئیں جن سے وہ آشنا تھا۔ جلوس کے آگے آگے بڑے بڑے پروہت تھے جن کے جسم پر شیر کی کھالیں یا لانبے سفید کپڑے تھے۔ بعدہٗ خاص درباری و عمائدینِ سلطنت آئے جن کے زریں عصاؤں پر مور کے پر یا کنول کے نقرئی پھول لگے تھے۔ انکے پیچھے پستوفور[2] تھے جو جو ایک سونے کی گائے اپنے کاندھوں پر اُٹھائے ہوئے جا رہے تھے۔ یہ گائے آسس کا نشان تھی جسے دیکھتے ہی لوگوں کی گردنیں ادب سے

---

[1] مصری اس قسم کے مذہبی جلوسوں کے بہت شائق تھے اور انھیں بڑی دھوم سے نکالتے تھے سب سے بڑے جلوس معبدوں کے تھے جن کی دو قسمیں تھیں۔ ایک تو چھت دار سائبان نما تابوت دوسری مقدس کشتی۔ موجودہ زمانہ کے تعزیوں کی طرح وہ اپنے مختلف دیوتاؤں اور بادشاہ کے نام کے تابوت بناتے جن میں اُن کے بُت یا نشان وغیرہ ہوتے تھے۔ نیچے لکڑی کے ڈنڈے لگے رہتے جنھیں ۱۲-۱۶ پروہت بجائے کہاروں کے اپنے سروں پر رکھے ہوئے لے جاتے تھے۔ مہا پروہت بھی ہمراہ چلتا۔ پیچھے ایک بڑا جلوس اور گانے والوں کا گروہ بھی ہوتا تھا۔ پروہت شہر کی سڑکوں پر سے گذرتے ہوئے معبد میں جا کر ان تابوتوں پر شرابیں و پھول چڑھاتے اور نذر و نیاز کی رسوم کرتے تھے۔ (ولکنس)

[2] پستوفور۔ یہ وہ پروہت تھے جو جلوس میں دیوتاؤں کے بُت مقدس تصاویر وغیرہ اپنے ہاتھوں میں لئے ہوتے۔

جھک گئیں۔ بعد ازاں ملکہ کی سواری نظر آئی۔ وہ ایک بڑی پجارن کا لباس پہنے تھی۔ سر پر ایک مرصع تاج تھا جس پر پر دار قرص کی شبیہ تھی اور سامنے افعی کے پھن اُٹھے ہوئے تھے۔ اُس کے داہنے ہاتھ میں کنول کے پھول تھے اور بائیں ہاتھ میں ایک طلائی سسترم[1] جس کی آواز سے بھوت پریت بھاگتے تھے۔ ملکہ کے پیچھے پروہت اعظم کی بیوی اور اُس کی ایک لڑکی و بہن تھی۔ جن کی پوشاک گو ایسی شاندار نہ تھی۔ مگر ملکہ سے ملتی جلتی تھی۔ بعدہٗ ولیعہد اپنا لباس شاہانہ زیب تن کئے نظر آیا اُسکے پیچھے چار سفید پوش نوجوان پروہت تھے جو اپنے کاندھوں پر ایک کھلا ہوا تخت رواں اُٹھائے ہوئے تھے جس پر دختر اماسس یعنی ننتیس کی بہن تاشتو تکیوں و گدّوں کے سہارے سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی۔ اس کا زرد چہرہ شدت گرمی و وفور غم سے تمتما رہا تھا۔ اس کی نیلگوں آنسو بھری آنکھیں اس باجے یا سسترم کو بغور دیکھ رہی تھیں جسے اُس کے کمزور ہاتھ مشکل سے سنبھال سکتے تھے۔ تاشتو پر نگاہ پڑتے ہی سب کی زبان سے افسوس و ہمدردی کے کلمات بیساختہ نکلے۔ کیونکہ ایک دوشیزہ لڑکی جو بکمال جاہ و ثروت و نازو نعم میں پلی ہو نحیف و زار ہو جائے تو قدرتی طور سے ہر شخص اُسے دیکھکر رنج کرتا ہے۔ چہ جائیکہ اُن کی پیاری شہزادی۔ اُن کے دنیوی دیوتا یعنی اُنکے مقدس فرعون کی بیٹی جو خود ہی بستر مرگ پر پڑا ہوا کچھ دنوں کا مہمان ہو ظاہر ہے کہ اُسے ایسا بیمار و خستہ حال دیکھ کر انھیں کس قدر صدمہ و الم ہوتا ہوگا۔ بہت سے لوگ ڈاڑھیں مار کر بے اختیار رونے لگے جسے شہزادی نے محسوس کیا تو اُن کی ہمدردی و محبت کے ادائے شکریہ کے خیال سے اپنی آنکھیں اُٹھا کر

---

[1] سسترم اس باجہ کا استعمال عبادت اور مذہبی رسومات کے لئے مخصوص تھا۔ اس کی شکل ایک کمان کی طرح تھی۔ جس میں لکڑیوں پر بہت سے چھلّے لگے تھے جو جنبش دینے یا ہلانے سے بجتے تھے۔ (ا ہیرا)

سامنے مجمع کی طرف دیکھا۔ یکایک اس کے چہرہ کا رنگ فق ہوگیا۔ ہاتھ پیر کانپنے لگے اور وہ طلائی باجہ یعنی ستر ہم چھوٹ کر زمین پر گر پڑا اور اتفاق سے بردیہ کے قدموں کے پاس آگیا۔ بردیہ سمجھا کہ شہزادے نے اسے پہچان لیا اور اس فکر میں تھا کہ پیچھے ہٹ کر مجمع میں کہیں چھپ جائے لیکن صرف ایک ہی لحظہ کے لئے یہ خیال آیا۔ فوراً اس کی حمیت و مردانگی نے جوش مارا اور احتیاط و دور اندیشی سب بالائے طاق رکھ کر چشم زدن میں اس نے لپک کر باجہ اٹھا لیا اور آگے بڑھ کر اسے شاہزادی کے سامنے مؤدبانہ پیش کیا۔ تاشو باجہ لے کر ایک ایسی نگاہ سے ایرانی کی طرف دیکھنے لگی گویا اس سے کچھ پوچھنا چاہتی ہے۔ کئی بار اس کے ہونٹوں کو حرکت ہوئی پھر دبی زبان سے اس قدر آہستہ کہ کسی کے کان تک آواز نہ گئی بولی "آہ! یہ عالم خواب ہے یا بیداری۔ تم کیا بردیہ ہو؟ اجنبی! بتھیں اپنی محترم ماں کی قسم سچ کہنا تم ہی بردیہ ہو۔ نا؟

بردیہ۔ (آہستہ سے) "آپ کا خیال صحیح ہے۔ میں ہی آپکا قدیم نیازمند بردیہ ہوں"۔ اس سے زیادہ اور اس کی زبان سے کچھ نہ نکل سکا۔ خادموں و چوبداروں نے اسے ڈھکیل کر پیچھے کر دیا اور جب تک اپنی جگہ سنبھل کر کھڑا ہوا شہزادی کی سواری آگے نکل گئی۔ مگر وہ بار بار پلٹ کر اسی کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اس کے رخسارے سرخ تھے اور آنکھوں میں ایک عجب جذبہ، ایک عجیب و غریب چمک پیدا ہوگئی تھی بردیہ بھی برابر اسے دیکھتا رہا۔ جب وہ بالآخر نظر سے اوجھل ہوگئی تو اس نے کنول کا وہ پھول جسے تاشو چلتے وقت اس کے پیر کے پاس پھینک گئی تھی جھک کر اٹھا لیا اور مجمع کو چیرتا ہوا باہر نکل کر اپنے راستہ پر ہولیا۔ تھوڑی دیر کی تلاش کے بعد اسے ایک کشتی مل گئی جس میں بیٹھ کر وہ نوکراتیس روانہ ہوگیا۔ اسے دُدُہ بابا کی طرف سے کچھ اندیشہ نہ تھا۔ کیونکہ اس کی رہائی کا اسے پورا یقین تھا۔ تاہم اور بکثرت

خطرات تھے جن میں باوجود گھرے ہونے کے اس کا دل ایسے اطمینان و مسرت سے بھرا ہوا تھا کہ خود اُسے حیرت تھی۔ شہزادی جب محل میں داخل ہوئی تو خواصوں نے اس کی بھاری پوشاک جو اُسے تکلیف دہ تھی اُتار کر ہلکے کپڑے پہنا دیئے اور اُس کی مسہری ایک ہوادار سائبان میں جہاں پھولوں کے گملے چاروں طرف رکھے تھے بچھا دی۔ گرمی کے دنوں میں یہ مقام نہایت پُر فضا تھا۔ اُس کا رُخ محل کے اُس صحن کی طرف تھا جہاں ایک مختصر خوشنما چمن لگا تھا اور ٹھنڈی ہوا آتی تھی۔ اس وقت اس صحن میں بکثرت پروہت، درباری، اور افسران فوج جمع تھے جن کے چہروں سے غیر معمولی فکر و تردد کے آثار نمایاں تھے۔ کیونکہ اماسس کی حالت بہت ابتر تھی اور ہر گھڑی اُس کی موت کی خبر آنے والی تھی۔ تاشو جہاں لیٹی تھی اُسے کوئی نہ دیکھ سکتا تھا مگر وہ خود ہر ایک بات بآسانی سُن سکتی تھی۔ پروہتوں کو جب یقین ہو گیا کہ فرعون قریب المرگ ہے تو اس کی ثنا و صفت کے طومار باندھنے لگے۔ اس کی عقل و دانش۔ اس کے اصلاحات مُلکی۔ اس کے اعتدال۔ سلامت روی۔ اور عدل و انصاف کی تعریفیں کرنے لگے۔

ایک نومارچ ”مصر کو جو خوش حالی اس کے زمانہ میں نصیب ہوئی کبھی نہ ہوئی ہو گی۔“

افسر فوج۔ ”اور قبرس اور لیبیا کی فتوحات نے بھی ہمارے ملک کے لئے بڑی ناموری پیدا کی۔“

نیتھ کا ایک پوجاری۔ ہمارے مندر کیسے آباد کئے اور نیتھ دیوی کی پرستش جگا دی

ایک درباری۔ ہائے کیسا نیک دل و مہربان بادشاہ تھا۔

میر منشی۔ ملک میں کیا عمدہ انتظام اور امن و امان رہا۔

خزانچی۔ (آنسو پونچھکر) خزانہ بھر گیا اور سلطنت کی آمدنی دہ چند ہو گئی۔

دوسرا درباری - ولیعہد کے بیشمار دولت ہاتھ آئے گی۔
ایک فوجی سردار - جو شاید ہی جنگی نام آوری اور فوجی اصلاحات کے لیئے خرچ کی جائے۔ وہ حد سے زیادہ پروہتوں کے زیر اثر ہیں۔
ایک پروہت - تم غلطی پر ہو - اب آج کل تو وہ اُن سے بھی خفا ہیں اور اپنے وفادار غلاموں کے مشورے پر عمل نہیں کرتے۔
نو مارچ - ایسے حاکم کے بعد پھر کسی دوسرے کا ہر دلعزیز ہونا ذرا مشکل ہے ہر شخص اماسس کی طرح عقلمند - دور اندیش اور خوش قسمت نہیں ہو سکتا۔
افسر فوج - ہاں اس کا حال تو دیوتا ہی جانیں۔
تاشو نے یہ گفتگو سُنی تو زار و قطار رونے لگی - جو بات اُس سے چھپائی گئی تھی وہ اُسے معلوم ہو گئی - اور اب یقین ہو گیا کہ اُس کے پیارے باپ کا سایہ جلد اُٹھنے والا ہے - اُس نے رو کر اپنی خواصوں سے کہا کہ مجھے باپ کے پاس جلد لے چلو مگر انھوں نے اُسے بہلا کر خاموش کر دیا - اتنے میں اُسکی نظر باجہ پر پڑی اور بردیہ کا خیال آتے ہی دل کو ایک عجیب تسکین و تسلی ہو گئی۔ اُس کی تمنا و آرزو بر آئی یعنی جیسے اُس کی آنکھیں ایک عرصہ سے ڈھونڈھ رہی تھیں اُس کا دیدار نصیب ہو گیا - اس نے اشارہ سے ایک خواص کو باجہ بجانے کے لئے کہا جس کی سُریلی آواز نے اُس کے جذبات اور تیز کر دیئے اور اُسے ایک دوسری ہی دنیا میں پہنچا دیا - وہ دنیا جو درد و دُکھ سے خالی ہے اور جہاں ہمیشہ خوشی و مسرت کے شادیانے بجا کرتے ہیں - اب اس پر ایک قسم کی غنودگی سی طاری ہو گئی جو اکثر تپ دق کے مریضوں کو کمزوری کی وجہ سے آتی ہے اور اس حالت میں انھیں بہت اچھے اچھے خواب نظر آتے ہیں - خواصیں جو پاس بیٹھی پنکھا جھل رہی تھیں اس کی صورت پر ایسی بحالی و صحت کے آثار دیکھ کر متحیر ہو گئیں

اور دل میں کہنے لگیں کہ شہزادی تو پہلے کبھی ایسی حسین و دلفریب نظر نہ آئی تھیں۔
قریباً ایک گھنٹہ اسی حالت میں گذر گیا۔ پھر یکایک اُس کی سانس جلدی جلدی چلنے لگی۔ کھانسی کا ایک جھٹکا آیا اور بہت سا خون مُنہ سے نکل کر اس کے سفید کپڑوں پر گر پڑا۔ وہ جاگ اُٹھی اور حیرت و مایوسی سے وحشت زدہ اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔ اتنے میں ملکہ یعنی ماں کو پاس آتے دیکھا تو اُس سے مُسکرا کر کہنے لگی " اماں جان مجھے بڑے اچھے اچھے خواب نظر آئے ہیں۔
ملکہ۔ (جو اپنی لخت جگر کے ہونٹوں کو خون آلودہ دیکھ کر گھبرا گئی تھی) میں کہتی نہ تھی کہ مندر میں جانے سے میری پیاری کو بہت فائدہ ہوگا۔
تاشو۔ ہاں اماں جان۔ آپ سچ کہتی ہیں۔ میں نے اسے دیکھ لیا۔
ملکہ نے یہ سُنا تو خوف زدہ ہو کر خواصوں کی طرف دیکھنے لگی گویا یہ پوچھنا چاہتی تھی۔" تمہاری بیوی کو کیا ہو گیا جو ایسی بہکی بہکی باتیں کرتی ہیں۔
تاشو اپنی ماں کی نظر سے اُس کا خیال سمجھ گئی اور اپنے دونوں ہاتھ نیچے ٹیک کر بڑے پُرجوش لہجہ سے بولی " اماں جان۔ آپ کیا سمجھتی ہیں کہ میرا دماغ بہک گیا ہے۔ سچ کہتی ہوں میں نے اُنھیں صرف دیکھا ہی نہیں بلکہ اُن سے باتیں بھی کیں۔ اُنھیں نے یہ باجہ مجھے اُٹھا کر دیا اور اپنی محبت کا اقرار بھی کیا۔ پھر میرے کنول کا پھول لے کر لوگوں کے مجمع میں کہیں غائب ہو گئے۔ اماں جان۔ کیا اب بھی آپ کو یقین نہیں آتا اور میری طرف ایسی حیرت سے دیکھتی ہیں۔ میں قسم کھا کر کہتی ہوں کہ یہ خواب کی باتیں نہیں بلکہ حرف بحرف صحیح ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ وہ سیلیر صرف مجھی سے ملنے آئے تھے۔ اب میں سمجھتی ہوں کہ میں بالکل اچھی ہو گئی۔ میں خواب میں ابھی دیکھ رہی تھی کہ ایک پوستہ کے کھیت میں گئی ہوں جس کے پھول خون کی طرح سُرخ ہیں۔ یہ دیکھ میرے

پہلو میں ہیں اور بہن نفتیتس بھی دو زانو بیٹھی ہوئی اپنا ننھا دانت کا شبلا[۱] ہاتھ میں لئے بڑے اچھے اچھے گیت گا رہی ہیں۔ آسمان سے بھی کچھ آوازیں آتی ہیں۔ اور ہورس جو صبح صادق موسم بہار و روز قیامت کے دیوتا ہیں نیچے اتر کر میری پیشانی کا بوسہ لیتے ہیں۔ اماں جان۔ میں سچ کہتی ہوں کہ میرا پیارا سپر عنبر و رانیکا اور جب میں اچھی ہو جاؤں گی تو .... ہائے اماں جان۔ جلدی آ جاؤ مجھے کیا ہوا جاتا ہے" پھر ایک ہچکی آئی اور یکایک سانس اکھڑ گئی۔ لیٹہ جل گھبرا کر دوڑی اور اپنی پیاری بچی کے مونھ پر مونھ رکھ کر چومنے لگی۔ مگر وہاں کیا تھا۔ آنکھیں بند ہو گئیں اور روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ ملکہ اپنا سر پیٹ کر رونے لگی۔ ایک گھنٹے بعد جب اُسے ہوش آیا تو دیوانہ وار دوسرے کمرے میں پہنچی جہاں اُس کا پیارا شوہر بستر مرگ پر پڑا دم توڑ رہا تھا۔ ملکہ کی آہٹ پاتے ہی اُس نے آنکھیں کھول دیں اور آہستہ سے پوچھا "تاشو کو بھی تم اپنے ساتھ کیوں نہ لیتی آئیں"

ملکہ۔ (آنسو ضبط کر کے) وہ بہت بیمار ہے اور اس وقت اُٹھنے قابل .....

اماسس۔ میں سمجھ گیا۔ یہ کیوں نہیں کہتیں کہ وہ دوسری دنیا کو سدھاریں۔ (آبدیدہ ہو کر) تاشو بیٹا گھبرانا نہیں۔ تمہارا باپ بھی پیچھے آتا ہے۔ موت برحق ہے وہ سزا نہیں ہے بلکہ ایک نئی دائمی زندگی کا پیش خیمہ ہے اور اُس راہ پرخطر کی پہلی منزل ہے جسے صرف دیوتا ہی جان سکتے ہیں کہ راحت و آرام یا تکلیف و عذاب کے ساتھ طے ہوگی۔ میری تاشو کو را اپنی خاص و برگزیدہ بندوں کے ساتھ خود اپنی کشتی میں بٹھا کر آسرس کے حضور میں لے جائے گا۔ جو مجھے یقین ہے کہ اس سے بہت اچھی طرح پیش آئیں گے کیونکہ وہ بالکل معصوم و بیگناہ ہے۔

---

[۱] شبلا۔ قدیم مصری باجہ

نتیتیس بھی مرگئی نبنچاری کا خط ذرا دکھانا۔ ہاں اب مجھے یاد آیا اس میں لکھا تھا کہ وہ زہر کھا کر مرگئی اور مرتے وقت ہم دونوں کو بددعا دیگئی۔ یہ بدلہ مجھے اس لئے ملا کہ ایک غریب شخص کو بے قصور میں نے جلاوطن کرکے اس پر ظلم وستم کیا تھا۔ سامتیک ذرا کان کھول کر سُن اور اپنے مرنے والے باپ کی یہ نصیحت یاد رکھ کہ ہر بُرا فعل جس سے اس دنیا میں کاہ برابر خوشی حاصل ہوتی ہے مرنے کے بعد وہی ایک کوہ برابر رنج وما یوسی کا باعث ہوگا۔ نتیتیس کی وجہ سے مصر پر بڑی بڑی مصیبتیں آنے والی ہیں۔ عرب تاجر جو خبر لائے ہیں وہ صحیح ہے۔ کمبوجیہ ہمارے خلاف تیاریاں کررہا ہے اور عنقریب مصر پر بادسموم کے تُند وغضبناک جھونکوں کی طرح حملہ آور ہوگا۔ میں نے جو کچھ بنایا یا سنوارا تھا جس کیلئے میری تمام قوت صرف ہوگئی۔ میری نیند حرام ہوگئی افسوس کہ اب چشم زدن میں تباہ وبرباد ہوجائیگا۔ تاہم مجھے یہ تسکین ہے کہ میری زندگی بالکل بیکار نہیں گئی کیونکہ چالیس[1] سال تک میں نے اپنی رعایا پر ماں باپ سے زیادہ شفقت واحسانات کئے ہیں۔ آیندہ نسلیں اماسس کا نام لیں گی تو کہیں گی کہ وہ ایک نیک وعادل بادشاہ تھا اور اپنے ابنائے جنس کے ساتھ ہمدردی والفت رکھتا تھا۔ پھر وہ تھیبز و سیئز کی عالی شان عمارتوں پر

---

[1] اماسس نے گو ملکی دولت بڑھانے کی کوشش کی مگر وہ رعایا کی نظروں میں زیادہ ہر دل عزیز نہ تھا کیونکہ نہ صرف یونانیوں پر خاص مہربان تھا بلکہ اُسکے حکم سے سال میں ایک مرتبہ ہر شخص کو اپنے ذرائع آمدنی ظاہر کرنا ضروری قرار دیا گیا تھا۔ جو اُنھیں سخت ناپسند تھا۔ اسی لئے ممفس میں ایک بغاوت بھی ہوئی جسے فرو کرنے کیلئے اُسے یونانی فوج سے کام لینا پڑا۔ اسی طرح غیر ملکیوں سے جو اُسکے تعلقات تھے اُنسے تلون ونا پایداری کا اظہار ہوتا تھا۔ کیونکہ گو اُس نے مختلف حکمرانوں سے باہمی مدافعت کی غرض سے کئی بار عہد وپیمان کئے لیکن عین وقت پر انھیں مدد نہ دی جس سے ایرانیوں کو اپنے فتوحات کا موقع مل گیا اور خود اس کے ملک پر آفت آئی۔ (ڈونلڈ میکنزی)

اُن کے بانی کا نام پڑھیں گی تو ضرور اُس کی اُولوالعزمی وجاہ و ثروت کی تعریفیں کرینگے۔ اور یہ بھی مجھے یقین ہے کہ جب میں اس کالبدِ خاکی کو چھوڑ کر آسرس اور اُس کے چوبیس[۲۴] ججوں کے سامنے عالم تحت الثریٰ میں پیش کیا جاؤں گا تو وہ بھی مجھے مردود اور راندۂ بارگاہ قرار نہ دیں گے۔ اور سچائی وصدق کی دیوی[۵] جب اپنے میزان میں میرے اعمال تولے گی تو میری نیکیوں کا پلّہ بُرائیوں سے زیادہ بھاری نکلے گا۔"

یہ کہہ کر بادشاہ نے ایک آہِ سرد بھری اور دیر تک خاموش رہا۔ پھر اپنی بیوی کی طرف دیکھ کر بڑی محبت سے کہنے لگا "پیاری لیڈس! تم نے ہمیشہ بکمال وفاداری اور پاکبازی میرا ساتھ دیا ہے۔ میں تمہارا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ اور مجھ سے کوئی قصور ہوگیا ہو تو اُس کی معافی چاہتا ہوں۔ کبھی کبھی ہم دونوں میں اختلاف رائے ہوا ہے جس کی شاید یہ وجہ ہو کہ ہم مصریوں کی طبیعت تم بخوبی نہ سمجھ سکی تھیں۔ تمہیں معلوم ہے کہ میں تمہارے اہلِ وطن کی عقل ودانش کی کس قدر عزت کرتا تھا۔ اور تمہارے دوست فیثاغورث کا جن سے مجھے بہت کچھ علم حاصل ہوا ہے کس قدر مداح وگرویدہ تھا۔ ان میں یہ بڑی خوبی تھی کہ جہاں اپنے اُصول فلسفہ وحکمت کو سب پر بالا سمجھتے تھے وہاں ہمارے پروہتوں کے علوم باطنیہ کو بھی حقارت ونفرت سے نہ دیکھتے تھے۔ گو آخرالذکر کے متعلق مجھے خود اعتراض ہے کہ وہ عوام الناس سے ضرورت سے زیادہ پوشیدہ رکھے جاتے ہیں اور اس اصول پر مبنی ہیں کہ انسان جس بات کے سمجھنے سے قاصر ہوتا ہے اُس پر بخوشی خاطر ایمان لے آتا ہے۔ مگر اس سے افضل و برتر یہ ہوتا کہ ہمارے سکھانے والے زیادہ فیاضی سے کام لیتے

۵ہم اوپر لکھ چکے ہیں کہ مرنے کے بعد جب روح تحت الثریٰ میں داخل ہو کر آسرس کے سامنے پیش کی جاتی ہے تو پہلے صداقت کی دیوی اُسے تولتی ہے۔ اسی لئے اس دیوی کو محافظ یا "مالکہ میزان" کہتے ہیں۔ (دایبرا)

اور صداقت وسچائی کی باتوں کو بجائے مخفی رکھنے کے سمجھانے کی کوشش کرتے تاکہ ذہن انسانی کی جلا ہوتی اور ہم رازہائے فطرت سے آگاہ ہو کر اپنی روحانی و مادی ترقیوں سے فائدہ اُٹھاتے۔ یہ سچ ہے کہ اس سے پروہتوں کے اقتدار و حکومت میں کمی آجائے گی مگر دیوتاؤں کی پرستش کرنے والے اپنی جہالت آمیز بدعتوں سے بچے رہیں گے اور دین و دنیا دونوں میں سرخروئی حاصل کر سکیں گے۔ لیڈیز تم ہمارے پرستشِ حیوانات سے ہمیشہ نفرت کیا کیں۔ مگر یہ خیال نہ کیا کہ خلاق عالم کی صناعیوں کا احساس اس کی مخلوق کی تعظیم سے زیادہ ہوتا ہے یا لکڑی و پتھروں کی مورتوں کے سامنے سر جھکانے سے۔ علاوہ بریں تمہارے دیوتاؤں میں وہ تمام کمزوریاں موجود ہیں جو انسانی طبائع کا خاصہ ہیں۔ یعنی سمجھ لو کہ اگر میں زئیس کی طرح بداخلاقیاں کرتا تو کیا میری پیاری بیوی کی زندگی خوشی سے گذرتی۔ (اسپر بادشاہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آئی) جانتی ہو اس کی کیا وجہ ہے؟

یونانی انسان کی صورت پر فدا ہیں۔ اس کے جوہر اصلی کو کچھ نہیں سمجھتے۔ ان کا خیال ہے کہ روح جسم کی تابع ہے اور اُس کی اچھائی یا بُرائی محض جسمانی خوبی یا خوبصورتی[۲] پر منحصر ہے۔ اُسی لئے وہ اپنے دیوتاؤں کو افضل ترین طاقت و حُسن کی

---

[۱] یونانی مصریوں کی پرستشِ حیوانات کا بہت مضحکہ اڑاتے تھے لیکن وہ خود اپنا موتھ گریبان میں ڈال کر دیکھتے نہ تھے۔ کیونکہ انکے دیوتا بھی اپنی تعداد اور کثرت میں مصریوں سے کچھ کم نہ تھے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ جانوروں کی پرستش کے مختلف وجوہات تھیں بعض کی حفاظت مقصود تھی۔ بعض کا گوشت خراب و مضر تھا۔ بعض جانور دیوتاؤں کے خاص نشان یا علامات کی حیثیت رکھتے تھے اور انکا تعلق تاویلات و مشابہات سے تھا جو مصری مذہب میں کثرت سے موجود تھیں۔ نہ صرف جانور بلکہ مصری بعض نباتات کی پرستش کرتے تھے۔

[۲] یونانیوں کا مذہب تھا کہ ان کے دیوتا انسان کی شکل میں دنیا میں ظاہر ہوئے لیکن مصریوں

تصویر بناتے ہیں۔ مگر ہم اپنا معبود فطرت کی گوناگوں صنّاعیوں میں دیکھتے ہیں اور اپنے اس جوہر باطنی یا روح میں جو مادّی نہیں ہے اسے ڈھونڈھنا چاہتے ہیں۔

اب رہے حیوانات۔ ان کا طرزِ عمل ہم سے جدا ہے۔ کیونکہ ہمارے افعال عموماً ارادی و ذہنی اور دنیا کے مصنوعی قوانین کے تابع ہیں۔ مگر حیوانات صرف انھیں قوانین فطرت کے جو ازل سے ایکساں چلے آتے ہیں پیروی کرتے ہیں۔ اول الذکر میں بہت کچھ ذاتی ایجاد و خیالات کا حصہ ہے مگر آخر الذکر اس سے بالکل پاک و مبرّا تخلیق قدرت کا ایک بے لوث نمونہ ہے۔ انسان اگرچہ اشرف المخلوقات کہلاتا ہے لیکن جانوروں کی مانند معصوم ہے نہ کبھی سچی آزادی حاصل کرسکتا ہے اور نہ انکی طرح بلا کسی اُستاد معلم مشیر و مصلح نسلاً بعد نسلاً یکساں کیفیت وحالت کے ساتھ زندگی بسر کرنیکے قابل ہوسکتا ہے۔"

یہاں بادشاہ کی آواز کمزوری کی وجہ سے رُک گئی۔ اور کچھ دیر خاموش رہ کر پھر یوں گویا ہوا "میرا وقت قریب آپہنچا اور کچھ دم کا مہمان ہوں۔ اس لئے ان باتوں

(بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ) کے متعلق بعض کا خیال ہے کہ اُنکے پروہت خدائے واحد کو مانتے تھے مگر اُسے بطور ایک راز سربستہ لوگوں سے پوشیدہ رکھتے تھے۔ انکے مختلف دیوتا درحقیقت ذات باری کی مختلف صفات تھے اور اسکے ادنیٰ یا اعلیٰ مظاہر کے لحاظ سے چھوٹے یا بڑے کہے جاتے تھے۔ اسی طرح بعض عناصر قدرت بھی دیوتا مانے گئے۔ اور چونکہ ایک ہی عنصر کی دو شکلیں ہوسکتی ہیں مثلاً تیز جلنے والی آگ اور دھیمی روشنی۔ اسلئے انھیں نر و مادہ بنا دیا گیا۔ بعض محققین کو اس سے اختلاف ہے جس کا ذکر ہم اوپر کرچکے ہیں۔

مصری مذہب میں تین دیوتاؤں کا مجموعہ بکثرت پایا جاتا ہے اور بہت ممکن ہے کہ عیسائیت کے تثلیث کا اسی سے آغاز ہوا ہو۔ مصری تثلیث میں دو افراد کے ذریعہ ایک تیسری ہستی پیدا ہوتی ہے جو مرتبہ میں کمتر ہے۔ مثلاً عقل کل (یا عقل خلاق عالم) نے جب مادہ پر عمل کیا تو ان دونوں کا نتیجہ دنیا کی شکل میں ظاہر ہوا۔ (ولکنس)

کے بحث و تذکرہ سے کیا فائدہ؟ بیٹیا سامنتیک! اب کان کھول کر اپنے باپ کی ایک آخری وصیت سُن۔ جو اس کے مدت العمر کے تجربہ کا ماحصل ہے۔ افسوس کہ میں نے سینکڑوں بار دیکھا ہے کہ دوسروں کی نصیحت عموماً بے سود ہوا کرتی ہے۔ اور بہت کم ایسے ہیں جو غیر کے تجربہ سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ ہم خود ہی کھو کر کچھ سیکھتے ہیں اور اپنی ہی غلطیوں سے سبق حاصل کرتے ہیں۔ تم کچھ ناسمجھ نہیں۔ پختہ عمر پہنچکر تاج و تخت کے مالک ہو گئے۔ اور اچھی بُری حق و ناحق سب باتوں کا مشاہدہ کر کے بخوبی اُن پر غور و فکر کر چکے ہو گے۔ اس لئے میں عام امور زندگی کے متعلق کچھ نہیں کہنا چاہتا بلکہ صرف چند ضروری باتوں کی طرف تمہاری توجہ دلاؤں گا۔ گو مجھے اندیشہ ہے کہ چکنے گھڑے کی طرح تم پر کچھ اثر نہ ہو اور یہ الفاظ ایک کان سے سُنکر دوسرے کان سے اُڑا دو۔ تاہم میں اپنے فرض سے سبکدوش ہوتا ہوں۔ سب سے پہلے تمہیں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ گزشتہ چند ماہ کے عرصہ میں گو میں اپنی آنکھوں سے معذور تھا اور تم ہی ملک کے تمام سیاہ و سفید کے مالک تھے تاہم مجھے ہر بات کی خبر تھی۔ روڈوفس نے ایک دن مجھسے اپنے اُستاد الیساپ[۱] کی ایک کہانی سُنائی تھی جو مجھے اس وقت یاد آئی ہے۔ ایک مسافر کسی اجنبی سے راستہ میں ملا جس سے اُس نے پوچھا کہ شہر تک پہنچنے میں کتنی دیر لگے گی۔ اجنبی نے کہا قدم بڑھائے چلے جاؤ۔ مسافر نے پھر پوچھا کہ پہلے یہ تو بتاؤ کہ پہنچنے میں کتنی دیر لگے گی۔ اجنبی نے دوبارہ وہی جواب دیا کہ قدم بڑھائے چلے جاؤ۔ مسافر نے اس جواب سے جھلّا کر اپنی راہ لی۔ چند ہی قدم آگے بڑھا ہوگا کہ اجنبی نے اُس سے چلّا کر کہا کہ شہر تک پہنچنے میں تمہیں غالباً ایک گھنٹہ لگے گا۔ تمہارے سوال کا میں پہلے اس لئے جواب نہ دلیسکا کہ

[۱] الیساپ۔ مشہور یونانی حکیم

مجھے معلوم نہ تھا کہ تم کتنا تیز چل سکتے ہو۔ مجھے یہ حکایت بھولی نہ تھی اور خاموشی کے ساتھ تمہاری طرز حکومت کا مشاہدہ کرتا رہا تاکہ معلوم کر سکوں کہ تمہارے قدم آہستہ پڑتے ہیں یا بہت تیز۔ اب اس کا علم ہو گیا اور مجھے افسوس ہے کہ تم نے سلامت روی سے کام نہیں لیا۔ نیز ایک نصیحت تمہیں اور بھی دیتا ہوں وہ یہ ہے کہ انسان کو لازم ہے کہ ہر شے کا امتحان بذاتِ خود کرے۔ خصوصاً بادشاہ کا تو یہ سب سے بڑا فرض ہے کہ جن لوگوں کی خبر گیری اُس کے سپرد کی گئی ہے ان کے متعلق تمام باتوں سے خود ہی آگاہی حاصل کرنے کی کوشش کرے۔ بیٹا سامتیک! تم جو کچھ دیکھتے ہو دوسروں کی آنکھوں سے دیکھتے ہو اور سنتے بھی ہو تو انھیں کے کانوں سے۔ اسباب و علل کی تفتیش و جستجو بہت کم کرتے ہو۔ تمہارے صلاح کار پروہت وہی کرانا چاہتے ہیں جو اُن کے خیال میں بہتر بات ہوتی ہے لیکن ...... نتیھوتپ! برائے مہربانی تھوڑی دیر کے لئے ہم دونوں کو اکیلا چھوڑ دو۔"

پروہت اعظم کے باہر جاتے ہی بادشاہ نے کہا "وہ اچھائی کے خواہاں ضرور ہیں مگر اسی حد تک جو اُن کی رائے کے مطابق ہو۔ ہم صرف پروہتوں اور امیروں و درباریوں کے حاکم و بادشاہ نہیں بنائے گئے ہیں بلکہ عوام الناس اور کل رعایا کی قسمتوں کا فیصلہ ہمارے سپرد کیا گیا ہے اس لئے محض اول الذکر کی رائے پر بھروسہ و اعتبار کرنا سخت غلطی ہے بلکہ چاہیے کہ بذاتِ خود ہر بات پر غور کریں۔ مظلوموں و حاجتمندوں کی عرضیاں پڑھیں اور ایسے قابل اور وفادار نوابان منتخب کریں جن سے رعایا خوش و خرم و ملک آباد رہے۔ عوام کی امیدیں ہم ہی سے وابستہ ہیں۔ ہم ہی اُن کے سرپرست و نگہبان ہیں اس لئے ہمارا فرض ہے کہ سلطنت کے کل حالات سے بخوبی باخبر رہیں تاکہ

ظلم و تشدد کہیں نہ ہونے پائے جس کے لئے سب سے زیادہ ضروری ہوشیار و دیانت دار حکام کا انتخاب ہے۔ میں نے یہی اصول پیشِ نظر رکھ کے اپنے ملک کی بطریقِ احسن خدمت کی۔ اور وہ پرانے قانون بھی جنکی فضیلت زمانہ نے ثابت کردی تھی قایم رکھے۔ تمہیں بھی اُنھیں کی پیروی کرنا چاہیئے اور ہرگز اُس شخص پر اعتبار نہ کرنا چاہیئے جو اپنی رائے قانون سے افضل و بالاتر سمجھتا ہے اور آئے دن انھیں توڑنی یا فسخ کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ ایسا شخص سخت ظالم و جابر ہے اور دین و دنیا دونوں میں سزا کا مستحق ہے۔ یاد رکھو کہ جس قدر ہم ان قوانینِ عدل و انصاف کو اپنی ذاتی خواہشات و جذبات کے مقابلہ میں ترجیح دیں گے اُسی قدر رعایا بھی ہم سے خوش رہے گی اور وقت پر ہمارے لئے اپنی جانیں قربان کرنے کو تیار ہو جائے گی۔ مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ تمہیں اپنی رعایا سے محبت نہیں ہے اور اس کی صدائے استمجاج سے برانگیختہ ہوتے ہو۔ یہ صحیح ہے کہ بعض اوقات یہ صدا کسی قدر کرخت اور بیجا و بےمحل معلوم ہوتی ہے مگر وہی عوام کے خیالات کی سچی ترجمان ہے اور ایک ایسی صداقت و صاف گوئی کا اظہار ہے جس کی ضرورت بادشاہ سے زیادہ اور کسی کو نہیں ہو سکتی۔ جو حاکم اپنے پروہتوں و درباریوں کی باتیں کان لگا کر سُنے گا وہ بہت جلد چاپلوسی و خوشامد پسندی کا عادی ہو جائے گا لیکن جسے اپنی رعایا کی خوشنودی مدِنظر ہے وہ گو اپنے مصاحبوں و مشیروں سے تکلیف میں رہے گا مگر اُس کا ضمیر کبھی ملامت نہ کریگا۔ اُس کا قلب ہمیشہ مطمئن رہے گا اور آنے والی نسلیں اُسے عزت و الفت کی نگاہ سے دیکھیں گی۔ میں نے بھی اپنے زمانہ حکومت میں اکثر غلطیاں کی ہیں مگر فوراً متنبہ ہو کر اُن کی اصلاح کی۔ رعایا کی خواہشوں و ضرورتوں کو سمجھنے کی کوشش کی۔ اور ہمیشہ اُن کی بہبودی و خوش حالی کے درپے و سرگرم رہا۔ اس لئے کیا عجب ہے کہ میرے بعد وہ مجھے

یاد کر کے روئیں گے۔ تمہیں بھی یہی ہر دلعزیزی حاصل ہو سکتی ہے تم بھی بہ آسانی اپنے ملک کو گرویدہ بنا سکتے ہو مگر شرط یہ ہے کہ خود غرض لوگوں یا چاپلوس امیروں کی باتوں میں نہ پڑ جاؤ۔ اور رعایا کے مقابلہ میں ان کی خوشنودی کو قابل ترجیح نہ سمجھو۔ جو نہ صرف بے سود بلکہ مضر و فتنہ انگیز ہے کیونکہ جو شخص دو مختلف اغراض کی جماعتوں کو خوش رکھنے کا ارادہ کرتا ہے وہ ایک دن اپنے آپ کو ذلت و مایوسی کے غار میں پڑا ہوا پاتا ہے۔ یاد رکھو! میں مکرر کہتا ہوں کہ تم اور پروہت رعایا کیلئے ہو نہ کہ رعایا تمہارے اور پروہتوں کے لئے ہے اب رہا مذہب۔ اس کی حرمت و حمایت بھی ہمارا سب سے بڑا فرض ہے۔ نہ صرف اس لئے کہ ہم اُس کے پیرو ہیں بلکہ اس لئے بھی کہ اُس سے رعایا کی وفاداری و حب الوطنی تقویت پاتی ہے لیکن ساتھ ہی اُس کے پیشواؤں کو بھی آگاہ کر دینا چاہیئے کہ تم اُنھیں اپنے معبود کا بندہ و خادم سمجھتے ہو نہ کہ اُس کا ہمسر و جانشین۔ وہ عوام الناس کے دلوں میں نہ صرف اپنے بلکہ بادشاہ کے متعلق بھی بیہودہ عقائد پیدا کرنا چاہتے ہیں جس کا یہ نتیجہ ہے کہ لوگ بجائے اپنے دیوتاؤں کے پروہتوں کے غلام و بندے بن گئے ہیں۔ یہ خرابی زمانہ دراز سے چلی آرہی ہے جس کی اصلاح آج تک کوئی نہیں کر سکا ہے کیونکہ ان لوگوں کا بہت بڑا اثر ہے تاہم کم سے کم ہم یہ تو کر سکتے ہیں کہ اگر کبھی کسی وقت یہ خود غرض فرقہ اپنے ذاتی اغراض کے سامنے قومی بھلائی کو قربان کرنا چاہے جس سے ملک کے لئے بہت بڑے خطرے کا اندیشہ ہو تو فوراً اُسے روک دیں اور اپنی حد سے تجاوز نہ کرنے دیں۔ بیٹا! خوب یاد رکھ کہ ان پروہتوں پر اعتبار کرنا سخت غلطی ہے۔ یہ صرف اپنا فائدہ ڈھونڈھتے ہیں۔ اگر کبھی انھیں یہ معلوم ہو جائے کہ ان کی عزت و اقتدار میں فرق آنے والا ہے تو فوراً تجھ سے منحرف ہو جائیں اور قوم و ملت کو دشمنوں کے ہاتھ بیچ کر اُسے تباہ و برباد کرنے میں کوئی

دقیقہ اٹھا نہ رکھیں۔ اپنے ملک کے قدیم قوانین و احکام کے مطابق پرانی باتوں کی پیروی تجھ پر لازم ہے۔ لیکن ساتھ ہی نئی باتیں اگر عمدہ اور مفید ہوں تو اُن سے اپنے ملک کو محروم رکھنا بھی سخت غلطی ہے۔ اس لئے بڑے اعتدال و سمجھ سے کام لینا چاہئے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ لوگ حد سے تجاوز کر جائیں کیونکہ اکثر دیکھا گیا ہے کہ بعض بدعقیدہ و بدکار آدمی بے سوچے سمجھے اپنی پرانی اچھی باتوں کو بھی چھوڑ دیتے ہیں۔ احمق و نادان ہر نئی اور عجیب شئے کو برتر و افضل سمجھتے ہیں۔ بخلاف اس کے تنگ دل اور خود بیں پرانی لکیر کے فقیر بنے رہتے ہیں۔ اور ترقی و اصلاح کو گناہ کبیرہ جانتے ہیں۔ عاقلوں کا کام ہے کہ وہ پرانی باتیں جو زمانہ کی کسوٹی میں پوری اُترتی ہیں۔ ہاتھ سے نہ جانے دیں۔ لیکن ساتھ ہی مخرب و مذموم عادات فوراً ترک کر دیں۔ اور جو بات اپنے فائدے اور بھلائی کی ہو خواہ کہیں سے آئے اُسے اختیار کرنے میں دریغ نہ کریں۔ بیٹیا! اسی اصول پر تمہیں بھی کاربند ہونا چاہئے۔ پروہت تمہیں پیچھے گھسیٹیں گے اور یونانی آگے بڑھانے کی کوشش کریں گے۔ ایک ہی جماعت کی پیروی کرنا۔ دونوں کے بیچ میں نہ کھڑے ہونا کہ آج ایک کے ہو تو کل دوسرے کے۔ کیونکہ جو شخص دو کرسیوں پر ایک ساتھ بیٹھنا چاہتا ہے وہ اکثر زمین پر گر پڑتا ہے۔ ایک ہی گروہ کو اپنا دوست بنانا۔ دوسرے کی مخالفت کی کچھ پرواہ نہ کرنا۔ کیونکہ دونوں سے دوستی کی کوشش کرو گے تو کوئی راضی نہ ہوگا۔ اور دونوں تمہارے دشمن ہو جائیں گے۔ گزشتہ چند ماہ کی حکومت میں بوجہ اپنی تلون مزاجی کے تم نے بدقسمتی سے ان دونوں گروہوں کو اپنا مخالف بنا لیا ہے۔ یاد رکھو کہ جو شخص بچہ کی طرح کبھی آگے بڑھتا ہے کبھی پیچھے ہٹتا ہے وہ جلد تھک جاتا ہے اور منزل مقصود پر بہت دیر میں پہنچتا ہے۔ میں ہمیشہ اس وقت تک یونانیوں کا

موافق اور پروہتوں کا مخالف رہا جب تک مجھے یقین نہ ہوگیا کہ اب موت کا سامنا اور سفر آخرت درپیش ہے۔ یونانیوں کی ہوشیاری اور بہادری دنیا کے کام کی تھی مگر آخرت کی نجات کے لئے مجھے پروہتوں کی مدد کی ضرورت ہے اور اُن کی خوشامد لازمی ہے۔ دیوتا مجھے معاف کریں کہ مرتے دم بھی میری شوخی وگستاخی نہیں جاتی۔ میں مجبور ہوں میری فطرت ہی یہ ہے جیسا ہوں اور جیسا اُنھوں نے مجھے بنایا ہے ویسا ہی بلاکسی تصنع و بناوٹ کے اُنکے سامنے حاضر ہوتا ہوں۔ میں خوشی کے شادیانے بجاتا ہوا بادشاہ ہوا تھا۔ تم فکرواندیشہ سے اپنا ہاتھ سینہ پر رکھے تخت پر بیٹھیا۔ اچھا نیتیھوتپ کو باہر سے بلاؤ۔ مجھے تم دونوں سے کچھ کہنا ہے۔"

پروہت اعظم حاضر ہوا تو بادشاہ اپنا ہاتھ سامنے بڑھاکر اُس سے کہنے لگا:۔

"میں تم سے اب جدا ہونے والا ہوں میرے دل میں تمہاری طرف سے کوئی رنج وکینہ نہیں ہے۔ ہاں البتہ یہ خیال ضرور ہے کہ بجائے معاملات ملکی میں دخل دینے کے اگر تم اپنے ہی فرائض مذہبی سے سروکار رکھتے تو زیادہ مناسب و بہتر ہوتا۔ سامتیک بہ نسبت میرے تمہارا زیادہ مطیع و فرمانبردار ہوگا۔ لیکن دیکھو ایک بات کا ضرور خیال رکھنا یونانی افواج کو جب تک ان کی مدد سے ایرانیوں پر فتح حاصل نہ ہوجائے ناراض و برطرف نہ کرنا۔ اگر ایسا کیا تو تمہیں سخت نقصان پہنچے گا اور بہت پستاؤگے انھیں بکمال حکمت عملی یہ کہہ کر سمجھاؤ کہ یہ فتح صرف ہماری نہیں ہے بلکہ اُن کے ملک ووطن کے لئے بھی ضروری ہے اگر کمبوجیہ نے مصریوں کو شکست دیدی تو یقین جانو کہ آیندہ پھر یونانیوں کی باری ہے اور اُن کی آزادی وحرّیت کا بھی خاتمہ ہے تم یقیناً میرے اس خیال کی تائید کروگے اور جو بات مصر کی بہبودی کے لئے مناسب ہوگی اس کے انجام دینے میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھوگے۔ اب آؤ۔ میرے سر پر ہاتھ رکھکر دعا مانگو میں بہت تھک گیا ہوں اور عنقریب تم سب سے جدا ہونے والا ہوں۔

موت سامنے کھڑی ہے کاش کہ نتتیس کا خیال اس وقت سوہانِ روح نہ ہوتا وہ بالکل حق بجانب تھی۔ اُس کی بد دعا سے میں بہت ڈرتا ہوں۔ کہیں آسرس اور مُردوں کے جج مجھ سے خفا نہ ہو جائیں! لیدس تم بھی میرے قریب آکر بیٹھ جاؤ اور اپنا ہاتھ میری پیشانی پر رکھے رہو۔ سامتیک! تم ان سب لوگوں کے سامنے قسم کھا کر وعدہ کرو کہ اپنی سوتیلی ماں کو کسی قسم کی تکلیف نہ دو گے اور ہمیشہ اُس کی عزت و حرمت کرو گے۔ پیاری بیوی۔ تم بھی دیکھو جلد آکر مجھ سے ملنا۔ اپنے شوہر اور بچوں کے بغیر اس دنیا میں کیا کرو گی۔ ہم نے نتتیس کی اپنی اولاد کی طرح پرورش کی تھی تاہم اس کی وجہ سے کیسے عذاب میں مبتلا ہوئے ہیں۔ اب میرے پوتے و پوتی کو سامنے لاؤ۔ انھیں بھی ایک نظر دیکھ لوں۔ میرے آنسو ضبط نہیں ہوتے۔ یہ میرے ننھے ننھے کھلونے تھے جن سے اپنا دل بہلاتا تھا۔ ان کی جُدائی سب سے زیادہ شاق گذرتی ہے"۔

اسی شام کو ایک نیا مہمان روڈوفس کی محلسرا پر وارد ہوا۔ یہ کلیاس اسپر فنی پوس تھا جس سے ہم پہلے بھی مل چکے ہیں کیونکہ اُسی نے آکر المپیہ کے میلے کا حال بیان کیا تھا۔ یہ بہت ہنس مُکھ اور خوش مزاج آدمی تھا۔ ابھی ابھی اپنے وطن سے واپس آیا ہے۔ روڈوفس اُسے دیکھ کر بہت مسرور ہوئے اور اپنا قدیم و سچا دوست سمجھ کر گھر کی تمام حالت سُنانے لگے۔ ناسیس نے گزشتہ دو دن سے مکان کا جھنڈا اُتار دیا تھا اس لئے اگر کوئی اور اجنبی تازہ وارد ہوتا تو اُسے اندر آنے کی اجازت نہ دیتا۔ مگر کلیاس کو دیکھتے ہی کوئی مزاحمت نہ کی اور فوراً اُسے اپنی مخدومہ کے سامنے لے گیا۔ یونانی نے بہت سے نئے حالات و واقعات سُنائے اور جب روڈوفس کسی کام کے لئے اُٹھ کر چلے گئے تو سافو سے ہنسی مذاق کرنے لگا۔ اور اس کا ہاتھ پکڑ کر یہ کہتا ہوا باہر لے گیا کہ چلو چلیں تمہارے منگیتر

آتے ہوں گے اُن کی پیشوائی ضروری ہے۔ بعدہٗ انتظار کرتے کرتے بہت وقت گذر گیا اور کوئی نظر نہ آیا تو لڑکی کسی قدر متردد و فکر مند ہونے لگی۔ یہ دیکھ کر کلیاس نے بوڑھی دایہ کو آواز دی کہ ذرا میرا باجہ لانا۔ یہ ایک نہایت خوشنما سونے و ہاتھی دانت کا لیرا[1] تھا جسے وہ اپنے ساتھ لایا تھا اور لڑکی کے سامنے پیش کر کے کہنے لگا "انارک رین جو اس باجہ کے موجد ہیں انھوں نے خاص طور سے میرے لئے اُسے بنایا ہے۔ اس کا نام **باربیتون** ہے۔ اس کے تاروں سے ایسی شیریں و دلکش آواز نکلتی ہے کہ سُننے والے مبہوت ہو جاتے ہیں۔ میں نے تمہارے عشق کا واقعہ بھی شاعر سے بیان کیا تھا۔ انھوں نے ایک غزل لکھ کر دی ہے اور کہا ہے کہ میری طرف سے **سافو** کو تحفتہً پیش کرنا۔ اب سُنو وہ یہ ہے۔

اے کاش میں اک آئینہ ہو جاؤں کہ جس میں ۔۔۔ دیکھا کرے تو چہرے کو اپنے سحر و شام
اے کاش مری روح ہو اک جامۂ زیبا ۔۔۔ تو جس کو شب و روز کرے زینتِ اندام
اے کاش میں اک چشمۂ پُر آب ہی بن جاؤں ۔۔۔ ہو جس میں نہانے سے تجھے راحت و آرام
اے کاش میں ہو جاؤں کوئی عطر فرح بیز ۔۔۔ ہو جس سے معطر یہ تری پوششِ گلفام
پڑکا ہوں کمر کا تو لپٹ جاؤں کمر سے ۔۔۔ موتی ہی ترے ہار کا ہوں کاش میں ناکام
جوتی ہی میں بن جاؤں کہ تو اس کو پہن کر ۔۔۔ چلتا ہے انداز سے اے سرو گل اندام

مترجمہ سلیم

کلیاس۔ کیسا گستاخ شاعر ہے۔ تم خفا تو نہیں ہو گئیں۔

سافو۔ نہیں۔ میں خفا کیوں ہونے لگی۔ شاعر آزاد منش ہوتے ہیں۔ ان کی شوخی و گستاخی بھی قابل معافی ہے۔

کلیاس۔ سچ ہے اور انارک رین کی طرح کوئی شاعر بھی تو ہو لے جن کی تمام

[1] ایک قسم کا یونانی باجہ۔

عمر میوزز (ملکات ربانی) ایراس اور ڈالیونی سس کی خدمت کرتے گذر گئی ہے۔ سافو۔ اور انھوں نے اپنی نظم پڑھنے کے لئے بھی ایک ایسا لاجواب خوش الحان شخص منتخب کیا۔"

کلیاس۔ میں اس تعریف کا اب مستحق نہیں۔ ہاں تیس برس پہلے جب جوان تھا تب البتہ میری آواز کچھ تھی۔ اب تو ۔ ۔ ۔ ۔ ۔"

سافو۔ شاید آپ کی خواہش ہے کہ اپنی اور تعریف سُننے۔ مگر میں اپنی زبان سے اب کچھ نہ کہوں گی۔ یہ باجہ جسے آپ باربتیون کہتے ہیں اور گیتیوں کے لئے بھی موزوں ہے یا نہیں۔

کلیاس۔ کیوں نہیں۔ لو یہ مضراب لو۔ خود بجا کر دیکھو اس کے تار ذرا سخت ہیں۔ شاید تمہاری نازک انگلیوں کو تھکا دیں۔

سافو۔ میں اس وقت بجانا نہیں چاہتی۔ بردیہ کے اب تک نہ آنے سے میرا دل پریشان ہے۔

کلیاس۔ اچھا تو اپنے ہمنام مشہور شاعرہ کی وہ غزل گاؤ جو اس وقت تمہارے حسب حال ہوگی۔

سافو۔ نہیں۔ میں نہ گاؤں گی۔

کلیاس۔ خیر تو میں ہی گاتا ہوں۔ غضب کے اشعار ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ انسان کے نہیں بلکہ خود ایراس کی زبان سے نکلے ہیں۔

دیوتاؤں سے نہیں کچھ کم وہ تیرا ہمنشیں ہو
جو تری باتیں سُنے جو تجھ کو دیکھے خندہ زن
دل دھڑکتا ہی مرا پڑتی ہے جب تجھ پہ نظر
لب نہیں ہلتے مرے لیکن بڑی تیزی کے سا[تھ]

جو ترا دیدار دیکھے بیٹھکر تیرے قریں
پھر قریب آؤں ترے تو میری یہ حالت نہیں
ہے اُلجھ جاتی گلے میں میری آوازِ حزیں
ایک شعلہ سا بدن میں دوڑ جاتا ہے وہیں

گونجتے ہیں کان پتھراتی ہیں آنکھیں گھڑی	کانپتا ہوں اور پسینہ سے ہی تر ہوتی جبیں
زرد آتی ہے نظر رنگت مری مانند کاہ	دم نکلتا ہے مرا گویا ہے وقت واپسیں

مترجمہ سلیم

اب تو کچھ مُنہ سے بولو۔ غزل پسند آئی کہ نہیں۔ ہیراکلیس کی قسم! لڑکی تیرا چہرہ ایسا زرد و متغیر کیوں ہے؟ کیا ان اشعار نے بیتاب کردیا؟ یا کوئی اور فکر دامنگیر ہے۔ اطمینان رکھ۔ شاید کسی خاص وجہ سے تیرے پیارے عاشق کے آنے میں اتنی دیر ہوگئی ہے"۔

یکایک ایک آواز پیچھے سے یہ کہتی ہوئی سُنائی دی "کوئی خاص وجہ نہ تھی۔ دیکھو میں آگیا"۔ عاشق و معشوق ایک دوسرے کو دیکھتے ہی فرطِ مسرت سے لپٹ گئے۔ کلیاس دونوں کے حُسن و جمال و انتہائے محبت کو دیکھ کر ششدر و حیران رہ گیا اور ایک طرف خاموش کھڑا ہوا مسکرانے لگا۔ شہزادہ نے اُس سے تعارف کرنے کے بعد سافو سے کہا "تمہاری نانی سے میں فوراً ملنا چاہتا ہوں ہماری شادی آج ہی ہوجانی چاہئے۔ زیادہ تاخیر مناسب نہیں۔ یقیوپمپوس کہاں ہیں؟

سافو۔ یہیں ہوں گے ورنہ نانی اماں اتنی دیر تک اندر نہ ٹھیرتیں۔ مگر آپ نے یہ کیا کہا کہ آج ہی ہونا چاہئے۔ مجھے تو خیال تھا ....

بردیہ۔ چلو۔ پیاری پہلے اندر چلیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ ایک سخت طوفان آرہا ہے آسمان پر بادل چھائے ہیں اور ہوا بالکل بند ہوگئی ہے۔

سافو۔ چلنے میں تیار ہوں۔ آخر کون سی نئی بات ہوئی ہے؟ میں اُسے سُننے کے لئے بہت بیتاب ہوں۔ (آسمان کی طرف دیکھکر)[۵ا] طوفان نہیں آئے گا جب سے میں نے ہوش سنبھالا ہے کبھی اس زمانہ میں بادل گرجتے اور بجلی چمکتے

۵ا نوٹ صفحہ ۱۸۶ پر درج ہے

نہیں دیکھی۔

کلیاس۔ (ہنس کر) ہاں مگر آج ایک نئی بات دیکھو گی۔ ابھی ابھی ایک بڑی سی بوند میری چکنی کھوپڑی پر پڑی ہے۔ یہاں آتے وقت میں نے دیکھا تھا کہ ابابیلیں پانی پر بہت نیچے اڑ رہی تھیں اور ایک سیاہ ٹکڑا ابر چاند پر چھایا تھا۔ جلدی اندر چلو۔ نہیں تو بھیگ جاؤ گی۔ (خادم کی طرف دیکھ کر) غلام! ایک سیاہ[ا] بھیڑ لا کر فوراً دیوتاؤں پر صدقہ اتار دے۔

تھیومپوس روڈوفس کے کمرے میں بیٹھا ہوا دُوہ یا کی گرفتاری اور بردیہ وغیرہ کا ذکر کر رہا تھا۔ دونوں اس واقعہ سے پریشان تھے اس لئے شہزادہ کے خلاف امید آمد سے بہت خوش ہوئے۔ بردیہ نے چند لفظوں میں باقی حالات بیان کئے جنھیں سن کر تھیوپمپوس نے کہا کہ آپ لوگوں کے سفر کے لئے میں فوراً ایک تیز رفتار جہاز مہیا کرنے کا انتظام کرتا ہوں۔

کلیاس۔ یہ نہایت مناسب ہے۔ مگر میری بھی سہ طبقہ کشتی جس پر میں آج ہی نوکراتیس سے آیا ہوں اس وقت ساحل پر موجود ہے اور آپ کی خدمت کے لئے حاضر ہے۔ صرف مجھے اپنے سکان گیر کو یہ حکم دینا ہے کہ ملاحوں کو کہیں جانے نہ دے۔ اور روانگی کے لئے تیار ہو جائے۔ (بردیہ اس رائے کو پسند کر کے شکریہ ادا کرتا ہے)

آپ کے شکریہ کی ضرورت نہیں۔ میں اسے اپنی بہت بڑی عزت افزائی سمجھتا

(یہ نوٹ صفحہ ۱۸۵ کا ہے) ۔لہ مصر میں طوفان بہت شاذ ہیں۔ جنوری ۱۸۷۰ء میں اسی طرح کا ایک بے وقت طوفان آیا تھا۔ بقول ہیرڈ ہمارے زمانۂ داستان میں مصر میں بارش ہونا ایک نہایت عجیب بات تھی۔ (ایبر)

[ا] طوفان کے موقع پر یونانی تخت الثریٰ کے دیوتاؤں کی رضا جوئی کے لئے ایک سیاہ بھیڑ کا صدقہ اتارتے تھے۔ (ایبر)

ہوں۔ ناسیس! ذرا میرے غلام سے کہنا جو باہر بیٹھا ہوا ہے کہ بندرگاہ پر جاکر میرے سکان گیر کو یہ مہر دکھادے اور فوراً تیاری کا حکم دیدے۔

بردیہ۔ اور میرے غلاموں کو بھی خبر کردے۔

تھیوپمپوس۔ آپ فکر نہ کیجئے میرا خادم انھیں اپنے ساتھ لے جاکر کلیاس کے جہاز پر بٹھادے گا۔

بردیہ۔ (اپنی مہر دیکر) یہ مہر لیتے جاؤ۔ اسے دیکھتے ہی وہ تمہارے ساتھ ہو جائینگے

جب ناسیس آداب بجاکر ان دونوں احکام کی بجاآوری کے لئے باہر چلا گیا تو بردیہ نے رہوڈوفس سے کہا "مادر مشفقہ! اب میں آپ سے ایک نہایت ضروری عرض کرنا چاہتا ہوں"

رہوڈوفس۔ (مسکراکر) میں سمجھ گئی۔ تم شادی میں عجلت کے خواہشمند ہو اور موجودہ حالات کے لحاظ سے میں بھی سوائے اسکے اور کوئی چارہ نہیں دیکھتی۔

کلیاس۔ عجب تماشہ ہے۔ چٹ منگنی پٹ بیاہ۔ ان دونوں کو اپنی جان کا بھی کچھ ڈر نہیں شادی کے خیال میں سب بھول گئے ہیں۔

بردیہ۔ (اپنی پیاری کا ہاتھ دباکر) بیشک آپ نے صحیح فرمایا۔

پھر شاہزادہ نے دوبارہ رہوڈوفس سے اصرار کیا اور اس شیریں زبانی منت و آرزو کے ساتھ اس کی خوشامد کی کہ وہ راضی ہوگئی۔ اور دونوں کو اپنے سینہ سے لگاکر بڑی شفقت و محبت سے ان کے سروں پر ہاتھ رکھ کر کہنے لگی "میرے پیارے بچو! تم نے یہ بھی سُنا ہے کہ ایک گلشن پُر بہار ہے جس میں ایک خوشنما جھیل ہے اس کا پانی نہایت شفاف و نیلگوں ہے اُس کی لہریں کبھی آہستہ چلتی ہیں کبھی سخت طوفان و تموج بپا ہوتا ہے۔ پانی شہد کی طرح میٹھا اور زہر کی طرح کڑوا ہے۔ تم شاید اس کے معنی ابھی نہ سمجھ سکو مگر یہ وہی خطہ دلکشا ہے

جس میں تم داخل ہونا چاہتے ہو اور جسے شادی یا کتخدائی کہتے ہیں۔ جس کی زندگی میں چین دینے والی خوشی و غمی دونوں کے مزے چکھنا پڑتے ہیں۔ سافو تیرا بچپن کس بےفکری و عیش سے کٹا کبھی تیرے دل پر میل نہ آیا۔ مگر جب جوان ہوئی تو اسی دل میں ایک ولولہ و درد پیدا ہوا جس سے تا دمِ زیست تجھے نجات ملنا مشکل ہے۔ یہ درد جس کے مزے تو گزشتہ مہینوں کے ایام جدائی میں اچھی طرح چکھ چکی ہے بار بار تجھے ایک ناخواندہ مہمان کی طرح آکر ستائے گا اور خوشی و غمی دونوں کا باعث ہوگا۔ دیکھو بردیہ۔ تمہارے ہی ہاتھ میں اس درد کی دوا ہے اگر تمہاری آنکھ بدلی یا تم سے کوئی رنج پہنچا تو میری سافو گھل گھل کے اپنی جان دے دیگی۔ اُسے اس آزار و مصیبت سے بچانا۔ میں لوگوں کو اچھی طرح پہچانتی ہوں اور کریسس کے کہنے سے پہلے ہی تمہیں دیکھتے ہی جان گئی تھی کہ تم ہر طرح میری سافو کے قابل۔ لائق ہو۔ اسی لئے میں نے تمہیں اس کے ساتھ سفر چل کھانے کی اجازت دی تھی اور اب بھی بلاتامل اپنی ایک ایسی گوہر گراں مایہ کو جو اس دنیا میں مجھے سب سے پیارا و عزیز ہے تمہارے حوالہ و سپرد کرتی ہوں۔ سافو کو تم ایک خزانہ سمجھنا جو تمہیں عاریتاً دیا گیا ہے اور محبت کے جوش میں اُسے اپنی ملکیت سمجھ کر یہ خیال نہ کرنا کہ دوسروں کو اُس سے الفت کا حق نہیں ہے کیونکہ اس سے بڑھکر خودغرضی و تنگدلی نہیں ہو سکتی۔ لوگ مجھے ملامت کرتے ہیں کہ کیوں میں اپنی ناتجربہ کار پیاری بچی کو ایک ایسے دور و دراز ملک بھیج رہی ہوں جہاں عورتوں کی حالت ناقابلِ اطمینان ہے۔ لیکن میں عشق و محبت کی تاثیر جانتی ہوں اور یہ بھی مجھے معلوم ہے کہ ایک کشتۂ خنجر ابرو کے لئے اپنے عاشق کی جدائی سے بڑھکر کوئی مصیبت نہیں ہو سکتی

علاوہ بریں یا (اپنے یونانی دوستوں سے خطاب کرکے) آپ صاحبوں سے

ہیں یہ پوچھتی ہوں کہ کیا آپ کی عورتوں کی حالت ایرانیوں سے بہتر و افضل ہے؟ کیا ان کی طرح وہ بھی چہار دیواری کے اندر اپنی تمام عمر نہیں گذارتیں۔ یا کبھی نقاب ڈالکر غلاموں کے ہمراہ باہر جانے کی اجازت ملتی ہے تو کیا غنیمت نہیں سمجھتیں؟ اب رہی کثرتِ ازدواج۔ اس سے بردیہ کی طرف سے مجھے کوئی اندیشہ نہیں ہے وہ یونانیوں سے بھی بڑھکر اپنی بیوی کا دلدادہ و شیدا ہے گا کیونکہ میری سافو میں وہ تمام صفات موجود ہیں جو ایک اچھی بیوی و مہذب ہکرٹرا[51] کا خاصہ سمجھے جاتے ہیں۔ یعنی بیوی کی عفت و عصمت۔ خانہ داری اور مادرانہ طبیعت اور ہکرٹرا کی ذہانت شیریں کلامی۔ آداب مجلس اور وہ تمام باتیں جن سے مردوں کو وہ اپنا گرویدہ بنالیتی ہے اور اس کی صحبت ہمیشہ پُر لطف و خوشگوار معلوم ہوتی ہے بردیہ! مجھے تم پر پورا بھروسہ ہے اور اپنی سافو کو اس خوشی و اطمینان کے ساتھ تمہیں سپرد کرتی ہوں۔ جس طرح کوئی پرانا سپاہی اپنی عزیز ترین ہتھیار ایک دلیر و سورما فرزند کے حوالے کرتا ہو۔ وہ ایک بڑے دور و دراز غیر ملک میں جائیگی مگر مجھے امید ہے کہ ہمیشہ یونانی رہے گی اور وہاں بھی اپنے وطن کا نام روشن کرکے اُس کے بہت سے دوست و بہی خواہ پیدا کرے گی۔ (سافو رونے لگتی ہے) بیٹی! رو نہیں۔ ورنہ دیکھ۔ کہیں میرے آنسو بھی نکل پڑیں۔ میرے دل کی جو حالت ہے . . . . . . (خاموش ہوجاتی ہے اور بہت ضبط کرتی ہے) بردیہ! دیکھو دیوتاؤں کے سامنے تم نے قسم کھائی ہے اُسے کبھی بھولنا نہیں۔ میں تمہیں اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز بچی دے رہی ہوں اُسے اپنی بیوی۔ اپنا ہمساز۔ رفیق و غمگسار بنا کر رکھنا تمہارے دوستوں کے آتے ہی آج ہی اُسے رخصت کروں گی۔ دیوتاؤں کو شائد منظور نہیں ہے کہ سافو کے بیاہ[52] میں

---

[51] ہکرٹرا۔ یونانی زنِ بازاری۔ ڈیرہ دار رنڈی۔

[52] یونانی رسم کتخدائی۔ ہومر کے زمانہ میں اولاد کے لئے بَر ڈھونڈھنا والدین کا فرض تھا۔

اپنی تعلیم لگایا جائے"

یہ کہہ کر روڈوفس نے بڑی محبت سے سافو کو گلے لگایا اور بردیہ کی

(بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ) لڑکے کا باپ لڑکی کے والدین کو مویشی یا دیگر قیمتی اشیاء نذر کرتا اور آخرالذکر بھی اپنی لڑکی کو حسب مقدور جہیز دیتا تھا - یہ لڑکی کی ملکیت سمجھا جاتا اور اُسکے خاوند کے مرنے کے بعد اسی کے قبضہ میں رہتا تھا - نیز شادی کے وقت لڑکی کے باپ کو ایک بڑی دعوت دینا بھی ضروری تھا جس کے خاتمہ پر دلہن ایک جلوس کے ساتھ اپنے خاوند کے گھر روانہ ہوتی - اس جلوس میں بہت سے مشعل بردار اور نوجوان لڑکے ہائمنس کا گیت گاتے اور ناچتے ہوئے ہمراہ چلتے زمانہ ہومر میں بھی بیوی بعزت و احترام گھر کی مالکہ کی حیثیت سے رہتی تھی مگر خاوند داشتہ عورتیں بھی رکھ سکتا تھا جن کے بچے اُسی گھر میں پرورش پاتے اور بوجہ حرامی ہونے کے ذلت و حقارت سے نہ دیکھے جاتے - کیونکہ اُس زمانہ کا یہ قانون تھا کہ اگر باپ ایک آزاد شہری ہے تو ماں لونڈی بھی ہوئی تو کچھ مضائقہ نہیں - اس کی اولاد ہمیشہ آزاد سمجھی جائیگی -

دور ثانی میں یونان میں عورتوں کی آزادی محدود کر دی گئی - اتھینز کی معزز عورتیں پردہ میں رہنے لگیں - پہلے کی طرح اب بھی والدین کا فرض بر تلاش کرنا تھا اور عموماً شریف و متمول خاندانوں کو ترجیح دی جاتی تھی - بیوی اور شوہر دونوں کے لئے ضروری تھا کہ اتھنز کے آزاد شہری کی اولاد سے ہوں ورنہ شادی ناجائز ہوتی اور اُنکے بچے حرامی قرار دیئے جاتے - کتخدائی سے پہلے منگنی کی رسم ہوتی تھی جس میں مہر وغیرہ طے پاتا تھا - اگر کوئی لڑکی وارثہ جائداد یا ملکیت ہے لیکن اُس کے والدین فوت ہو گئے ہیں تو ایک شخص اس کا ولی مقرر ہوتا تھا جسے حق تھا کہ اُس سے شادی کرلے - بخلاف اس کے وہ غریب ہوئی اور ولی نے اُسے اپنی بیوی نہ بنانا چاہا تو یہ ضروری تھا کہ وہ ایک معینہ و معقول مقدار زر سے حسب مقدور اُس کی کفالت و امداد کرتا رہے - شادیاں عموماً جنوری و فروری میں ہوتی تھیں - سب سے پہلے دیوی ہیرا کی پوجا اور نیاز نذر کی جاتی پھر والدین لڑکی کو اپنے ساتھ لیکر نگر دیوی یعنی اتھینی کے مندر میں جاتے

پیشانی پر بھی بوسہ دیا۔ پھر اپنے یونانی دوستوں سے جو نہایت متاثر معلوم ہوتی

وہاں دعائیں مانگتے و نذر چڑھاتے۔ پھر شادی کے مقررہ دن دولھا دولہن ایک خاص چشمہ کے پانی سے نہاتے جسے صرف وہی لوگ لا سکتے تھے جو نو عمر اور قریبی عزیز ہوں۔ اب لڑکی کا باپ ایک دعوت دیتا جس میں عورتیں بھی شامل ہو سکتی تھیں مگر علیحدہ میز پر بیٹھتیں اور دُلہن اپنے مُنھ پر نقاب ڈالے رہتی۔ رخصتی کے وقت وہ ایک گاڑی میں بیٹھ کر جس میں خچر یا بیل جُتے ہوتے اپنے نئے گھر روانہ ہوتی۔ اگر دولھا کی یہ دوسری ہے تو بجائے اُس کے اُس کا کوئی دوست دُلہن کو گھر لا سکتا تھا۔ ورنہ اُس کی موجودگی ضروری تھی۔ غرض کہ رخصتی کا جلوس بڑی شان کے ساتھ روانہ ہوتا۔ سب سے آگے آگے دلہن کی ماں اپنے ہاتھ میں مشعل کتخدائی لئے ہوئے چلتی جسے خاص گھر کی اگنی ہوتر سے روشن کیا جاتا تھا۔ پیچھے اور بہت سے مشعل بردار ہوتے اور بکثرت دوست و آشنا۔ عزیز و اقارب بانسری بجاتے۔ شادی کے بھجن وغیرہ گاتے ہوئے نظر آتے۔ دولھا کا مکان سبز پتوں اور پھولوں وغیرہ سے آراستہ کیا جاتا۔ یہاں پہنچتے ہی سب سے پہلے دولھا کی ماں ایک مشعل اپنے ہاتھ میں لئے دروازہ پر استقبال کے لئے کھڑی ہوئی نظر آتی۔ جب جلوس اندر داخل ہوتا تو اہل خانہ نعرہ ہائے خوشی مارتے اور میووں و مٹھائیوں کے دولھا دُلہن پر بوچھار کرتے اب دونوں ایک جا بٹھائے جاتے۔ انکے درمیان ایک شخص جو دولھا کا خاص دوست ہوتا اور اس موقع پر "دلہن کا رہنما" کے لقب سے یاد کیا جاتا۔ بیٹھتا۔ اب دلہن کو بہی یا سفر جل جو بار آوری کی علامت یا نشانی سمجھی جاتی تھی۔ کھلائی جاتی۔ پھر کھانا شروع ہوتا جس سے فارغ ہو کر ایک بڑھیا عورت دُلہن کو خلوت گاہ یا حجرۂ عروسی میں لے جاتی جہاں دولھا اُس کی خاطر مدارات کرتا۔ بعدہٗ تمام مہمان اس حجرہ کے دروازہ کے باہر کھڑے ہو کر سہرے و گیت بخوش الحانی گاتے۔ پھر اپنے اپنے گھر روانہ ہو جاتے۔ اب دو دن تک طرح طرح کے تحائف دولھا دُلہن کے لئے بھیجے جاتے پھر بعد ادائے چند رسومات دلہن کو اپنی نقاب

تھے کہا ”میری بچی کا بیاہ بغیر مشعلوں کی روشنی و گانے بجانے کے نہایت سونا معلوم

(بقیہ نوٹ صفحہ گذشتہ) اتارنے کی اجازت ملتی۔ بعد ازاں شوہر کا فرض تھا کہ شادی کی رجسٹری کراتا اور اس موقع پر بھی اپنے دوست داعراکو ایک بڑی دعوت دیتا۔ مذکورہ بالا رسومات سوائے اسپارٹا کے یونان کے اور تمام شہروں میں مروج تھیں۔ اسپارٹا میں قاعدہ تھا کہ دولہا اپنی دلہن کو اس کے عزیزوں سے زبردستی یہ چھین کر اپنی گود میں اُٹھا کر لے جاتا اور اپنے کسی رشتہ دار عورت کے گھر پہنچکر اُسے حوالہ کر دیتا۔ یہ دلہن کو ایک خلوت کدہ میں لے جاتی۔ اس کے بال کاٹ کر چھوٹے کر دیتی۔ پھر ایک مردانہ لباس پہنا کر دولہا کے سامنے پیش کرتی۔

یونان میں لڑکیوں کی چودہ سال کی عمر تک شادی ہو جاتی تھی۔ سوتیلے بھائی بہنوں کا نکاح بشرطیکہ ایک ماں سے نہ ہوں جائز تھا۔ شادی شدہ عورت مکان کے پچھلے حصے یا کوٹھے پر علیحدہ رہتی اور غیر مردوں کے سامنے سوائے بعض موقعوں کے (مذہبی تہوار) کبھی نہ آسکتی تھی اور نہ ساتھ بیٹھکر میز پر کھانا کھاتی تھی۔ اسپارٹا میں عورت و مرد دونوں کی ایک ساتھ تربیت ہوتی تھی اور عورتیں معاملات ملکی وغیرہ میں آزادانہ حصہ لیتی تھیں۔ مگر شادی ہونیکے بعد انکی یہ آزادی محدود ہو جاتی تھی اور نقاب لگاکر باہر نکلنا پڑتا تھا۔ اسپارٹا میں جہیز و مہر وغیرہ کچھ نہ تھا یونان میں طلاق کی پوری آزادی تھی مگر مرد کو پورا مہر دینا پڑتا تھا۔ البتہ عورت پر بدکاری کا جرم ثابت ہو جائے تو مرد پر اس کا کچھ حق نہ تھا۔ اسی طرح عورت بھی اپنے وجوہات ایک عرضی میں حاکم کے سامنے پیش کر کے شوہر سے نجات حاصل کر سکتی تھی۔ بدکار عورت کو طلاق دینے کے لئے مرد مجبور تھا اور اُسے قانوناً قتل کر دینے کا بھی اختیار رکھتا تھا۔ اسپارٹا میں مرد کے لئے کنوارا رہنا اس قدر معیوب اور سخت جرم تھا کہ ایسے شخص کو کسی قومی تہوار وغیرہ میں آنیکی اجازت نہ تھی وہ عموماً شاذ تھے۔ انکی سزا یہ تھی کہ صرف ایک قمیص پہنے بازار میں نظر آئیں نہ کوئی انھیں خوش آمدید کہتا تھا نہ اچھے منہ سے بولتا تھا۔ اور یہ غریب ایک مذاقیہ گیت گاتے ہوئے جس میں اپنے جرم کا اعتراف رہتا ایک عجیب ہیئت گدائی کے ساتھ سڑکوں پر پھرتے ہوئے دکھائی دیتے تھے۔ (ٹلشپ)

معلوم ہوگا۔ دیوتا اُسے مبارک کریں۔ ملتیہ آ۔ میری میز پر بنبل کے صندوقچہ میں دلہن کے زیورات رکھے ہیں۔ جلدی جا کر لے آ۔ میں اپنی پیاری کو انھیں پہناؤں گی اور لباس عروسی سے آراستہ کر کے اُسے حسب شان رخصت کروں گی۔

کلیاس جس کی افسردہ دلی یہ سُنتے ہی غائب ہوگئی تھی خوشی سے چلا کر بولا در خواہ آپ لوگ کتنی ہی جلدی کریں مگر میں تو دلہن کو ہرگز اسکے حجرۂ عروسی میں بلا موسیقی و گانے کے نہ جانے دونگا۔ دولہا کا وطن بہت دور ہے اس لئے ہم اس مکان کے خالی حصہ کو اس کا گھر تصور کرلیں گے اور دلہن کو درمیانی دروازے سے لیجا کر اگنی ہوتر کے پاس طعام نوش کریں گے۔ غلامو! ادھر آؤ۔ تم دو صفیں باندھ کر گیت گانا۔ کنیزو! تم بھی ہم آواز ہو کر دلہن کا اپی تھلیمیم[۵۱] گانا۔ میں مشعل بردار ہوں گا۔ یہ میرا آبائی عہدہ ہے۔ بردیہ۔ شاید تمہیں یہ نہیں معلوم کہ الیوسین[۵۲] رازوں کے جلوس کے موقعوں پر میرے ہی خاندان کو مشعل برداری کا حق موروثی حاصل ہے۔ غلامو! دہلیز پر پھولوں کے ہار رکھ دو۔ اور جب ہمارا جلوس وہاں سے نکلے تو ہم پر مٹھائیوں کی بوچھار کرو۔ شاباش ملیتہ۔ تم دُلہن کے لئے مہندی و پھولوں کے گجرے و مکٹ خوب جلدی سے لے آئیں۔ پانی بھی کیا ہی اچھے وقت چھت کے روشندان سے نیچے گر رہا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ہائمن نے زئیس سے سفارش کر کے شادی کی ایک پُرانی رسم ادا کردی۔ دولھا دولہن کو حسب دستور شادی کے صبح نہانا چاہئے۔ مگر تم دونوں کو اس کا موقع نہ مل سکا۔ اس لئے ایک لحظہ کے لئے یہاں آکر کھڑے ہو جاؤ اور زئیس کے بھیجے ہوئے پانی سے اپنا جسم تر کرلو۔ کنیزو! اپنا گیت شروع کرو۔ لڑکیاں موسم بہار کے جانے کا غم کریں

---

۵۱ اپی تھلیمیم۔ نغمہ شادی۔

۵۲ رازہائے الیوسین۔ اس کا تعلق یونانیوں کے مذہب سے تھا۔

اور لڑکے دولھا دلہن کی خوش نصیبی کے شادیانے گائیں"۔ پانچ خوش گلو کنیزیں برابر برابر کھڑی ہو کر ایک آواز سے نا کتخدا دوشیزہ لڑکی کا یہ گیت گانے لگیں۔

جیسے سنبل کو پہاڑوں میں کچل دیں گلہ باں
بے خبر اس کی نہ کوئی اور کمھلا جائے وہ
جو کرے پھول اپنی عصمت کا حوالے غیر کے
نیلگوں پھول اسکا گر جائے زمیں پر ٹوٹ کر
بس یہی حالت ہے اس لڑکی کی ہو جو خیرہ سر
لڑکیاں دوشیزہ اُس سے بھاگتی ہیں دور تر
نوجواں کرتے ہیں نفرت دیکھکر اسکا چلن
ہائمن۔ ای ہائمن۔ اے ہائمن۔ آہائمن

مترجمہ سلیم

اس کے جواب میں غلاموں نے ہم آواز ہو کر خوشی کا یہ گیت گایا۔

کھاتی ہے انگور کی بیل اپنی تنہائی کا غم
پر درخت الم سے ہوتی ہے شادی اسکی جب
پھیل کر نخل تناور سے لپٹ جاتی ہے وہ
بس یہی حالت ہے اس منکوحہ لڑکی کی جیسے
ہوتی ہیں ماں باپ دونوں اُس دلہن کے شادماں
جب کبھی ہوتا ہے مسکن اس کا ویراں مرغزار
پھوٹتی ہیں نرم شاخیں ہوتی ہے وہ باردار
دیکھکر یہ حال خوش ہوتے ہیں اکثر کاشتکار
دیتے ہیں دولھا کو خود مرضی سے اُسکے رشتہ دار
اور دولھا اُسکی الفت میں ہے رہتا بے قرار
گھر بساتے ہیں غرض اس طرح کے دولھا دلہن
ہائمن۔ اے ہائمن۔ اے ہائمن۔ آہائمن

مترجمہ سلیم

اب دونوں جماعتوں نے مل کر بڑے جوش و مسرت کے ساتھ "ہائمن۔ اے ہائمن۔ آ" اونچے سُروں میں گانا شروع کیا۔ اتنے میں یکایک چھت کے روشندان سے جس کے نیچے دولھا دلہن کھڑے تھے بجلی چمک کر آئی اور بادل کی کڑک و گرج سُنائی دی۔ کلیاس چلا کر بولا "دیکھتے ہو خود زئیس ان دونوں کے لئے مشعلیں لے کر آیا ہے اور اپنی تھلامیم کا نغمہ گا رہا ہے"۔

جب سپیدۂ صبح نمودار ہوا تو بردیہ و ساؤنو حجرۂ عروسی سے نکل کر باہر باغ میں

آئے۔ طوفان جورات بھر بڑے زور شور سے رہا تھا اب غائب ہو گیا۔ ہر طرف پھول پتیاں۔ سبزہ و گیاہ نزد تازہ و شاداب معلوم ہونے لگے۔ یہ باغ ایک مصنوعی پہاڑی پر واقع تھا جس کی بلندی سے سیلاب کا منظر بخوبی نظر آتا تھا۔ بکثرت نیلی و سفید کنول کے پھول سطح نیل پر تیر رہے تھے اور کناروں پر دریائی پرندوں کے جھنڈ کے جھنڈ موجود تھے سفید بگلے دور سے یہ معلوم ہوتے تھے گویا پہاڑی پر برف کے تودے کھڑے ہیں۔ عقاب اپنے چوڑے بازوؤں کو کھولے ہوئے نسیم صحری کے مزے لے رہے تھے۔ فاختائیں تاڑ کی ٹہنیوں پر منڈلا رہی تھیں۔ ماہی خور و بطیں کشتی کے بادبانوں کو دیکھتے ہی چیختی و چلاتی ادھر ادھر اُڑ رہی تھیں۔ طوفان کے بعد فضا میں خنکی آگئی تھی اور سمت شمال و مشرق سے ایک ہوا زور سے چل رہی تھی جس کی وجہ سے بہت سی کشتیاں پُر آب کھیتوں پر چڑھ آئی تھیں۔ ملاحوں کے گیتوں۔ چپوؤں کی آوازوں اور چڑیوں کے چہچہانے نے باوجود اس سیلاب کے دریائے نیل کا منظر اس وقت نہایت خوشگوار بنا دیا تھا۔

احاطہ باغ کی دیوار کے قریب دونوں وارفتہ و دلدادہ ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑے سامنے کے سین سے لطف اُٹھاتے ہوئے اپنے عشق و محبت کی باتیں کر رہے تھے۔ اتنے میں بردیہ کو دور سے ایک کشتی نظر آئی جسے ملاح بڑی تیزی سے کھیتے ہوئے روڈوفس کے محل کی طرف لا رہے تھے۔ چند ہی لحظوں میں وہ دیوار کے پاس آکر لگ گئی۔ اور ددہ یا مع اپنے دوستوں کے مرحبا کہتا ہوا شہزادہ سے ملاقی ہوا۔ دارا کی تدبیریں پورے طور سے کامیاب ہوئیں۔ کیونکہ طوفان ایسا سخت و غضبناک تھا کہ مصری گھبرا گئے اور اُن کا پیچھا نہ کر سکے۔ مگر وہ اب اُن کی تلاش میں فوراً نکلیں گے اس لئے زیادہ توقف کرنا خطرناک ہے۔ سافو اپنی نانی سے بڑی محبت سے الوداع کہہ کر بوڑھی دایہ ملیتہ کو ساتھ لئے سلوسن کی کشتی میں بیٹھ گئی اور ایک گھنٹہ

بعد وہ اور بردیہ وغیرہ کلیاس کے تیز رفتار جہاز پر پہنچ گئے۔ جہاں اس کا مالک پہلے سے موجود تھا۔ اس نے بڑی خاطر و مدارات سے سافو اور بردیہ کو رخصت کیا۔ بردیہ نے اپنے اظہار احسان مندی کے لئے ایک بیش بہا زنجیر یونانی کے نذر کی اور سلوسن نے اپنا ارغوانی چغہ دارا کو بطور نشانی کے پیش کیا۔ یہ چغہ سیدا[۱] کے رنگریزوں کی اعلیٰ درجہ کی صناعی کا نمونہ تھا اور پہلے ہی سے دارا کی نظروں میں کھپ گیا تھا۔ اس لئے بڑی خوشی سے اس نے اُسے قبول کیا۔ اور یولی کراتیس کے بھائی سے بوقت رخصت کہا "یونانی دوست! تمہارے احسانات کا مجھ پر بہت بڑا بار ہے۔ دیکھو اُس کی تلافی کا کبھی مجھے موقع ضرور دینا"

دارا۔ (سلوسن سے بغلگیر ہو کر) دیکھو میرے یہاں بھی ضرور آنا میں تمہارا ساتھ نہ چھوڑونگا۔ تم کھو گے تو میں اس کال کوٹھری میں بھی جہاں سے ابھی مجھے چھڑا کر لائے ہو تمہارے ساتھ رہنے کو تیار رہوں۔ جہاز کا لنگر اب اُٹھ رہا ہے۔ الوداع عزیز من۔ اور ہاں اُن گل فروش نازنینوں سے میرا سلام کہنا اور ان کی چھوٹی بہن کو یہ پیام دینا کہ میرا احسان مانے کہ ایسے بدتمیز و بدصورت عاشق سے جو اُسے تنگ کیا کرتا تھا میں نے ہمیشہ کے لئے اُسے نجات دلا دی۔ یہ اشرفیوں کی تھیلی بھی ساتھ لیجاؤ اور اُس غریب مصری کے بال بچوں کو میری طرف سے حوالہ کرنا جس نے قید سے بھاگتے وقت مجھے روکنا چاہتا تھا اور نادانستہ میرے ہاتھ سے مارا گیا تھا"

یہ الفاظ ابھی تمام نہ ہوئے تھے کہ تختۂ جہاز سے لنگر کے گرنے کی آواز آئی۔ بادبان کُھل گئے۔ ہوا سے بھرنے لگے۔ ملاحوں کے نغمہ کی آوازیں آئیں۔ اور جہاز کا پھرا جس پر ہاجینیا[۲] کا لکڑی کا بُت نصب تھا حرکت کرنے لگا۔ بردیہ سافو کے قریب کھڑا بڑی دیر تک نوکراتیس کو دیکھتا رہا یہاں تک کہ دریائے نیل کا

---

[۱] سیدا۔ فنیقیہ کا ایک مشہور شہر۔ [۲] ہاجینیا۔ یونانی دیوی۔

ساحل نگاہ سے غائب ہوگیا اور بحر قلزم کی نیلگوں لہریں جہاز کو تھپیڑے مارنے لگیں۔

باب اٹھائیسواں ۲۸

جنگ

شہزادہ اور اُس کی پیاری بیوی جب ائی سوس پہنچے تو اماسس کی موت کی خبر معلوم ہوئی۔ وہاں سے روانہ ہو کر کچھ دنوں بابل میں قیام کیا۔ پھر شہر پارساگرد گئے جو صوبہ فارس کا دار الخلافت تھا۔ یہاں کاسندانہ۔ اتوسا و کریسس موجود تھے۔ کاسندانہ کی آنکھیں حکیم نبنچاری کے علاج سے اچھی ہو گئی تھیں وہ اب مصری مہم کے ساتھ جانے والی تھی۔ اس لئے پہلے اپنے شوہر کے مقبرہ کی زیارت کو یہاں آئی تھی جو کریسس کی رائے کے مطابق

لے مقبرہ کورش اعظم۔ اصفہان سے پانچ دن کی مسافت کے بعد ولایتِ شیراز میں ایک چھوٹا سا قریہ ہے جسے مشہد مرغاب کہتے ہیں۔ یہاں سے چھ میل کے فاصلہ پر ایک خوشنما وادی ہے جسے دریائے پلور سیراب کرتا ہے اسے میدان مرغاب کہتے ہیں اور یہیں فارس قدیم یا پرسا کا دار السلطنت یعنی پارساگرد واقع تھا۔ اور اسی نواح میں کورش اعظم نے میدیہ کے آخری بادشاہ استیاز کو شکست دی تھی اور وہ عالی شان محل و قلعے بنائے تھے جو سکندر کے زمانہ تک قائم رہے۔ اس میدان میں سب سے زیادہ مشہور کورش اعظم کا مقبرہ ہے جسے یہاں کے باشندے غلط فہمی سے قبر مادر سلیمان کہتے ہیں۔ مقبرہ کی لمبائی ۲۰ فیٹ۔ چوڑائی ۱۰ فیٹ اور زمین سے چھت کی چوٹی تک بلندی ۳۵ فیٹ ہے۔ باہر سے اسکے سات طبقے یا زینے ہیں

بنایا گیا تھا۔ یہ سنگ مرمر کی خوبصورت عمارت ایک بلند مقام پر واقع تھی جس پر چڑھنے

(بقیہ نوٹ صفحہ گذشتہ) جو بتدریج چھوٹے ہوتے ہوئے چلے گئے ہیں۔ اس کی تعمیر میں پتھر کی بڑی بڑی سلیں جو لوہے کے پتروں سے ملحق تھیں استعمال کی گئی تھیں۔ مقبرہ کا در جو چار فٹ اونچا اور ڈہائی فٹ چوڑا ہے۔ اس میں خیال کیا جاتا ہے کہ دو دروازے لگے تھے جو یکے بعد دیگرے کھلتے تھے۔ اندر ایک مختصر سا حجرہ ہے جس کے مشرقی دیوار میں جو دروازہ کے مقابل ہے ایک طاق سا نظر آتا ہے اور نیچے فرش پر بھی ایک چھوٹا سا غار ہے جو شاید تابوت رکھنے کی جگہ تھی۔ باقی کوئی نشان اب موجود نہیں۔ البتہ در و دیوار پر آیاتِ قرآنی لکھی ہیں جس سے اُن لوگوں کی جہالت کا اظہار ہوتا ہے جو اُسے حضرت سلیمانؑ کی والدہ کا مزار سمجھ کر ہر سال زیارت کرنے اور منتیں چڑھانے آتے ہیں۔ آج کل کوئی قدیم کتبہ اس مقبرہ پر نہیں ہے مگر آرین یونانی مورخ نے لکھا ہے کہ اسکے زمانہ میں پرانی فارسی میں یہ کندہ تھا:۔

"اے مرد! منم کورش پور کمبوجیا۔ موسس شہنشاہی فارس، بادشاہ آسیاہ۔ بر من از (داشتن) ایں بقعہ رشک مبر۔" اسی مورخ کا قول ہے کہ "کورش کے مقبرہ کے چاروں طرف کُنج و سبزہ زار ہیں۔ وہ ایک سنگین عمارت ہے جو ایک مستطیل چبوترہ پر بنائی گئی ہے۔ اس کی چھت پٹاؤ دار و چپٹی ہے۔ دروازہ اس قدر تنگ ہے کہ آدمی بمشکل داخل ہو سکتا ہے۔ اندرون حجرہ ایک طلائی تابوت کے اندر جس پر بابل کی ایک خوشنما چادر پڑی تھی کورش کی لاش محفوظ تھی۔ پاس ہی ایک پلنگ تھا جس کے پائے سونے کے تھے۔ فرش حجرہ پر ارغوانی قالین بچھے تھے اور ایک میز بھی موجود تھی جس پر مختلف لباس و بیش بہا جواہرات سجائے گئے تھے جب سکندر وہاں آیا تو اُس نے دیکھا کہ مقبرہ کھلا پڑا ہے تابوت سے لاش باہر نکال کر پھینک دی گئی ہے اور تمام قیمتی اشیاء غائب ہیں۔ یہ غالباً لٹیروں و چوروں کا کام تھا۔ سکندر نے فوراً لاش بحفاظت تمام تابوت میں رکھوا دی اور تمام سامان مہیا کر کے حجرہ دوبارہ آراستہ کرا دیا۔ اور دروازہ چنوا کر باہر سے اپنی مُہر لگا دی۔ اس مقبرہ کا متولی جو ایک مجوس ہے

کے لئے متعدد سیڑھیاں تھیں اس کی چھت ایک قبر کی طرح چلپٹی تھی اور اندرونی حصہ نہایت خوبی کے ساتھ آراستہ تھا۔ یہاں وسط میں ایک زریں تابوت جس میں بادشاہ کی لاش تھی رکھا ہوا تھا۔ قریب ہی ایک چاندی کا پلنگ اور چاندی کی میز بچھی ہوئی تھی۔ میز پر سونے کے برتن لباس فاخرہ اور بیش بہا جواہرات سجا کر رکھے تھے۔ باہر اس مقبرہ کے چاروں طرف خوبصورت چمن اور سایہ دار درخت تھے اور احاطہ کے اندر ایک چھوٹا سا مکان بھی اس مجاور یا متولی کے لئے تھا جس کے سپرد مقبرہ کی خدمت و نگہبانی تھی یہاں سے کچھ دور کورش اعظم کا وہ محل تھا جہاں اُس کی وصیت کے مطابق ہر ایرانی بادشاہ کو سال میں چند مہینے قیام کرنا لازم تھا۔ اس عالی شان عمارت کی شکل ایک نہایت مضبوط و ناقابل تسخیر قلعہ کی طرز پر تھی اور اسی میں سلطنت کا تمام خزانہ محفوظ رہتا تھا۔ ملکہ کاسندانہ اپنا اکثر وقت انھیں باغات و پہاڑیوں کی سیر و تفریح میں صرف کیا کرتی تھی۔ اتوسا بھی جو نتینس کی وفات اور دارا کے روانگی کی وجہ سے اکثر مغموم رہا کرتی۔ یہاں آکر کسی قدر بشاش ہو گئی تھی۔ اور اب سافو کے آجانے سے اُس کا دل اور بھی بہل گیا تھا اور ملکہ بھی اپنی خوبصورت و چھوٹی بہو کو دیکھ کر بہت خوش ہوئی تھی۔ دارا اور رڈھیا اُس بڑی فوج کی ہمراہی کے لئے جو فرات کے میدانوں میں جمع ہو رہی تھی گئے تھے۔ اور بردیہ کو بھی مجبوراً اس زمانہ میں بابل کا سفر کرنا پڑا تھا۔ کمبوجیہ ایک بار اپنی ماں سے ملنے آیا تو سافو کو دیکھکر

(بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ) قریب ہی ایک مکان میں رہتا ہے اور روزانہ ایک بھیڑ اور ہر ماہ ایک گھوڑا بھینٹ چڑھایا کرتا ہے۔

مقبرہ کے گرد اب بھی ان ستونوں کے آثار ہیں جہاں کسی زمانہ میں ایک چھت دار صحن تھا اور جانب شمال اُس عمارت کے بھی نشان پائے جاتے ہیں جو بقول آرین متولی کے رہنے کا مکان تھا۔ (سائیکیس جیکیس)

بہت خوش ہوا اور اُس کے حُسن و ادب کی تعریفیں کرنے لگا مگر وہ اُس کی شکل دیکھتے
ہی ڈر گئی۔ بادشاہ چند ہی ماہ میں بالکل بدل گیا کثرتِ مے نوشی نے اُسے بدصورت
و کریہہ المنظر بنا دیا تھا۔ اس کی چمکدار آنکھوں میں گو اب بھی کسی قدر پرانا جوش باقی
تھا مگر اُن سے ناپاکی و درشت خوئی برستی تھی۔ اُس کے بال جو بھونرے کی طرح سیاہ
تھے اب بہت کچھ سفید ہو گئے تھے اور نہایت بے ترتیبی کے ساتھ اِدھر اُدھر بکھرے
رہتے تھے اور بجائے اُس فتحمندانہ مسکراہٹ کے جو پہلے اُس کے چہرے پر
زیب دیا کرتی تھی اب نفرت و بیزاری۔ درشتی و سختی پائی جاتی تھی۔ سوائے اسوقت
کے جب حالت نشہ میں ہوتا وہ کبھی نہ ہنستا تھا۔ اور یہ ہنسی بھی ایسی زہر آلود تھی کہ دیکھنے
والوں کے دل میں سخت وحشت و ہیبت پیدا کرتی تھی۔ اُسے اپنی بیویوں سے
اب بھی نفرتِ کلی تھی اور اُنھیں شوس چھوڑ کر کسی کو اپنے ساتھ مصر کے سفر پر نہ
لے جانا چاہتا تھا۔ بخلاف اس کے دیگر معزز سردار و امیر اپنی اپنی چہیتی بیویوں
و کنیزوں کو ساتھ لے جانے کی تیاریاں کر رہے تھے تاہم باوجود ان تمام باتوں
کے کوئی شخص کمبوجیہ کو ظالم و جابر نہ کہہ سکتا تھا۔ بلکہ اب وہ پہلے سے بھی زیادہ
عدل و انصاف میں سرگرم تھا اور اگر اُسے معلوم ہو جاتا کہ کسی نے بے رحمی و ناانصافی
سے کام لیا ہے تو بڑی سختی سے اُسے سزا دیتا تھا مثلاً ایک مرتبہ اُس نے سُنا کہ
کسی حاکم نے رشوت لیکر ایک غریب کی حق تلفی کی ہے تو فوراً اُس کی کھال کھچوا کر
کرسی عدالت پر بچھوا دی۔ اور اُسی کے لڑکے کو اس عہدہ پر مقرر کر کے اس خوفناک
مسند پر بیٹھنے کے لئے مجبور کیا۔ علاوہ بریں فوجی انتظامات میں اُس نے ایک
غیر معمولی سرگرمی و تندہی کا اظہار کیا اور وہ لشکر جرار جو بابل میں جمع ہو رہا تھا اسکی
قواعد وغیرہ کا بذات خود بڑی سختی کے ساتھ امتحان و ملاحظہ کرنا شروع کیا۔ ایرانی
فوج کا کوچ بعد جشن نوروز طے پایا تھا۔ اسکی بڑے اہتمام و نہ کثیر کی ساتھ تیاریاں کی گئیں۔

بادشاہ اپنا محل چھوڑ کر کیمپ میں رہنے سہنے لگا۔ یہاں ایک دن بردیہ اس کے سامنے حاضر ہوا اور نہایت ادب سے اُس کے دامن کا بوسہ دیکر خوشی سے کہنے لگا کہ میں عنقریب صاحب اولاد ہونے والا ہوں۔ یہ سُنتے ہی کمبوجیہ کا چہرہ متغیر ہوگیا۔ بردیہ سے تو اس نے کچھ نہ کہا۔ مگر بوقت شب خوب شراب پی کر بدمست ہوا اور دوسرے دن موبدوں۔ مجوسیوں اور کلدانیوں کو بلا کر اُن سے یہ سوال کیا "تمہیں یاد ہوگا کہ ایک مرتبہ تم نے میرے خواب کی یہ تعبیر دی تھی کہ اتوسا اس ملک کے آئندہ بادشاہ کی ماں ہوگی۔ اب یہ بتاؤ کہ اس پیشین گوئی کے پورا کرنے کی غرض سے اگر میں اپنی بہن سے عقد کر لوں تو کوئی گناہ تو نہ ہوگا"

اُرسپتس موبد اعظم اور مجوس و مغاں نے صلاح و مشورہ کے بعد شہنشاہ کے قدموں پر گر کر عرض کیا "ہماری رائے میں عقد سے جہاں پناہ پر کوئی گناہ نہ ہوگا۔ ہمارے مذہب میں قریبی عزیزوں سے نکاح جائز ہے اور گو بہن کے ساتھ شادی کسی قدر معیوب سمجھی جاتی ہے تاہم بادشاہ کی مرضی سب پر بالا ہے وہ جو چاہے کر سکتا ہے اس کا کوئی فعل بیجا و نامناسب نہیں ہو سکتا۔ اس لئے حضور والا کی اگر یہی خواہش ہے تو بخوشی اُسے پورا کریں"

کمبوجیہ نے یہ سُن کر موبدوں کو بہت انعام و اکرام و خلعت گراں بہا بخشے۔ موبد اعظم کو اپنا جانشین مقرر کیا اور اپنی ماں سے جا کر کہا کہ فتح مصر کے بعد ہی وہ اپنی بہن کو عقد[۱] میں لانے کا ارادہ رکھتا ہے۔ ملکہ نے سُنا تو اُسے حد درجہ صدمہ و قلق ہوا مگر

---

[۱] مُصنف ایران نامہ کا بیان ہے کہ قدیم ایران میں اصالت و نجابت کا قایم رکھنا نہایت ضروری سمجھا جاتا تھا۔ اس لئے ہم کفو اور قریبی عزیزوں کی شادی مستحسن سمجھی جاتی تھی۔ اور حقیقی بہنوں سے بھی عقد جائز کر دیا گیا تھا۔

شاہانِ ہخامنش میں سب سے پہلے کمبوجیہ نے اپنی بہن اتوسا سے شادی کی۔ بعدہٗ دارا دوئم

مجبور تھی خاموش ہو کر رہ گئی۔

آخر کار وہ تمام ایرانی لشکر جس کی تعداد آٹھ لاکھ سے زیادہ تھی مختلف حصوں میں منقسم ہو کر روانہ ہوا[۱]۔ اور دو ماہ بعد شام کے ریگستان میں پہونچا جہاں عربوں کے

(بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ) اپنی خواہر پریزاد کو عقد میں لایا۔ پریزاد نہایت غضبناک عورت تھی اس کی وجہ سے بادشاہ کو بڑی تکالیف کا سامنا ہوا۔ ساتواں تاجدار آرشاک ملقب بہ آردشیر دوم اگرچہ ہزاروں عورتیں اُس کے حرم میں تھیں اور ایک سو لڑکے لڑکیاں اُن سے ہوئیں تاہم اُس نے خاص اپنی دختر یعنی ہمای یا اتوسا سے شادی کر لی۔ شاہنامہ سے بھی اس قسم کے رواج کا پتہ لگتا ہے۔ مثلاً سیاوش اور اسفندیار نے اپنی بہنوں سے شادی کی۔ اور بہمن اُردشیر کے متعلق بھی فردوسی لکھتا ہے کہ

یکے دختر ش بود نامش ہمای ہنرمند و با دانش و پاک رائے

اُسے بادشاہ نے بموجب آئین وقت اپنی زوجیت میں لے لیا۔

معلوم ہوتا ہے کہ اُس زمانہ میں دوسرے ممالک خصوصاً مصر میں بھی یہی رواج تھا جو اول صدی عیسوی تک باقی رہا۔ سلوکس جانشین اسکندر نے دختر دمترلوس مقدونیائی سے عقد کیا اور اپنی سوتیلی ماں پر بھی عاشق ہو گیا جسے خود اُس کے باپ نے اُسے حوالہ کر دیا۔ وقس علیٰ ہذا۔ (ایران نامہ)

[۱] کوچ و کیمپ۔ شاہانِ ہخامنش کی افواج بڑی شان و شوکت سے سفر کرتی تھیں۔ ان میں دارا و خشایارشا کی لشکر کشی کا حال قابل ذکر ہے۔ سب کے آگے خیمہ و خرگاہ و بھاری سامان خچروں و اونٹوں پر لدا ہوا نکلتا۔ بعدہٗ نصف حصہ غیر ایرانی افواج کا۔ پھر ایک خالی جگہ۔ پھر باقی ماندہ حصہ اسی لشکر کا۔ اسکے پیچھے ایک ہزار ایرانی سواران خاصہ۔ انکے عقب میں ایک ہزار منتخب سپاہیان (پیدل) خاصہ۔ جو اپنے نیزے زمین کی طرف جھکائے ہوئے مارچ کرتے تھے۔ پھر دس کوتل گھوڑے ساز و یراق سے آراستہ و پیراستہ۔ بعدہٗ وہ مقدس رتھ جس میں دس

دوز بردست قبیلے عمالقہ وغیرہ جنھیں **فنیس** نے اپنی طرف ملالیا تھا آکر شامل ہو گئے۔ انکے

(بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ) سفید گھوڑے جُتے تھے۔ پھر شہنشاہ کی سواری جو ایک مرصع وزریں گاڑی پر اپنے رتھبان کے ساتھ بڑی شان سے جلوہ گر نظر آتا تھا۔ اس کے پیچھے ایک ہزار سپاہیان خاصہ پھر ایک ہزار سواران خاصہ۔ بعدہٗ دس ہزار قشون جاودانی جن کے عقب میں دس ہزار منتخب سواروں کا رسالہ۔ پھر کچھ فاصلہ پر باقی ماندہ فوج اور سب سے آخر میں شتر سواروں کا رسالہ ہوتا تھا جس کے پیچھے ایک انبوہ کثیر متعلقین وملازمین فوج کا نظر آتا تھا۔ ان میں نقیب۔ غلام۔ خواجہ سرا وغیرہ سب شامل تھے جو عموماً حرم سرائے شاہی کے ہمراہ چلتے تھے۔ فوج کے لئے سامان رسد کا نہایت عمدہ انتظام تھا۔ بہت کچھ ساتھ ہوتا تھا اور اثنائے راہ میں بھی مختلف مقامات پر اس کے ذخائر مع جانوران باربرداری وغیرہ موجود و تیار رہتے تھے۔ اگر سمندر کا قرب ہوتا تو جہازوں میں سامان رسد بھرا ہوا ساتھ ساتھ چلتا۔ علاوہ بریں جس بڑے شہر سے گذر ہوتا وہاں کے باشندوں کو تمام فوج کی دعوت کرنا پڑتی۔ اور اُسکے گذر کے لئے سڑکیں و پل وغیرہ تیار کرنے کا انتظام بھی اُنھیں کے سپرد ہوتا۔ جب منزل پر لشکر پہنچتا تو میلوں تک خیمے ہی خیمے نظر آتے جو نہایت باقاعدہ نصب کئے جاتے۔ بعض اس قدر وسیع تھے کہ سو سپاہی ان کے اندر رہ سکتے تھے۔ افواج کی شناخت کے لئے مختلف قسم کی جھنڈیوں ونشان سے انکے ڈیرے مزین کئے جاتے۔ شاہی خیمہ جس کا رُخ جانب مشرق ہوتا وسط کیمپ میں آراستہ کیا جاتا۔ اسکے سامنے ایک بہت بڑا جھنڈا جسکے سرے پر عقاب کی ایک طلائی تصویر بنی ہوتی بطور نشان خاص نصب کیا جاتا تھا۔ نہ صرف شہنشاہ بلکہ تمام سرداران فوج کے حرم انکے قریب ہی خیموں میں فروکش ہوتے جہاں آسائش وآرائش کا اس قدر سامان ساتھ رہتا تھا کہ فوجی نقل وحرکت میں دقت تھی اور شکست کے موقعوں پر دشمن کے ہاتھ خوب مال غنیمت آتا تھا۔ جس منزل پر غنیم کا خطرہ ہوتا تو کیمپ کے گرداگرد خندق ودھس بنا کر اُسے محفوظ بنایا جاتا۔ اور رات کے وقت سنتری چاروں طرف آگ جلا کر پہرہ دیتے تھے اور مخبر وجاسوس اونچے مقامات پر بیٹھے ہوئے فوراً خطرہ سے آگاہ کر دیتے تھے (رالنس وغیرہ)

ذمہ ایرانی افواج کے لئے پانی بہم پہنچانا تھا جسے وہ اپنے اونٹوں و گھوڑوں پر لاد کر لاتے تھے عکّہ کے نزدیک جو سرزمین کنعان میں واقع ہے۔ شامی فینیقی اور آیونیان اقوام جو ایرانیوں کی رعایا تھے اپنے اپنے بیڑہ جہازات لئے ہوئی موجود تھے۔ ان کے ساتھ قبرص اور ساموس کی بھی فوجیں تھیں جو فینیس کی ترغیب دہی سے شامل ہوئی تھیں۔ ساموس کے شامل ہونے کا ایک عجیب واقعہ ہوا۔ پولی کراتیس کے پاس جب کمبوجیہ کی طرف سے امداد کا پیغام آیا۔ اُسے اپنے دشمنوں سے نجات حاصل کرنے کا ایک اچھا بہانہ ہاتھ آیا۔ اس نے فوراً چُن چُن کر آٹھ ہزار وہ لوگ جو بڑے سرکش و باغی تھے دس سہ طبقہ جہازوں میں بھر کر ایرانیوں کی خدمت کے لئے روانہ کر دیئے اور خفیہ طور سے یہ کہلا بھیجا کہ براہ مہربانی ان کو واپس نہ بھیجئے گا۔ فینیس کو جیوں ہی یہ معلوم ہوا اُس نے ان باغیوں سے خبر کر دی۔ جسے سنتے ہی وہ بہت بگڑے اور اپنے ملک واپس چلے گئے جہاں اُن سے پولی کراتیس سے ایک جنگ ہوئی جس میں شکست کھا کر وہ اسپارٹا سے مدد مانگنے کے لئے اپنا ملک چھوڑ کر چلے گئے۔

دریائے نیل کی طغیانی سے ایک مہینہ پہلے ایرانیوں و مصریوں دونوں کی لشکر میدان پلوسیم میں پہنچکر جو ڈلٹا[1] کے شمال مغربی سمت واقع تھا مدمقابل ہو گئے فینیس کی تمام تدبیریں اب تک کامیاب ہوئیں۔ ریگستان کا سفر جو عموماً نہایت دشوار گذار خیال کیا جاتا تھا۔ اور جس میں ہزاروں سپاہیوں کے تلف ہونے کا اندیشہ تھا عربوں کی مدد سے بخیریت تمام طے ہو گیا اور ایرانی افواج کو موسمی موافقت کی وجہ سے بھی مصری سرحد تک پہنچنے میں زیادہ تکلیف و دقت کا سامنا نہ ہوا۔ کمبوجیہ فینیس کو دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ اور نہایت خاطر و مہربانی سے پیش آیا۔ یونانی نے دست بستہ عرض کیا۔ "میں دیکھتا ہوں کہ حضور والا ابھی تک اپنے

---

[1] ڈلٹا۔ دریائے نیل کا ڈلٹا۔

صدمۂ جانکاہ سے نہایت دلگیر و افسردہ خاطر ہیں۔ سچ ہے کہ عورتیں رو دھو کے اپنا دل ٹھنڈا کر لیتی ہیں مگر مردوں کا غم بڑی مشکل سے جاتا ہے۔ میں بھی اسی کا مارا ہوں اور میرے دل پر بھی ایک ایسا داغ ہے کہ کبھی نہ مٹے گا۔ ہم دونوں کو اب دیوتاؤں کا شکر کرنا چاہیئے کہ انھوں نے ایک ایسی لڑائی و انتقام کا موقع بخشا ہے جس سے بڑھ کر ہمارا رنج و الم دور کرنے کا اور کوئی علاج نہیں ہو سکتا تھا۔"

بعدہٗ فینیس شہنشاہ کے بالکل نزدیک ایک خیمہ میں رہنے لگا اور شبانہ روز دعوتوں میں بھی شامل ہونے لگا۔ لوگوں کو حیرت ہوئی کہ یونانی کے آتے ہی کمبوجیہ کا مزاج بالکل بدل گیا۔ اور اُس کی درشتی و افسردگی بھی بہت کچھ غائب ہو گئی۔

ایرانیوں کا لشکر گو عظیم الشان تھا مگر مصری بھی کچھ کم نہ تھے۔ انکی افواج قلعہ پلوسیم کی فصیلوں کے باہر خیمہ انداز تھیں۔ یہ قلعہ قدیم زمانہ سے مصر کو اقوام مشرقی کے حملوں سے بچانے کے لئے بنایا گیا تھا اور نہ صرف بہت مضبوط و مستحکم بلکہ ہر قسم کے سامان حرب سے معمور و آراستہ تھا۔

اپنے جاسوسوں کی زبانی ایرانیوں کو معلوم ہوا کہ فرعون کی فوج[1] چھہ لاکھ سے

---

[1] مصری فوج کا نظام سمجھنے کے لئے ہمیں اولاً جاننا چاہیئے کہ قدیم مصر میں پیشہ سپہگری نہایت معزز سمجھا جاتا تھا۔ یعنی پروہتوں کے بعد جنگجوؤں کا مرتبہ تھا اور عہد رامسس سے خاص حقوق اس فرقہ کو عطا کئے گئے تھے یعنی ہر سپاہی آٹھ ایکڑ زمین کا مالک تھا جس کی لگان وغیرہ معاف تھی اور کوئی قرض خواہ اپنے مطالبہ کے عوض میں اُسے سزائے قید نہ دلا سکتا تھا۔

اس فرقہ کے افراد کو اوائل عمر سے جنگی تعلیم و تربیت دیجاتی تھی جس کے لئے متعدد اسکول و ورزشگاہیں قایم تھیں۔ اس سے فارغ ہو کر وہ اپنی زمینداری وغیرہ کرتے تھے۔ مگر بوقت ضرورت جنگ کے لئے تیار رہتے تھے۔ اس زمانہ خدمت میں انھیں سرکار کی طرف سے خوراک ملتی تھی لیکن ہر سپاہی کو خود اپنے اسلحہ بہم پہنچانا پڑتے تھے۔ رامسس کے زمانہ میں

(بقیہ نوٹ صفحہ گذشتہ) اس ملکی فوج کی تعداد چار لاکھ تھی۔مگر علاوہ انکے متحد یا مفتوحہ اقوام سے اجیر سپاہی بھی بھرتی کئے جاتے تھے جنہیں صرف تنخواہ ملتی تھی۔

مصری فوج کی سب سے بڑی قوت اس کے تیر انداز تھے۔یہ پیدل یا رتھوں پر سوار ہوتے تھے اور لشکر کے بازوؤں پر منقسم کئے جاتے تھے۔قلب میں دیگر سپاہ پیدل اپنے مختلف جھنڈوں و ہتھیاروں کے ساتھ نظر آتی تھی اور سب سے پیچھے رسالے ہوتے تھے۔

جنگی اسلحہ حسب ذیل تھے۔کمان۔نیزہ۔دو قسم کے بھالے۔گوفن۔ایک چھوٹی و سیدھی تلوار۔خنجر۔چھرا۔تبر کلہاڑی۔گرز۔ایک خمیدہ لکڑی جس طرح آج کل بعض حبشی اقوام استعمال کرتی ہیں کمان لکڑی کی قریباً پانچ فٹ لمبی ہوتی تھی۔تیروں کی لمبائی بھی ۲۲ یا ۳۴ انچ تھی۔انکی نوک پر دھات کا پھل تھا۔اور دوسرے سرے پر تین پر لگے رہتے تھے۔سپر کی اونچائی اپنی چوڑائی سے دوگنہ آدمی کے نصف قد تھی۔اس کا ڈھانچہ لکڑی کا تھا جس کے باہر بیل کی کھال چڑھی تھی اور دھات کی پتر و کیلیں وغیرہ جڑی تھیں۔مصری خود مختلف قسم کے تھے۔پیتل کے بھی استعمال کئے جاتے تھے۔مگر یہ بھاری و گرم ہونے کی وجہ سے عموماً سوزنی کے سرپوشوں کو ترجیح دی جاتی تھی جو مونڈھوں یا کانوں تک لمبے ہوتے تھے۔اور دبیز و گدّی دار ہونے کی وجہ سے سر کی بھی خوب حفاظت کرتی تھے ان خودوں کے کناروں پر ایک قسم کی گوٹ لگی رہتی تھی۔ان کا رنگ سبز۔سُرخ یا سیاہ تھا۔چوٹی نوک دار تھی جس کے پُھندنے نہایت خوشنما معلوم ہوتے تھے۔زرہ بھی اسی طرح دھات کے پتروں یا سوزنی کی بنائی جاتی تھی۔اس کی آستین کبھی غائب یعنی مثل واسکٹ اور کبھی کہنی تک لمبی ہوتی تھیں۔وہ کالر دار یا بے کالر ہوتی تھی۔اور بعض اوقات گھٹنوں تک نیچی مگر عموماً کمر تک پہنچتی تھی جہاں ایک پٹکہ باندھ لیا جاتا تھا اور نیچے ایک قسم کے گھنگریا جو گھٹنوں سے اونچی تھی پہن لیتے تھے۔

مصری اپنی جنگوں میں رتھ سے بہت کام لیتے تھے۔اس پر عموماً دو شخص بیٹھ سکتے تھے۔ایک رتھبان

اور مزآیو[51] سپاہی ڈھائی لاکھ کلسریز ڈیڑھ لاکھ ۔ ہرموتبیز ۔ بیس ہزار سوار ۔ اور پچاس ہزار سے زیادہ اجیر سپاہی ہیں جن میں اکثر لیبیا کے وہ جنگجو سورما[52] تھے جن کی شجاعت و بہادری تمام دنیا میں مشہور تھی ۔ علاوہ ان کے لاتعداد حبشیوں کی ایک فوج تھی جو خاص سامیتیک کے جھنڈے کے نیچے صف آرا تھی ۔ تمام پیدل سپاہ پلٹنوں و کمپنیوں میں منقسم تھی جن کے علیحدہ علیحدہ جھنڈے و نشان تھے اور اس کے بڑے بڑے حصے یعنی ڈویژن مختلف اسلحہ کے لحاظ سے ایک دوسرے سے ممتاز نظر آتے تھے ۔

(بقیہ نوٹ صفحہ گذشتہ) دو دوسرا سورما جسکے عہدہ کا نشان بذریعہ ایک پٹی کے پشت پر بندھا رہتا تھا ۔ رتھبان جو خود بھی ایک جنگجو و معزز شخص ہوتا تھا اپنی ہاتھوں میں کوڑا اور راسیں لئے ہوئے داہنی جانب کھڑا رہتا تھا ۔ سپہ سالار یا فرعون کے ہمراہ ایک دوسری زائد رتھ بھی ہمیشہ رہتی تھی ۔

بعض اوقات بوقتِ جنگ سورما اپنے رتھ سے نیچے اُتر آتا تھا ۔ اور تلوار یا تبر اپنے ہاتھ میں لیکر حریف سے نبرد آزما ہوتا تھا ۔ مغلوب و زخمی ہونے کی حالت میں اگر وہ رحم کا خواستگار ہوا ۔ اور کوئی معزز شخص ہے تو فاتح نہایت عزت کے ساتھ اسے اپنے رتھ میں جگہ دیتا تھا ورنہ اسکے پیچھے باندھ کر بادشاہ کے روبرو لے جاتا تھا ۔ مقتولوں کے ہاتھ ایک جگہ جمع کر کے گنے جاتے جنھیں کاتب کارنامہ فتح میں باقاعدہ مندرج کر لیتے تھے ۔

مصری رتھیں لکڑی کی تھیں ۔ ان میں کوئی نشست نہ تھی ۔ ان کے پہیئے نیچے تھے اور زیادہ تر بوجھ بم پر رہتا تھا جو گھوڑوں کی گردن پر بستہ تھے ۔

(ماخوذ از ہسٹورین ہسٹری آف ورلڈ)

۵۱ ۔ مزایو ۔ یہ عموماً وہ غیر ملکی سپاہی تھے جن کا کام قیدیوں کی حفاظت تھی ۔

(ایبر)

۵۲ ۔ یہ غالباً شمال افریقہ کے باشندے تھے جنھیں ہیروڈوٹس نے ملک تینیر کے نام سے لکھا ہے ۔ (ایبر)

ایک طرف تو وہ لوگ جن کے پاس بڑے بڑے سپر، نیزے و خنجر تھے۔ دوسری طرف وہ جن کے پاس صرف تیر اور تلواریں تھیں۔ تیسرا گروہ ہلکے گرز و چھوٹی چھوٹی ڈھالیں لئے تھا۔ اور چوتھے کے پاس صرف کمندیں تھیں۔ لیکن اس فوج کا بڑا حصہ تیر اندازوں کا تھا جن کی کمانیں قد آدم تھیں اور ترکش بھی بڑے بڑے تھے۔ بعدہٗ وہ سوار نظر آئے جن کے ہاتھوں میں چھوٹے چھوٹے گرز تھے اور صرف دھوتیاں باندھے تھے مگر رتھوں پر بیٹھنے والے جنگجو جو عموماً معزز و متمول طبقہ سے تھے نہایت زرق برق لباس سے آراستہ تھے۔ گھوڑوں کا ساز و یراق بھی پر تکلف تھا اور ان کے چار پہیوں والی مضبوط گاڑیاں بھی بڑی خوبی کے ساتھ مزین تھیں۔ ان سورماؤں کے ہاتھوں میں نیزے و کمان تھے اور ان کے پاس ہی رتھبان کھڑے ہوئے تھے۔ ایرانیوں[لے] کی پیدل فوج

لے ایرانی افواج کے مختلف حصے حسب ذیل تھے:۔

(۱) باڈی گارڈ۔ پاسبان خاصہ۔ ان کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں۔

(۲) قشون جاودانی۔ ان کے متعلق بھی لکھ چکے ہیں۔

(۳) رتھیں۔ ہخامنش ان سے زیادہ کام لیتے تھے۔ ساسانیوں کے زمانہ میں قریباً متروک ہو گئیں تھیں۔ ان کے پہیوں میں ہنسیا کی طرح ایک قوس نما آلہ لگا رہتا تھا جس سے جب رتھیں غنیم کی فوج کو چیرتی ہوئی نکلتی تھیں تو بہت سے لوگ زخمی ہوتے تھے۔ ان گاڑیوں میں دو یا چار گھوڑے جوتے جاتے تھے۔ ان کا دروازہ پشت پر تھا۔ اور صرف دو آدمیوں کے بیٹھنے کی جگہ تھی۔ ایک رتھبان اور دوسرا جنگجو سورما۔ دونوں کے جسم زرہ بکتر سے بخوبی محفوظ رہتے تھے۔ سر پر خود اور چہرہ بالکل ڈھکا ہوا صرف آنکھیں کھلی رہتی تھیں۔ دارا کو اپنے رتھوں پر بڑا گھمنڈ تھا مگر سکندر کے مقابلہ میں وہ بالکل بے سود ثابت ہوئیں۔

(۴) ہاتھی۔ انھیں تمام فوج پر فضیلت حاصل تھی۔ سب سے پہلے ساسانیوں کے زمانہ میں ان سے کام لیا گیا۔ یہ کشادہ و مسطح میدان میں زیادہ کارآمد ثابت ہوتے تھے۔

مصریوں سے کچھ زیادہ نہ تھی لگران کا رسالہ تعداد میں چھ گنا بڑھکر تھا۔ غرض کہ اب جیسے

(بقیہ نوٹ صفحہ گذشتہ) تاہم ان پر اس قدر اعتماد تھا کہ جنگل و پہاڑوں میں بھی برابر ساتھ رکھے جاتے تھے اور ان کی گذرگاہ کے لئے خاص راستے بنائے جاتے تھے۔ ہاتھی عموماً ہندوستان سے آتے تھے اسی لئے ان کے افسر کو زندکا (سندھو) پت کہتے تھے۔

(۵) رسالے۔ (الف) ہلکار رسالہ۔ اس کا ساز و سامان نہایت مختصر اور سوار زرہ پوش نہ تھے۔ اس میں عموماً عربی قبائل بھرتی کئے جاتے تھے جن کا شمار عہد ساسانی میں باضابطہ فوج میں نہ تھا مگر انکے حملے نہایت موثر ہوتے تھے۔ اکثر اوقات ان کے دَل بادل ہزاروں کی تعداد میں غنیم کی پیش قدمی یا ہزیمت کے وقت اُسے چاروں طرف سے گھیر کر دور سے تیر برساتے اور سخت پریشان کرتے تھے۔ شاپور نے جب قیصر جولین کو شکست دی تو یہی رسالہ تھا جو افواج روما کی تباہی کا باعث ہوا۔

(ب) بھاری رسالہ۔ فردوسی لکھتا ہے کہ کیانی سواروں کے پاس حسب ذیل ساز و سامان ہوتا تھا:۔ سر پر ایک خود شبکل گاؤ۔ آہنی یا طلائی۔ یا صرف بھیڑیے کے چمڑے کی ایک ٹوپی ہوتی تھی۔ جسم پر زرہ بکتر۔ رستم عموماً چیتے کی کھال کی زرہ زیب تن کرتا تھا۔ ہتھیاروں میں چمڑے کی ایک بہت بڑی کمند لپٹی ہوئی کاٹھی سے بندھی رہتی تھی۔ کمر میں خنجر و برچھی و ایک شمشیر جس کے دو طرفہ دھار تھی ہاتھ میں سپر اور ایک نو ہاتھ لانبا لکڑی کا نیزہ جس کا پھل آہنی تھا۔ دوش پر ایک کمان جو چنار یا کسی دوسری مضبوط لکڑی کی تھی اور اس کی تانت بیل یا ہرن کی آنتوں کی ہوتی تھی۔ ترکش تیروں سے بھرا ہوا جو لکڑی یا ہڈی کے ہوتے تھے ان کی نوک پیتل یا لوہے کی تھی اور دوسرے سرے پر عقاب یا چیل کے پر لگے رہتے تھے۔ ہخامنش کے زمانہ میں بھی سوار اور گھوڑے دونوں زرہ پوش تھے۔ افسروں کے سر پر سونے و چاندی اور معمولی سواروں کے تانبے یا لوہے کے خود تھے۔ بائیں کاندھے پر کمان۔ پشت پر ترکش اور کمر میں ایک خنجر یا چھوٹی سی تلوار لٹکی رہتی تھی۔ نیز سپر فلاخن۔ تبر اور ایک خاردار کرہ نما گرز بھی رکھتے تھے۔ علاوہ بریں انکے

ہی دونوں فوجیں ایک دوسرے کے مدمقابل ہوئیں کمبوجیہ کے حکم سے میدان جنگ جھاڑ جھنکار۔ درختوں و ریتلی ٹیلیوں وغیرہ سے صاف کیا جانے لگا۔ تاکہ ایرانی رسالہ اور جنگی گاڑیوں کے سامنے کوئی شے حائل نہ ہو۔ فینیس کو مقامی خصوصیات وحالات سے پوری واقفیت حاصل تھی اس لئے جو نقشہ و تدابیر جنگ اُس نے پیش کیں انھیں نہ صرف کمبوجیہ نے بلکہ بگا باز نے بھی جو ایرانیوں کا سب سے بڑا جنرل تھا پسند و اختیار کیا۔ خصوصاً میدانِ جنگ کے متعلق اس کی ہدایات نہایت مفید ثابت ہوئیں کیونکہ اس میں متعدد جھیلیں و نالے تھے جن کے متعلق پہلے سے علم ہونا اور ان سے بچنے کی تدابیر کرنا حملہ آور فوج کی کامیابی کے لئے نہایت اہم د

(بقیہ نوٹ صفحہ گذشتہ) اُن کے پاس دو قسم کے نیزے تھے ایک چھوٹا جسے دور سے پھینک کر مارتے اور دوسرا بڑا جسے قریب سے استعمال کرتے تھے۔ ساسانیوں کے زمانہ میں بھی کم و بیش یہی ہتھیار تھے۔

(۶) کماندار۔ ایرانی افواج کا انھیں روح رواں کہنا چاہئے۔ یہ غضب کے مشاق و نشانہ باز تھے۔ انکے پاس بڑی بڑی اونچی ڈھالیں تھیں جنھیں اپنے سامنے زمین پر قطار در قطار جب رکھ دیتے تھے تو ایک اچھا خاصہ حصار بن جاتا تھا جس کے پیچھے باطمینان تیزی کے ساتھ تیر برساتے تھے کہ دشمن کو بمشکل مہلت ملتی تھی بعض اوقات بھاری رسالہ کی اوٹ میں کھڑے ہوکر بھی حملہ کرتے تھے اور بحالت ہزیمت یا شکست بھاگتے ہوئے پیچھے مُڑ کر بھی تیر مارتے تھے اور اس خوبی کے ساتھ کہ خود انکے دشمن قائل ہیں کہ کبھی ان کا نشانہ خطا نہ ہوتا تھا۔

(۷) پیدل سپاہ۔ اس میں مختلف اقوام کے لوگ شامل تھے جو اپنے اپنے قومی لباس و ہتھیار استعمال کرتے تھے عموماً انکے پاس تلوار۔ برچھیاں و نیزے تھے۔ ساسانی پیادوں کے پاس اپنے جسم کی حفاظت کا سامان زیادہ نہ تھا مگر ہامنش گرزمانہ میں وہ بھی چار آئینہ و زرہ جسکی کڑیاں فلوس ماہی کی طرح تھیں پہنتے تھے اور سر پر بجائے خود کے ایک ٹوپی تھی یا ایک چوڑا سافیتہ بندھا رہتا تھا۔ (رالنس وغیرہ)

ضروری تھا۔ ایرانی جنگی مجلس شوریٰ میں ان تمام امور پر بحث کر کے فیصلہ کیا گیا جس کے اختتام پر فینیس نے بادشاہ سے اجازت طلبی کے بعد اپنی ایک دوسری عجیب وغریب تدبیر کا اس طرح انکشاف کیا:۔

"آپ سب صاحب یہ معلوم کرنے کے لئے نہایت بے تاب ہیں کہ ان بند گاڑیوں میں جو اپنے ساتھ لایا ہوں۔ کیا ہے۔ ان میں پانچ ہزار بلیاں ہیں۔ آپ ہنستے ہیں لیکن میں یقین دلاتا ہوں کہ ہزاروں جنگجو سپاہیوں سے زیادہ یہ جانور ہماری مدد کریں گے۔ آپ کو معلوم ہوگا کہ مصری بلیوں کی کس قدر عزت کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ اپنی جان دیدیں گے مگر انھیں ضرر نہ پہنچائیں گے۔ اس کا بخوبی تجربہ ہے اور ایک مرتبہ چند بلیوں کے مارنے کی بدولت خود مجھے اپنی جان سے ہاتھ دھونا پڑا تھا غرض کہ مصریوں کے اس وہم باطل سے فائدہ اُٹھانے کے لئے میں اپنے اثنا سفر میں قبرس۔ ساموس۔ کریٹ۔ شام۔ جہاں جہاں سے گذرا۔ بلیوں کے جھول کے جھول اپنے ساتھ جمع کرتا گیا۔ میری رائے میں انھیں ان افواج کو تقسیم کردینا زیادہ مناسب ہوگا جو خاص کر مصریوں کے مدمقابل ہوں گی۔ ہر ایک سپاہی ایک ایک بلی اپنی ڈھال پر باندھ لے اور حملہ کے وقت دشمن کو دور سے دکھائے۔ میں شرط باندھ کر کہہ سکتا ہوں کہ مصری سپاہی میدانِ جنگ سے بھاگ جانا گوارا کریں گے مگر ان مقدس جانوروں کی طرف ہرگز نشانہ نہ ماریں گے"

یہ تقریر سنتے ہی بڑے زور سے قہقہہ پڑا۔ سب نے اس رائے کو نہایت پسند کیا اور اسی وقت حکم دیا گیا کہ سپاہیوں کو بلیاں تقسیم کردی جائیں۔ یکمبوجیہ نے بھی فینیس کی اس جدت وذہانت کی تعریف کی اور اس کی حسن خدمات کے صلہ میں بیش بہا تحائف سے سرفراز فرمایا اور اپنے ساتھ کھانے پر مدعو کیا۔ کچھ دیر بعد جب فینیس اپنی یونانی فوج کے ملاحظہ کو نکلا تو سب سے پہلے اپنے خیمہ کی طرف آیا

یہاں اُس نے دیکھا کہ چند غلام ایک بوڑھے شخص کو جس کی لمبی داڑھی اور کپڑے نہایت بوسیدہ ہیں۔ اندر جانے سے روک رہے ہیں۔ یونانی نے خیال کیا کہ یہ کوئی فقیر ہوگا اور ایک اشرفی اس کی طرف پھینک کر آگے بڑھنا چاہا۔ مگر بوڑھے نے زور سے اُس کا دامن پکڑ لیا۔ اور بآوازِ بلند چلا کر یہ کہا بھائی! میں ارسٹومینیقس ہوں۔ کیا اتنی جلدی بھول گئے؟"

فنیبس نے مڑ کر دیکھا تو اپنے دوست کو فوراً پہچان لیا اور اسے اس خراب و خستہ حالت میں دیکھ کر بہت حیران و پریشان ہوا۔ پھر اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے خیمہ کے اندر لے گیا۔ وہاں اس کے پیر دُھلوائے۔ موُنھ۔ ہاتھ اور سر صاف کر کے روغن لگایا۔ نئے کپڑے پہنائے اور کھانے و شراب اس کے سامنے لا کر رکھے۔ اسپارٹی نے خاموشی کے ساتھ سب کچھ کرنے دیا۔ جب کھانا کھا کر سیر ہوا اور کچھ دیر آرام کرنے کے بعد اس کے جسم میں طاقت آئی تو یونانی سے اپنا حال اس طرح بیان کرنے لگا:۔

"جب شہزادہ سامٹیکس نے تمہارے لڑکے کو مروا ڈالا تو میں نے اُس سے کہا کہ جب تک اس کی وجہ نہ بتاؤ گے اور میرے دوست کی لڑکی کو جلد رہا نہ کرو گے تو میں مع اپنے تمام ہمقوموں کے تمہاری نوکری چھوڑ کر چلا جاؤں گا۔ شہزادہ نے اس پر غور کرنے کا وعدہ کیا۔ دو دن بعد جب میں ایک کشتی میں بیٹھ کر ممفس کے ارادہ سے روانہ ہوا تو رات کے وقت چند حبشی سپاہیوں نے اچانک حملہ کیا اور مجھے باندھ کر جہاز کے ایک اندھیری کوٹھڑی میں بند کر دیا۔ کئی شبانہ روز کے سفر کے بعد ایک نامعلوم مقام پر کشتی پہنچی۔ یہاں مجھے اُتار کر ایک ریگستان میں سمت مشرق لے چلے جہاں عجیب و غریب چٹانیں تھیں۔ اور نہایت سخت گرمی پڑتی تھی۔ غرضکہ یہ دشوار گذار سفر جب طے ہوا تو ایک پہاڑی ملی جس کے نیچے بہت سی جھونپڑیاں تھیں اور ان کے رہنے والوں کے پیروں میں بیڑیاں اور ہاتھوں میں ہتھکڑیاں پڑی تھیں۔ ہر روز بوقت

صبح سپاہی ان غریب قیدیوں کو مارتے ہوئے ایک سونے کی کان[51] میں جو قریب ہی واقع تھی لے جاتے تھے۔ ان میں سے بعض بدنصیبوں کو چالیس برس اسی طرح کام کرتی گذر گئے تھے۔ مگر اکثر تو یہاں کی گرمی کی شدت و تکلیف و مصیبت برداشت نہ کر کے چند ہی سال میں مر جاتے تھے مجھے بھی انھیں قیدیوں کے ساتھ کام پر لگا یا گیا۔ میرے ساتھی عموماً یا تو وہ خونی مجرم تھے جنھیں سزائے موت معاف کر کے یہاں بھیجا گیا تھا یا وہ سرکش و باغی لوگ تھے جن کی زبانیں کاٹ کر جلا وطن کیا گیا تھا۔ تین مہینے تک میں نے ان سب کے ساتھ طرح طرح کی مصیبتیں اٹھائیں۔ سپاہیوں کی زدو کوب۔ دھوپ کی شدت اور رات کے وقت ننگے جسم پر اوس کا پڑنا اور کھانے پینے کو اچھا نہ ملنا۔ غرضکہ یہ تمام تکلیفیں برداشت کیں جو یقیناً بہت جلد میرا خاتمہ کر دیتیں لیکن امید و جوش انتقام نے مجھے زندہ رکھا۔ حسن اتفاق سے کچھ دنوں بعد دیوی لشپت کا تہوار آیا اور جتنے مصری محافظ و نگہبان تھے وہ سب شراب پی پی کر مدہوش ہو گئے۔ میرے ساتھیوں میں ایک نوجوان یہودی بھی تھا جسے جعلی و جھوٹے اوزان استعمال کرنے کے جرم میں ہاتھ کاٹ کر یہاں بھیج دیا گیا تھا۔ وہ اور میں دونوں اس موقع کو غنیمت سمجھ کر نکل بھاگے۔ اور کئی دن تک سنسان و وحشت زدہ بیابانوں میں بھٹکتے پھرا کئے۔ میں ایک سپاہی کی کمان چھین کر اپنے ساتھ لے آیا تھا جس سے شکار کر کے ہم دونوں پیٹ بھرتے تھے اور جب یہ نہ ملتا تو درختوں کے پھل پھلیری یا چڑیوں کے انڈوں پر بسر اوقات کرتے تھے اس طرح تمام دن آرام کرتے اور رات کے وقت ستاروں کو دیکھ کر اپنا راستہ ڈھونڈھتے ہوئے سفر کرتے۔ ہمیں یہ معلوم تھا کہ بحر احمر انھیں کانوں کے قریب کہیں

[51] ڈیوڈورس نے ان کانوں اور ان میں کام کرنے والوں کا حال پوری طور سے بیان کیا ہے یہ بحر احمر کے قریب واقع تھیں انکے نشان ابھی تک پائے جاتے ہیں اور ان کا ایک اُبھرا ہوا نقشہ بھی ٹیورین کے عجائب گھر میں موجود ہے۔ (ایبرس)

واقع ہے لیکن کوئی رہنما نہ ملنے سے بہت ٹھوکریں کھاتے اور بدقت تمام سمندر کی ساحل پر پہنچے اور وہاں سے شمال کا رُخ کیا جہاں اتفاق سے چند ملاح مل گئے جنھوں نے رحم کھا کر ہمیں کچھ دنوں اپنے ساتھ رکھا۔ پھر ہم عربوں کی ایک کشتی میں بیٹھ کر اُن کے ملک میں پہنچے۔ یہاں خبر ملی کہ کمبوجیہ ایک بڑے لشکر کے ساتھ مصر پر حملہ کی تیاریاں کر رہا ہے یہ سُنکر ہم چند عمالقہ سواروں کے ہمراہ جو ایرانی لشکر کے لئے پانی لے جا رہے تھے ریگستان میں سفر کرتے بھٹکتے ہوئے بالآخر بہ ہزار خرابی پلوسیم پہنچے۔ یہاں تمہاری موجودگی کا حال معلوم ہوتے ہی میں فوراً تمہیں ڈھونڈھنے نکلا۔ (کچھ دیر خاموشی کے بعد) دیکھو میں نے اپنی قسم پوری کی۔ مصر کے یونانیوں کا ساتھ دیا۔ اور اُن کی وجہ سے یہ تمام مصیبتیں جھیلیں۔ اب تمہارا فرض ہے کہ میری امداد کرو۔ اور میری تمنائے دلی برلاؤ یعنی مجھے اپنے ظالم دشمنوں سے انتقام لینے میں مدد دو۔"

یونانی۔ (بڑی گرمجوشی سے بوڑھے اسپارٹی کا ہاتھ دبا کر) تمہاری مراد جلد پوری ہوگی۔ میں تمہیں اہل ملیسیا کا سردار مقرر کرتا ہوں۔ اور ہر طرح مدد دینے کو تیار ہوں لیکن تمہارے بار احسانات سے کبھی سبکدوش نہیں ہو سکتا۔ البتہ ایک خبر سُناتا ہوں جو ضرور تمہاری خوشی کا باعث ہوگی۔ وہ یہ کہ تمہارے جانے کے چند دنوں بعد ایک خاص جہاز تمہارے بہادر فرزند کی سرکردگی میں نوکراتیس آیا تھا اور افور کی طرف سے بہ تمام اعزاز و اکرام تمہاری واپسی وطن کا مژدہ و پیام لایا تھا۔

یہ سنتے ہی بوڑھے اسپارٹی کا جسم کانپ اُٹھا۔ آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور اپنا سر دونوں ہاتھوں سے پیٹ کر تھراتی ہوئی آواز سے چلا کر بولا "اب پیشین گوئی صحیح نکلے گی۔ اپالو مجھے معاف کرنا میں نے تمہارے مبارک الفاظ پر شبہ کیا تھا۔ آرکل نے کیا کہا تھا۔"

اس نہر مار خم پہ جو وادی میں ہے رواں	اُتریں گے برف پوش پہاڑوں سے درع پوش

آئیگا اک سفینہ جو کچھ دیر سے یہاں	رمنے کی حد یہ پھر تمہیں پہنچا کے آئے گا
پائیں گے راحتوں کا غریب الوطن نشاں	رمنے وہ دلکشا ہیں فضا جن کی دیکھ کر
اگر وہ درع پوش تمہیں دیں گے بیکیاں	وہ چیز پانچ جج نہ جسے کر سکے عطا

دیوتا کا وعدہ پورا ہو جائے گا۔ اب میرے وطن جانے کا زمانہ قریب آگیا مگر اپنے دشمن سے انتقام لیکر پہلے اپنی حسرت و آرزو پوری کرلوں"۔

فینیس۔ گھبراؤ نہیں۔ اس کا وقت بھی قریب آگیا۔ کل میں اپنے مقتول لڑکے کیلئے بھینٹ و نذر چڑھاؤں گا۔ جب تک کمبوجیہ اُس تیغ سے جسے میرے ہاتھوں نے تیز کیا ہے مصر کے جگر کو گھائل و زخمی نہ کرلے گا۔ میں آرام و چین سے نہ بیٹھوں گا آؤ۔ چلو اب تمہیں بادشاہ کی خدمت میں لے چلوں وہ بھی یقیناً تمہاری قدر کرینگے اور اپنے الطاف خسروانہ سے سرفراز فرمائیں گے"۔

رات ہو گئی تھی۔ ایرانیوں کا کیمپ مستحکم و قلعہ بند نہ تھا۔ انھیں غنیم کے شبخون مارنے کا اندیشہ تھا اس لئے سب اپنی اپنی جگہ تیار و کمربستہ تھے۔ پیدل سپاہی اپنی ڈھالوں اور نیزوں پر ٹیک لگائے کھڑے تھے۔ سوار اپنے گھوڑوں پر کاٹھیاں ڈالے ہوشیار و مستعد تھے۔ کمبوجیہ بھی اپنے اسپ صبا رفتار پر سوار ہر طرف گشت لگا تا ہوا لوگوں کو دلاسے و ہمت دے رہا تھا۔ قلب فوج ابھی تک آراستہ نہ تھا اس میں یونانی باڈی گارڈ۔ قشون جاودانی اور خاندانی امراو شاہزادے تھے جو لڑائی کو بچوں کا کھیل سمجھتے تھے اور کبھی اپنے شہنشاہ کا ساتھ نہ چھوڑتے تھے یہ سب بھی جاگ رہے تھے لیکن ایشیائے کوچک کے یونانی اپنے سردار فینیس کے حکم کے موافق خواب استراحت کے مزے لے رہے تھے فینیس کا یہ خیال تھا کہ جنگ کے وقت اس کی فوج کو تر و تازہ ہونا چاہیے۔ اسلئے اسنے

انھیں مسلح ہو کر سونے کی اجازت دیدی تھی اور خود کھڑا ہوا پہرہ دے رہا تھا۔ ارسٹو میقیس سے بادشاہ نہایت مہربانی سے پیش آیا تھا اور یونانیوں کی نصف فوج کا سردار بنا کر بائیں بازو پر اُسے مقرر کیا گیا تھا اور باقی ماندہ کو فینس کی ماتحتی میں داہنی جانب جگہ دی گئی تھی۔ بادشاہ کا ارادہ تھا کہ خود سب سے پہلے دس ہزار قشون جاودانی کے ساتھ لڑائی کا آغاز کرے۔ یہ فوج لشکر ایران کی روح رواں تھی اس کے سامنے رنگ برنگ کے سُنہرے پرچم و جھنڈے نظر آتے تھے اور مشہور درفش کوانی[۱] بھی بڑی آب و تاب

[۱] درفش کوانی۔ ایران کے اس قومی جھنڈے کی وجہ تسمیہ بیان کی جاتی ہے کہ درحقیقت یہ کاوی لوہار کا چرمی پیرہن تھا جسے اس نے ایک نیزہ پر باندھ کر جھنڈا بنایا اور فریدوں کو شاہ بابل کے قتل پر آمادہ کیا تھا۔ یہ بادشاہ جسے اژہی وہاک بھی کہتے ہیں اس زمانہ میں ایران پر قابض تھا اور نہایت ظالم و بیدرد تھا۔ کہتے ہیں کہ اس کے شانوں پر دو سانپ تھے جنھیں روزوہ بچوں کا مغز کھلایا کرتا تھا۔ کاوی کے غریب بچے بھی اسی طرح ہلاک ہوئے تو اس نے علم بغاوت بلند کیا اور بالآخر فریدوں کی مدد سے کامیاب ہوا۔ ایران کو اژہی دہاک سے نجات ملی۔ اور لوہار کا چرمی پیرہن قومی نشان قرار دیا گیا اور کئی صدیوں تک اس بیش بہا تحفہ کے رکھنے کی عزت اصفہان ہی کو جو کاوی کا وطن تھا نصیب ہوئی۔ یہ جھنڈا خاص خاص بڑی جنگوں میں فوج کے ساتھ رہتا تھا زمانہ مابعد میں اس کی شکل بدل گئی تھی۔ یہ ۱۸ فٹ لمبا اور ۱۲ فٹ چوڑا تھا۔ اور بے شمار ہیرے جواہرات و موتیوں سے مرصع و مزین تھا۔ جنگ قادسیہ میں وہ ہمیشہ کے لئے ایرانیوں کے پاس سے چلا گیا۔ جب عرب سپاہی نے اُسے چھینا تھا اُس نے تیس ہزار درم یا ساتھ سو اسی پونڈ میں اسے بیچ ڈالا لیکن اس کی اصلی قیمت بارہ لاکھ درم یعنی تیس ہزار پونڈ سے بھی زائد تھی۔

(جیکسن۔ رالنس)

کے ساتھ اُڑ رہا تھا۔ شہزادہ بردیہ ایک ہزار ایرانی سواران خاصہ اور تمام زرہ پوش رسالہ کا افسر اعلیٰ تھا۔ گری سس اُس فوج کا سردار تھا جس کا کام کیمپ کی حفاظت و نگرانی تھی جہاں امیروں و سرداروں کی بیویاں۔ بادشاہ کی بہن و ماں اور تمام خزانہ و زر و جواہر موجود تھا۔

جب متھرا کا چہرہ درخشاں نمودار ہوا۔ اور شب تاریک کے ہولناک و ڈراونی دیو و شیاطین اپنے اپنے غاروں میں جا کر چھپ گئے تو پلو سیم کے عظیم الشان میدان میں ایک عجیب ہل چل نظر آئی۔ سب سے پہلے ایرانیوں کا وہ مقدس اگن ہوتر جو بابل سے تمام راستہ بھر فوج کے آگے آگے لایا گیا تھا مشتعل[۱] کیا گیا اور اُس کے شعلے جن میں بادشاہ اور تمام پروہت بیش بہا خوشبوئیں و بخورات

---

[۱] جنگ و جدل میں امداد غیبی پر ایرانیوں کو بہت بڑا بھروسہ تھا۔ خصوصاً متھرا سب سے بڑا حامی و مددگار سمجھا جاتا تھا۔ اس کی نذریں چڑھائی جاتی تھیں اور فروش یا آبا و اجداد کی ارواح کو بھی جگایا جاتا تھا۔ اور خیال تھا کہ وہ پردار چڑیوں کی شکل میں آکر دشمنوں کو ہلاک کریں گے نجومیوں سے ہمیشہ استصواب رائے کیا جاتا۔ مجوس و موبد لشکر کے ہمراہ رہتے تھے اور مقدس آگ ہاتھوں میں اُٹھائے فتح و نصرت کی دعائیں مانگتے ہوئے فوج کے آگے چلتے تھے۔ ان کے پیچھے وہ مقدس رتھ ہوتی تھی جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔ جب خشایار شا نے یونان پر حملہ کیا اور ایشیا سے یورپ میں داخل ہونے کی غرض سے باسفورس پر ایک پُل بنا کر گذرنا چاہا تو اولاً ایک بہت بڑی مذہبی رسم ادا کی گئی یعنی ایک طلائی ساغر میں پڑھا ہوا پانی بھر کر سمندر میں ڈالا گیا۔ پھر وہ جام اور ایک چھوٹی سی مرصع تلوار بھی اُسی میں پھینک دی گئی۔ تمام پُل مہندی کی شاخوں سے سجایا گیا تھا۔ عود و لوبان ہر طرف سلگ رہا تھا اور پروہت بھجن پڑھتے ہوئے سب سے پہلے گذر رہے تھے۔ عہد ساسانی میں قاعدہ تھا کہ بادشاہ قبل از جنگ اور بعد از فتح ایک مشہور آتشکدہ میں جا کر دعائیں مانگتا اور نذریں چڑھاتا تھا۔ (رالنس وغیرہ)

ڈال رہے تھے۔ تھوڑی دیر میں آسمان سے باتیں کرنے لگے۔ پھر کمبوجیہ نے بھینٹ و نذر چڑھائی اور ایک کاسہ طلائی اپنے دونوں ہاتھوں میں اُٹھا کر فتح و نصرت کی دعا مانگی اور آسمان کی طرف دیکھ کر زور سے یہ نعرہ بلند کیا "اہرمزد ہمارا حافظ و مددگار رہے" بعدہ جب یہ رسم ختم ہوگئی تو بادشاہ بحیثیت افسر اعلیٰ اپنے سواران خاصہ کے آگے کھڑا ہوگیا۔ اس معزز رسالہ کی وردی۔ اس کے خوشنما خودوں پر ہار و پھول کے تمکٹ۔ ان کا سج دھج و انداز ایسا تھا کہ دیکھنے والوں کی زبان سے بےاختیار احسنت و آفریں نکلتی تھی اور دوست و دشمن سب ان سے مرعوب تھے۔ یونانیوں نے بھی نذر و نیاز کی اور جب اُن کے پروہتوں نے یہ اعلان کیا کہ شگون بہت اچھے ہیں اور فتح کی خوش خبری دیتے ہیں تو "ہبی ہبی" کہہ کر سب اس زور سے چلائے کہ آسمان گونج اُٹھا۔ دوسری طرف لشکر غنیم میں[۱۵] بھی صبح ہوتے ہی پروہتوں

---

[۱۵] مصری طریقۂ جنگ۔ اعلان جنگ ہوتے ہی ہر ضلع یا صوبہ اپنی معینہ تعداد سپاہیوں کی بہم پہنچاتا تھا۔ تمام فوج کا سپہ سالار بادشاہ تھا مگر بعض اوقات وہ اپنی جگہ کسی آزمودہ کار جنرل کو مقرر کرتا تھا۔ تمام افواج سب سے پہلے ایک جا جمع ہوتیں۔ دیوتاؤں کو بھینٹ و نذر چڑھا کر فتح کی دعائیں مانگی جاتیں۔ قرنا و بگل بجتے۔ پلٹنوں کی صفیں اپنی گردنیں جھکائے ہوئی بادشاہ کے سامنے سے گذرتیں۔ پھر طبل کوچ بجتا۔ رتھیں سب سے آگے ہوتیں۔ ان کے وسط میں فرعون ایک شاندار رتھ پر سوار۔ معزز افسروں کے جلو میں نظر آتا۔ بعدہ باقی ماندہ لشکر پیادے و سوار اپنی مختلف نشان و ہتھیار لئے ہوئے باقاعدہ مارچ کرتے۔

فوج کا کیمپ چوکور یا مستطیل ہوتا تھا۔ اس کے ایک رُخ پر دروازہ تھا۔ وسط میں جنرل و بڑے افسروں کے خیمے تھے اور سپہ سالار کے خیمہ کے گرد ایک دوہری دیوار تھی جس کے بیرونی احاطہ میں اسٹاف افسروں کے خیمے وغیرہ نصب تھے اور اندرونی صحن میں دیوتاؤں کے اُگن ہوتر۔ جھنڈے و فوجی خزانہ محفوظ رکھا جاتا تھا۔ پہرے والے باہر کھلے میدانوں میں رہتے تھے۔

نے بھینٹ دینا اور دعائیں مانگنا شروع کیں اور ہر طرف فوج کی صف آرائیاں ہونے لگیں۔ فرعون ساقدتیک قلب لشکر کے سامنے ایک رتھ پر سوار تھا ایک سونے کا ترکش اس کے قریب رکھا تھا۔ رتھ کے گھوڑوں کی جھولیں ارغوانی رنگ کی تھیں۔ ان کا طلائی ساز و یراق تھا اور سروں پر شتر مرغ کے پر لگے تھے۔ رتھبان جو مصر کے ایک نہایت معزز و شریف خاندان سے تھا۔ دونوں راسیں و

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) اُن سے ڈھالیں چھین لی جاتی تھیں تاکہ زیادہ خبردار رہیں اور رات کے وقت سو نہ جائیں۔ ان کے قریب ہی باربرداری کے جانوروں۔ گھوڑوں اور گاڑیوں وغیرہ کے لئے مقامات مخصوص تھے۔

میدانِ جنگ میں حملہ شروع ہونے سے پہلے بگل بجاتے تھے۔ تیراندازوں کی صفیں غنیم کے مقابل صف پر تیر برساتیں۔ سامنے والی رتھوں کے جھنڈ ایک ساتھ حملہ آور ہوتی اور بڑے جوش و خروش کے ساتھ دشمنوں کی صفوں کو چیرتے اور انھیں پامال و ہلاک کرتے ہوئے نکل جاتے۔ بعدہ وہ پیدل سپاہ جو بھاری اسلحہ سے آراستہ ہے نیزے و گرز لئے اور سپریں سامنے کئے ہوئے اپنی گنجان صفوں میں آگے بڑھتی۔ اسکے بازوؤں پر رسالے اور باقی ماندہ رتھیں تھیں جو دشمن کے قلب و بازو پر حملہ آور ہوتیں۔

میدان جنگ میں مغلوب حریف کو امان دیجاتی اور اسکے ساتھ انسانیت کا برتاؤ کیا جاتا۔ قیدیوں کو باندھ کر لیجاتے۔ مقتولوں کے ہاتھ کاٹکر بادشاہ کے سامنے جمع کئے جاتے اور انکی تعداد کا شمار باقاعدہ مندرج ہوتا اسی طرح مال غنیمت یعنی اسلحہ وغیرہ کو بھی ایک جا جمع کر کے کاتب فوج ایک فہرست تیار کرتا جو بادشاہ کے سامنے پیش ہوتی اور وہ تمام فوج کو درجہ بدرجہ انعام و اکرام سے مالامال کرتا۔

قلعہ بندی۔ فصیل شہر و برج وغیرہ بنانے کا بھی پہلے رواج تھا مگر بعدہٗ متروک ہوگیا اور صرف مندروں کو مضبوط و محصور بنانے پر اکتفا کیا گیا۔ چنانچہ دارالخلافہ ممفس و تھیبز میں کوئی شہر پناہ نہ تھی۔ مصری سُرنگیں بنانے میں بڑے اُستاد تھے اور قلعہ فتح کرنے میں سیڑھیوں و قلعہ شکن گاڑیوں

چابک اپنے ہاتھوں میں پکڑے اپنے آقائے نامدار کے بائیں جانب کھڑا تھا۔ فرعون کے سر پر مصر بالا و زیریں کا ایک دھرا تاج تھا۔ اس کی فوج کے میسرہ میں اہل یونان و کاریہ تھے۔ رسالہ دونوں بازوؤں کے سرے پر آراستہ تھا اور مصری و حبشی پیدل سپاہ رتھوں اور یونانیوں کے وائیں بائیں چھ مسلسل قطاروں کی شکل میں صف آرا تھی۔ سامتیک اپنی رتھ پر سپاہیوں کو ہمت و جوش دلاتا ہوا ہر طرف گھوم رہا تھا۔ جب یونانیوں کے سامنے آیا تو کھڑا ہو گیا اور ان سے مخاطب ہو کر بآواز بلند بولا "میرے جاں باز وفادار سورماؤ! قبرص اور لیبیا میں جو بہادریاں تم نے دکھائی ہیں میں اُن سے بخوبی واقف ہوں اور امید کرتا ہوں کہ اس مرتبہ بھی دیوتاؤں نے چاہا تو خود اپنے ہاتھوں سے ظفر و نصرت کے سہرے تمہاری پیشانیوں پر باندھوں گا۔ یہ خیال ہرگز نہ کرنا کہ فتح پانے کے بعد میں تمہارے حقوق میں ذرہ برابر بھی کمی کروں گا۔ بعض بد طینت اور دروغ گو لوگوں نے تمہیں بھڑکانے اور مجھ سے بددل کرنے کی غرض سے اس قسم کی افواہیں مشہور کی ہیں مگر میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ اگر مجھے فتح نصیب ہوئی تو تمہیں اور تمہاری اولاد کو ہمیشہ کے لئے مالا مال کر دونگا اور اپنے تاج و تخت کا بڑا حامی و مددگار سمجھوں گا۔ یہ بھی ذہن نشین رکھنا کہ آج تم صرف میرے ہی لئے نہیں بلکہ اپنے عزیز وطن کی حفاظت و آزادی کے لئے بھی دشمن سے مقابلہ کرنے آئے ہو۔ کیونکہ اگر کمبوجیہ مصر کا مالک ہو گیا تو کیا اُسی پر قانع رہے گا؟ نہیں۔ بلکہ بہت جلد اُس کی للچائی ہوئی نگاہیں تمہارے خوبصورت وطن پر بھی پڑیں گی۔ اور یونان اور اُس کے جزائر پر قبضہ کرنے کی ہوس اُس کے دل میں پیدا ہوگی اور جو نتیجہ ظہور میں

(بقیہ نوٹ صفحہ گذشتہ) اور انجنوں (بیٹرنگ ریم) سے بھی کام لیتے تھے۔

(ہسٹورین ہسٹری آف ورلڈ)

آئے گا اسے اپنے ایشیائی بھائیوں سے پوچھو جو ایران کی جابرانہ حکومت سے بخوبی واقف ہو چکے ہیں۔ تمہارے پُر جوش نعروں سے ظاہر ہے کہ تم بھی میرے اس خیال سے بالکل اتفاق کرتے ہو۔ میں تم سے بس ایک بات اور کہنا چاہتا ہوں اُسے کان کھول کر سُنو۔ اب میرا فرض ہے کہ اُس شخص کے نام سے بھی تمہیں آگاہ کر دوں جس نے اپنی خود غرضی و زر و جواہر کی لالچ سے نہ صرف مصر بلکہ اپنے وطن کو بھی ایران کے ہاتھ بیچ ڈالا۔ اس کا نام فینس ہے۔ تمہیں شاید یقین نہیں آئے مگر میں تم سے قسم کھا کر کہتا ہوں کہ یہی وہ شخص ہے جس نے کمبوجیہ کو مصر پر حملہ کرنے کی ترغیب دی۔ اور تمہارے وطن کے دروازے کھول دینے کا بھی اُس سے وعدہ کیا ہے۔ تم خود اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر سکتے ہو۔ دیکھو یہ دغاباز ملت فروش سامنے بادشاہ کے ساتھ ساتھ جا رہا ہے اور ذرا ذرا سی بات پر اُس کے قدموں کو چھو رہا ہے۔ کیا ایک آزاد یونانی کا یہی شعار ہونا چاہیئے؟ مجھے تو یاد پڑتا ہے کہ میں نے ایک مرتبہ سُنا تھا کہ یونانی سوائے اپنے دیوتا کے اور کسی کے قدموں پر نہیں گرتے۔ مگر جو شخص اپنا ملک و وطن بیچ ڈالے اُس سے ان حرکات کا سرزد ہونا کچھ زیادہ بعید از قیاس نہیں ہے۔ تم مجھ سے اتفاق کرتے ہو؟ تم میرے قول کو صحیح سمجھتے ہو؟ اور اس بے حیا و بے شرم شخص کو اپنا ہم وطن کہنے سے انکار کرتے ہو؟ اگر ایسا ہے تو تم ہی اُسے سزا دو۔ میں اس کی لڑکی کو اب تمہارے ہی حوالہ کرتا ہوں جو جی چاہو اس کے ساتھ کرو۔ خواہ پھولوں سے آراستہ کر کے اُسے اپنے سر پر بٹھاؤ اس کے قدم چومو یا اپنا انتقام لو۔ مگر یہ نہ بھولنا کہ یہ اُس شخص کی لڑکی ہے جس نے یونانیوں کے نام پر یہ دھبہ لگایا ہے اور تمہارے اور تمہارے وطن کے ساتھ دغا کر کے تمہاری بیویوں و بیٹیوں کو طوق غلامی پہنانے کا ارادہ کیا ہے۔"

یہ سننا تھا کہ ایک غیظ و غضب کا نعرہ یونانی فوج کی زبان سے نکلا۔ اور ایک سپاہی نے اُس غریب لڑکی کو جس کا بدن کانپ رہا تھا اپنے دونوں ہاتھوں میں اُٹھا کر اُس کے باپ کو دکھایا۔ جس نے اپنے لختِ جگر کو فوراً پہچان لیا۔ ساتھ ہی ایک مصری نے جو اپنی بلند آوازی کے لئے مشہور تھا فینیس سے چلّا کر یہ کہا "یونانی! دیکھ۔ دغاباز و رشوت خواروں کو ہمارے یہاں اس طرح سزا دی جاتی ہے"۔ بعدہٗ جو ظہور میں آیا نا قابلِ بیان ہے ایک کارین سپاہی نے ایک بڑا پیالہ جس کی شراب نے جو بادشاہ کی طرف سے تحفہ تھی اُسے اور اُس کے ساتھیوں کو مدہوش کر دیا تھا۔ اپنے ہاتھ میں لیا اور لڑکی کے سینہ میں خنجر بھونک کر اس پیالہ میں اسکا خون بھرا۔ اور باپ کے سامنے ہنس کر گویا اُس کا جامِ صحت پینا چاہتا ہے۔ اُسے اپنے مونھ تک لے گیا۔ پھر دوسرے سپاہی بھی پاگلوں کی طرح ان پر گرے اور خون پی پی کر اپنی پیاس بجھانے لگے۔ فینیس دم بخود ایک سکتہ کی حالت میں کھڑا ہوا یہ ہیبت ناک نظارہ دیکھ رہا تھا۔ اتنے میں سامتیک نے اپنا پہلا تیر ایرانی لشکر کی طرف مارا۔ یونانیوں نے لڑکی کی لاش زمین پر پھینک دی اور اپنے جنگی نعرے مارتے ہوئے دشمن پر پل پڑے۔ ایرانی صفیں بھی اب حرکت کرنے لگیں۔ سب سے پہلے فینس جسے غم و غصہ نے دیوانہ کر دیا تھا اپنے زرہ پوش سپاہیوں کو لئے ہوئے آگے بڑھا اور اپنے ہموطنوں سے جن کی دس برس تک اس نے خدمت کی تھی ایک سخت انتقام لینے کے لئے بڑے جوش و خروش کے ساتھ ان پر حملہ آور ہوا۔

تھوڑی ہی دیر میں ہر طرف جنگ[لے] پھیل گئی اور بڑے گھمسان کا رن پڑا۔

لے ایرانی طریقۂ جنگ۔ جب تمام تیاریاں مکمل ہو جاتیں تو بادشاہ اپنے افسروں کی صلاح و مشورے کے بعد لڑائی کا ایک دن مقرر کرتا اور اپنے زرّیں رتھ پر کاتب کو ساتھ لئے جو ضروری

جب آفتاب نصف النہار کو پہنچا تو مصریوں کا پلہ بھاری معلوم ہوا۔ لیکن جب وہ

(بقیہ نوٹ صفحہ گذشتہ) احکام لکھتا جاتا تھا۔ معائنہ و ملاحظہ کے لئے باہر نکلتا یا کسی بلند جگہ پر کرسی زرنگار پر جلوہ گر ہوتا۔ اور تمام فوجیں اس کے سامنے سے گذرتیں۔ بعد ازاں صف آرائی شروع ہوتی۔ قلب لشکر میں خود شہنشاہ یا اُس کا سپہ سالار اعظم بطور جانشین موجود ہوتا اور چاروں طرف سے سپاہیان و سواران خاصہ اُس کے جلو میں ہوتے۔ رسالے میمنہ و میسرہ پر رہتیں سب سے آگے جنکے پیچھے پیدل سپاہ کی بےشمار صفیں نظر آتیں بعض اوقات تیر انداز۔ برچھی دگوفن پھینکنے والے متحرک برجوں و میناروں پر چُھپ کر بٹھائے جاتے۔ یہ برج سولہ بیلوں کی گاڑیوں پر نصب تھے اور ایک مقام سے دوسرے مقام تک بآسانی منتقل ہو سکتے تھے۔ ہر حصہ فوج کے ساتھ اُس کے مخصوص علم و نشان ہوتے اور مشہور قومی جھنڈے یا درفش کاوانی کو بادشاہ کے سامنے ایک افسر اعلیٰ اپنے ہاتھ میں لئے رہتا۔ علاوہ بریں مختلف قسم کے طبل۔ شہنائی۔ ڈھول وغیرہ بھی فوج کے ساتھ ساتھ ہوتے تھے۔ اور جب دشمن قریب آتا تھا تو نعرہ مارتے یا گاتے ہوئے اُس پر حملہ کرتے تھے۔

عموماً قدیم کیانیوں میں اور ساسانیوں میں بھی بعض اوقات لڑائی کا آغاز اس طرح ہوتا کہ ایک سورما اپنے لشکر کے سامنے آکر مبارز طلبی کرتا جس کے مقابلہ کے لئے دوسری جانب سے بھی ایک ہیرو آتا۔ دونوں اپنے اپنے جوہر دکھاتے۔ ہر قسم کے ہتھیار استعمال کرتے اور کامیاب نہ ہوتے تو کشتی لڑتے۔ دوبار جو کوئی دوسرے کو گرا دیتا اُسے اپنے حریف کو قتل کر دینے کا حق تھا۔ یہی رستم نے سہراب کے ساتھ کیا۔ غرضکہ تمام فوج دم بخود ان پہلوانوں کی لڑائی کا خاتمہ دیکھتی اور کچھ دخل نہ دیتی بعض اوقات صرف اسی لڑائی کا نتیجہ فیصلہ کن سمجھا جاتا مگر عموماً اس کے بعد جنگ عام ہو جاتی اور دونوں لشکر ایک دوسرے پر ٹوٹ پڑتے۔ ساسانیوں کے زمانہ میں انکی لڑائی میں ہاتھیوں کا زیادہ استعمال تھا اور وہ نہایت مفید ثابت ہوتے تھے۔ رومن و عرب ان سے بہت خائف تھے وہ ان کی

غروب ہونے لگا تو ایرانیوں کی جیت شروع ہوئی - اور ماہ کامل کے آسمان پر

(بقیہ نوٹ صفحہ گذشتہ) صفوں پر حملہ کرکے روندتے و کچلتے ہوئے نکل جاتے تھے - ان کی پشت پر ہودجوں میں کماندار بیٹھے ہوئے اوپر سے تیر برساتے تھے جس سے غنیم کی صفیں تہ و بالا ہو جاتی تھیں - ایرانیوں کی آخری لڑائیوں میں انکے حریف یعنی اہل عرب کے گھوڑے انھیں ہاتھیوں کے دیکھتے ہی اور ان کے گھنٹوں کی آوازیں سنتے ہی بھاگ کھڑے ہوئے اور ایک فیلِ مست نے انکے بہادر سپہ سالار ابو عبیدہ رضؓ کو کچل کر مار ڈالا - بعدہٗ جنگ قادسیہ میں بھی قلب فوج میں ۱۸ ہاتھیوں کا ایک جھرمٹ تھا جن میں سے ایک پر خود سپہ سالار رستم سوار تھا - دونوں بازوؤں پر بھی سات سات ہاتھی مقرر تھے مگر اس مرتبہ عرب زیادہ ہوشیار ہو گئے تھے - انکے جانباز پیادوں نے ہاتھیوں کے تنگ و چار جامے کاٹ کر ہودجوں کو گرا دیا اور بہادر تیر اندازوں نے ان کی سونڈوں اور آنکھوں کو گھائل کر کے ایسا پریشان کیا کہ وہ دیوانہ وار خود اپنے لشکر کو کچلتے ہوئے چیخ مار کر بھاگے - بلحاظ تعداد جنگوں میں ایرانی افواج کی کثرت حیرت انگیز تھی - جنگ آتمس واربیلا میں دارائے سوم کا لشکر چھ لاکھ دس ہزار تھا - مگر سکندر کے پاس تیس ۳۰ ہزار و سنتالیس ۴۷ ہزار سے زیادہ فوج نہ تھی - ممکن ہے کہ اس میں یونانی مورخوں نے مبالغہ سے کام لیا ہو لیکن جنگ قادسیہ و نہوند میں بھی رستم و فیروزان کی فوج ایک لاکھ بیس ہزار اور ایک لاکھ پچاس ہزار سے کم نہ تھی جسکے مقابلہ میں سعد بن وقاص رضؓ کی فوجیں صرف تیس بتیس ہزار تھیں - مختصر یہ کہ شکست و فتح کا دار و مدار جیسا آج کل ہے - اُس زمانہ میں بھی حُسن اتفاق - تدبیر - بہتر اسلحہ اور ذاتی شجاعت و ہمت پر بہت کچھ منحصر تھا - بادشاہ یا سپہ پت کے مرتے یا بھاگتے ہی تمام فوج میں ابتری پھیل جاتی تھی - دارائے سوم عین نازک وقت پر نہایت بزدلی کے ساتھ دُم دبا کر بھاگا - جنگ قادسیہ میں ایرانیوں کی فتح ہو رہی تھی کہ یکایک دوپہر کے وقت سمت مغرب سے ایک آندھی چلی جس سے اس قدر ریت اڑی اور آنکھوں میں گھس گئی کہ سب حواس باختہ ہو گئے

طلوع ہوتے ہی انکے حریف بھاگ نکلے یعنی مصریوں کو شکست فاش ہوئی اور ہزاروں اپنے تعاقب کرنے والے غنیم کی تلواروں کے گھاٹ ہوئے یا پلوسیم کی دلدلوں و ندی نالوں میں گر گر تباہ و برباد ہوئے۔ غرضکہ یہ مشہور جنگ جس نے مصری دنیا کا نقشہ بدل دیا بڑی قتل و غارت کے بعد ختم ہوئی۔ ساحل کی رتیلی زمین نے تقریباً بیس ہزار ایرانیوں اور پچاس ہزار مصریوں کا خون اُس دن پیا اور زخمیوں۔ قیدیوں و غرق شدہ لوگوں کی تعداد لاکھوں تک پہنچی۔ سامتیک ایک ہلکا سا زخم کھا کر میدانِ جنگ سے بھاگا اور اپنے تیز رفتار گھوڑے پر سوار ہو کر بحفاظت دریائے نیل کے دوسرے کنارے پر پہنچا۔ اور وہاں سے مع باقی ماندہ سپاہ کے قلعہ بند ممفس میں پناہ لینے کے لئے بسرعت تمام روانہ ہوا فینیس نے جس کے سینہ میں انتقام کی آگ بھڑک رہی تھی مصر کی یونانی فوج سے خوب ہی بدلہ لیا۔ اپنی لڑکی کے قاتل کو خود اس نے اپنے ہاتھ سے مارا۔ اکثروں کو تہِ تیغ کیا اور دس ہزار اہل کاریہ کو گرفتار کر کے نہایت ذلت و خواری کے ساتھ قیدی بنا کر لایا۔ ارسٹومیقس نے بھی باوجود اپنی لکڑی کی ٹانگ کے

(بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ) رستم ایک عالی شان شامیانہ کے نیچے بیٹھا تھا وہ ٹوٹ کر دریائے عتیق میں گر پڑا۔ اور آندھی سے بچنے کیلئے وہ باربرداری کے خچروں کے نیچے پناہ لینے لگا۔ جہاں ایک بورا اس زور سے اسکی پیٹھ پر گرا کہ وہ گھبرا کر نہر میں کود پڑا۔ اتنے میں ہلال بن علقمہ نے اسے دیکھ پایا اور فوراً اس کا سر کاٹ کر اپنے نیزہ پر لگا لیا اور اسکے خالی تخت پر چڑھ کر بآوازِ بلند یہ کہا "خدائے کعبہ کی قسم میں نے رستم کو جہنم واصل کیا" بس کیا تھا۔ ایرانی فوج میں بھگدڑ مچگئی اور اسے حُسنِ اتفاق کہئے یا امدادِ غیبی۔ عربوں کو ایک ایسی فتح نصیب ہوئی جسنے ایران کی قسمت کا ہمیشہ کیلئے فیصلہ کر دیا۔

ان مثالوں سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ ایرانی لشکر کو اکثر شکستیں ہوئیں۔ بخلاف اسکے اسنے تاریخ عالم میں بڑے بڑے کارنمایاں کئے ہیں۔ بڑی بڑی فتوحات حاصل کیں ہیں اور خاصکر اہلِ روما سے مقابلہ کر کے صدیوں تک ایشیا کو یورپ کی دستبرد سے بچایا ہے۔ (رالنس وغیرہ)

خوب ہی جوہر مردانگی دکھائے لیکن نہ تو وہ نہ اُس کے دوست وہمراہی سا ملتیک کے گرفتار کرنے میں کامیاب ہو سکے۔ اختتام جنگ کے بعد ایرانی خوشی کے نعرے مارتے ہوئے اپنے کیمپ میں آئے۔ موبدوں۔ کرّی سسّ اور باقی ماندہ سپاہ نے بڑی دھوم سے ان کا استقبال کیا۔ پھر شکرانہ فتح کی دعائیں پڑھی گئیں۔ بھینٹ و نذرانے چڑھائے گئے اور دیگر رسومات ادا ہوئیں۔ دوسرے دن بادشاہ نے تمام سرداران فوج کو طلب کر کے انھیں حسب مراتب انعام واکرام سے مالا مال کیا۔ افسروں کو بیش بہا خلعتیں۔ سونے کی زنجیریں انگوٹھیاں۔ تلواریں اور جڑاؤ زیورات عطا کئے اور عام سپاہیوں کو سونے چاندی کے سکّے لٹائے گئے۔ اسی طرح کئی دن تک خوشیاں ہوتی رہیں۔ عوام جشن اور دعوتوں کے مزے لیتے رہے۔ اور اپنی اُس یادگار فتح کے حالات دُہراتے رہے جس میں سب سے زیادہ معرکتہ الآرا مصریوں کا وہ غضبناک حملہ تھا جو انھوں نے ایرانی قلب فوج پر جس کا افسر خود شہنشاہ تھا کیا تھا۔ عنقریب سپاہ خاصہ کو شکست ہونیوالی تھی کہ عین موقع پر شہزادہ بردیہ اپنے جانباز رسالہ کے ساتھ دشمن کی صفوں پر ٹوٹ پڑا اور اس بہادری سے لڑا کہ ان کے قدم اکھڑ گئے اور ایرانیوں کو فتح نصیب ہوئی۔ بعدہٗ جب سپاہ نے اپنے ہر دلعزیز شاہزادہ کو دیکھا تو اُسے فاتح پلوسیم کہہ کر خوشی کے نعرے بلند کئے۔ شاہ کمبوجیہ کے کانوں میں یہ آواز گئی تو اسکے غیض وغضب کی کچھ انتہا نہ رہی۔ اور دل میں کہنے لگا کہ میں نے تو اپنی جان خطرے میں ڈال کر کس بہادری سے دشمن سے جنگ کی تھی اور یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ اگر بردیہ نہ ہوتا تو ہمیں شکست ہو جاتی۔ بردیہ جس کی وجہ سے اُسے پہلے بھی بڑے بڑے صدمے اُٹھانا پڑے تھے اب فتح وظفر کی نام آوری سے بھی اُسے محروم رکھنا چاہتا ہے۔ اس خیال کے آتے ہی اُس کے دل میں اپنے

بھائی سے حد درجہ کی نفرت ہوگئی۔ اور اُسے خوشی مناتے دیکھ کر غصہ و حسد سے پیچ و تاب کھانے لگا۔

اس لڑائی میں فینلس مجروح ہونے کے سبب اپنے خیمہ کے اندر پڑا تھا اور اس کے پاس ہی بہادر ارسٹوڈیمس بھی جسے زخم کاری لگے تھے اپنی جان توڑ رہا تھا۔

اسپارٹی۔ "بالآخر آریکل ہی جھوٹا ثابت ہوا۔ میں اب جاں بلب ہوں اور وطن دیکھنا مجھے کبھی نصیب نہ ہوگا۔"

فینلس۔ نہیں۔ بلکہ اُس کی پیشین گوئی صحیح نکلی۔ بھلا یاد تو کرو کہ اُسکے آخری الفاظ کیا تھے۔ ؎

رمنوں کی حد پہ پھر تمہیں پہنچا کے آئیگا ——— آسے گا اک سفینہ جو کچھ دیر سے یہاں

رمنے وہ دلکشا ہیں فضا جن کی دیکھ کر ——— پائیں گے راحتوں کا غریب الوطن نشاں

ان الفاظ کے معنی سمجھنے میں تمہیں شاید غلط فہمی ہوئی کشتی سے مراد کشتی چیران[۵۱] ہے جو تمہیں اپنے اصلی وطن یعنی ہیڈیز[۵۲] لے جائیگی۔

اسپارٹی۔ ہاں بھائی سچ کہتے ہو۔ اپالو نے سچ کہا تھا۔ یہ میری آخری منزل ہے اور عنقریب ہیڈیز روانہ ہونے والا ہوں۔

فینلس۔ تمہیں خوش ہونا چاہیئے کہ تمہاری زندگی ہی میں افور نے تمہیں یہ عزت بخشی کہ وطن واپس ہونے کی اجازت دیدی۔ اور دیوتاؤں کا شکر ادا کرو کہ انہوں نے ایسے نامور فرزند عطا کئے جو اولمپیہ کے فاتح کہلائے اور اب تمہیں اپنے دشمنوں سے بدلہ بھی مل گیا۔ جب تمھیں صحت ہو جائے گی تو ضرور یونان جاکر

۵۱ چیران۔ یونانیوں کا اعتقاد تھا کہ اسی کشتی میں بیٹھ کر ارواح سفر آخرت کو جاتی ہیں۔

۵۲۔ ہیڈیز۔ دوسری دنیا جس میں روحیں بعد مردن جاتی ہیں۔

تمہارے لڑکوں سے کہوں گا کہ کس بہادری کے ساتھ ان کے باپ نے جان دی اور اس کی لاش کو ڈھال پر رکھ کر کس اعزاز و افتخار کے ساتھ میدانِ جنگ میں دفن کیا گیا۔

ارسٹومیقس۔ ضرور ایسا کرنا۔ اور میری ڈھال میرے لڑکے کو دیکر کہنا کہ تمہارے باپ نے مرتے وقت اپنی نشانی بھیجی ہے۔

فنیس۔ اور جب سامتیک گرفتار ہو جائے تو کہو تو میں اُسے بھی سُنا دوں کہ تم نے اُسے تباہ کرنے میں کتنا بڑا حصہ لیا ہے۔

اسپارٹی۔ نہیں اس کی ضرورت نہیں وہ مجھے لڑائی میں دیکھ چکا ہے۔ جیوں ہی مجھ پر اس کی نگاہ پڑی حیران و ششدر رہ گیا اس کے ہوش و حواس غائب ہو گئے۔ دہشت کے مارے کمان اسکے ہاتھ سے چھوٹ پڑی۔ جیسے اس کے ساتھی بھاگنے کا اشارہ سمجھے اور اپنے گھوڑوں کا رُخ بدلکر فرار ہو گئے۔

فنیس۔ خوب ہوا۔ سچ ہے کہ ظالم و گنہگار کو دیوتا خود اُسی کے شرمناک اعمالوں سے سزا دیتے ہیں۔ شاید سامتیک یہ دیکھ کر کہ تحت الثریٰ کی ارواح بھی اُس کے مقابلہ کو نکلی ہیں ہمت ہار گیا اور خوف زدہ ہو کر میدانِ جنگ سے بھاگ نکلا۔

ارسٹومیقس۔ خود انسان اس کے لئے کیا کم تھے۔ ایرانی بڑی بہادری سے لڑے۔ تاہم اگر بردیہ کا رسالہ اور ہم لوگ نہ ہوتے تو فتح پانا محال تھا۔

فنیس۔ بیشک سچ کہتے ہو۔

ارسٹومیقس۔ زئیس لکدمونی! تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے۔

فنیس۔ کیا تم دعا مانگ رہے ہو۔

اسپارٹی۔ میں دیوتاؤں کا اس لئے شکریہ ادا کرتا ہوں کہ اس لڑائی نے میرے دل میں اپنے وطن کی طرف سے تمام وسوسے و اندیشے دور کر دیئے۔ ایرانی گو بہادر ہیں مگر ان کی فوج مخلوط اور مختلف الاقوام ہے اور ہمارے ملک کیلئے

زیادہ باعثِ خطر[۵۱] نہیں ہو سکتی۔ حکیم! میرے مرنے میں اب کتنی دیر ہے؟
ملیسیا کا ایک مشہور طبیب جو ایشیائے کوچک کی افواج کے ساتھ آیا تھا
اس وقت یہاں موجود تھا۔ اسپارٹی کا یہ کلمہ سُنکر اُس کے لبوں پر ایک
غم آلود مُسکراہٹ آئی اور تبر کی اُس نوک کی طرف جو اسپارٹی کے سینہ میں پیوست
ہوگئی تھی اشارہ کر کے کہنے لگا "تم صرف چند گھنٹے اور زندہ رہ سکتے ہو۔ تمہارے
زخم سے جب میں اس تیر کو نکالوں گا تو فوراً تم مرجاؤ گے"۔ اسپارٹی نے حکیم کا
شکریہ ادا کیا۔ فینیس کو رخصت کر کے کہا کہ روڈ ہوفس سے میرا سلام کہہ دینا۔
پھر قبل اس کے کہ کوئی اُسے روک سکے خود اپنے ہاتھ سے تیر کو پکڑا اور ایک جھٹکا
دیکر اُسے اپنے سینے سے نکال کر باہر پھینک دیا۔ اور ایک چشم زدن میں جاں
بحق تسلیم ہوگیا۔

[۵۱] یہ صحیح ہے کہ زمانہ مابعد کے جد و جہد میں۔ مخلوط افواج اور نالائق سپہ سالاروں کی وجہ
سے ایران کو یونانیوں کے مقابلہ میں بعض اوقات زک اُٹھانا پڑی۔ مگر یہ نہایت معمولی
تھی جس کا مطلق کوئی اثر ایران ایسی عظیم الشان سلطنت پر نہ پڑا۔ یونانیوں نے حد درجہ
مبالغہ سے کام لیا ہی کیونکہ حقیقت الامر یہ ہے کہ سکندر اعظم سے پہلے انکے تمام حملے بےسود
ثابت ہوئے۔ بخلاف اسکے دارا و خشایار شا نے کئی بار بحر قلزم کو پار کر کے اتھنز و اسپارٹا
کو فتح کر لیا تھا لیکن اول الذکر کی بے وقت موت اور اُس کے بیٹے کی عیش طلبی نے
یونان کو بچا لیا۔ تاہم انصافاً یہ ضرور ماننا پڑے گا کہ یہ چھوٹی سی گستاخ قوم بھی بڑی من چلی
اور اپنے وطن کی شیدا تھی۔ اس کے ملک کی طبعی حالت مدافعت اور جارحانہ
لڑائی کے لئے نہایت موزوں تھی۔ اس کی افواج نہایت تیزی کے ساتھ نقل و حرکت
کر سکتی تھیں اور جہاز رانی میں اُسے ایرانیوں پر بہر نوع فوقیت حاصل تھی۔

اسی دن ایرانیوں کی ایک سفارت کشتیوں میں بیٹھ کر ممفس روانہ ہوئی تاکہ فرعون کو اطاعت پر آمادہ کرے اور کہے کہ اب زیادہ جنگ وجدل فضول ہے اور اپنے شہر حوالہ کر کے شہنشاہ کے روبرو حاضر ہونا اس کے لئے زیادہ مفید و قرین مصلحت ہے بعدازاں کمبوجیہ نے ایک فوج بگاباز کی ماتحتی میں تسخیر سلیز کے لئے روانہ کی اور باقی ماندہ لشکر کے ساتھ اپنی سفارت کے پیچھے پیچھے روانہ ہوا۔ جب شہنشاہ ہلیوپولس یا عین الشمس پہنچا تو یونانی باشندگان نوکراتیس اور اہل لبیا کے نمایندے اسکے سامنے حاضر ہوئے اور بیش بہا تحائف سونے کے تمکٹ و ھار وغیرہ نذر دیکے امن و امان کے خواستگار ہوئے۔ ان کے ساتھ نہایت مہربانی کا برتاؤ کیا گیا مگر سیرینی اور برکہ کے سفیروں کو بڑی ذلت کے ساتھ نکلوا دیا گیا اور انکے نذرانہ کو جو پانچ سو نقرئی منا[۹۱] تھا حقیر سمجھ کر سپاہیوں میں تقسیم کر دیا گیا۔

اسی اثنا میں یہ خبر آئی کہ شاہی سفارت جیوں ہی ممفس کے قریب پہنچی شہر کے باشندوں نے باہر نکل کر نہایت شرمناک طریقہ سے ایرانیوں پر حملہ کیا اور ہاتھ پیر کاٹ کر ان کی لاشوں کو گھسیٹتے ہوئے قلعہ کے اندر لے گئے۔ کمبوجیہ یہ سنتے ہی آگ بگولا ہو گیا اور چلا کر کہنے لگا "متھرا کی قسم ایک ایک ایرانی کے بدلہ میں دس دس مصریوں کے سر قلم کروں گا۔" دو دن بعد اس کا زبردست لشکر ممفس کے سامنے پہنچ گیا۔ مصریوں کی ہمتیں پلوسیم کے شکست کی وجہ سے پہلے ہی سے ٹوٹی ہوئی تھیں اور ان کی فوج کی تعداد بھی کم تھی اس لئے محاصرہ[۹۲] زیادہ دن تک نہ رہا

۹۱ پانچ سو منا قریباً ڈھائی ہزار پونڈ کے برابر تھا۔ (ایبیر)

۹۲۔ محاصرہ۔ ایرانی اپنے غنیم کے شہروں و قلعوں کا نہایت سختی سے محاصرہ کرتے تھے۔ اولاً اسے تاوان جنگ دینے و اطاعت قبول کرنے کا پیغام دیا جاتا اگر اس نے قبول نہ کیا تو اسے زیر کرنے کیلئے مختلف تدابیر عمل میں لائی جاتیں۔ ایک یہ تھی کہ قلعہ سے کچھ دور

اور شہر بہت جلد مسخر ہو گیا۔ فرعون اپنے افسروں و سرداروں کے ساتھ ماتم کرتا ہوا پیرہن دریدہ فاتح مصر کے سامنے حاضر ہوا۔ کمبوجیہ نے نہایت سرد مُہری و رُکھائی کے ساتھ اُس سے برتاؤ کیا اور حکم دیا کہ اُسے مع اپنے ساتھیوں کے نظر بند کر کے ایک علیحدہ مقام پر رکھا جائے۔ اماسس کی بیوہ ملکہ لیدیس بھی شہنشاہ کے روبرو لائی گئی۔ مگر وہ اس سے بہ اخلاق و مہربانی پیش آیا اور فنیس کی سفارش پر اُسے بحفاظت تمام اپنے وطن سرینی جانے کی اجازت دی۔ ملکہ وہاں اپنے بھتیجے کے زمانہ عہد تک رہی۔ بعد ازاں مصر چلی آئی اور شہر انتھیلا میں جو اس کی جاگیر تھا ایک عرصہ دراز تک تنہائی و خاموشی کے ساتھ زندگی بسر کرتی رہی اور بڑی عمر تک پہنچ کر وہیں مر گئی۔ کمبوجیہ کسی کمزور عورت سے بدلہ لینا اپنی کسرِ شان سمجھتا تھا۔ خصوصاً ایک بادشاہ کی ماں گو وہ قیدی ہی کیوں نہ ہو اسکی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) کھائیاں کھودتے ہوئے انکی پناہ اور ڈھالوں کی آڑ میں خندق تک آنے کی کوشش کرتے اور اُسے مٹی اور لکڑی سے پُر کر کے سیڑھیاں لگا کر فصیل پر چڑھ جاتے دوسری یہ بھی کہ متحرک میناروں کے ذریعہ سے دیوار کے قریب آتے اور مختلف ٹکر مارنے والے اور توڑنے والے آلات سے اس میں شگاف کرتے۔ اگر یہ بھی بے سود ثابت ہوتا تو تیسرے طریقہ سے کام لیا جاتا یعنی اونچے اونچے مٹی کے ٹیلے بنائے جاتے جن پر چڑھ کر قلعہ کے اندر آتشین تیر برسائے جاتے۔ یا رال و روغن نفتہ سے دشمن کے مورچوں میں آگ لگا کر تباہ کیا جاتا۔ جب اس میں بھی ناکامیابی ہوتی تو نہایت سختی کے ساتھ کھانے و پانی کا انسداد کیا جاتا اور محصورین کو بھوکے و پیاسے مار کر اطاعت پر مجبور کیا جاتا۔ اور آخر کار جب کوئی تدبیر کارگر نہ ہوتی تو طرح طرح کی حکمت۔ چالوں و سازشوں سے کام لے کر قلعہ میں داخل ہونے کی کوشش کی جاتی۔ اسکی بکثرت مثالیں ایرانی تاریخ میں موجود ہیں۔ مثلاً دارا کو بابل کے محاصرہ میں اسی طرح کامیابی حاصل ہوئی ہے جس کا حال آخری باب میں مذکور ہے (راولنسن وغیرہ)

نگاہوں میں قابل عزت وحرمت تھی اس لئے اس نے اماسس کی بیوہ سے کسی قسم کی باز پرس نہ کی بلکہ اس کے تمام حقوق مدنظر رکھکر بعزت ووقار رخصت کیا۔ سامتیک کو بھی اس نے محل میں رہنے کی اجازت دی اور گو اس پر سخت پہرہ تھا مگر شاہانہ اعزاز کے ساتھ اس سے برتاؤ کیا جاتا تھا۔ اسی اثنا میں کمبوجیہ نے دارالسلطنت سئیز کا محاصرہ کیا اور بہایت آسانی سے اُسے بھی فتح کرلیا۔ نلیتھوتپ پروہت اعظم جس نے مصریوں کا سردار بن کر انھیں مقابلہ کے لئے آمادہ کیا تھا مع اپنے ساتھیوں کے گرفتار ہوکر ممفس بھیج دیا گیا باقی ماندہ تمام مصری افسروں وامیروں نے کمبوجیہ کے سامنے حاضر ہوکر بخوشی خاطر اپنی فرماں برداری واطاعت کا اظہار کیا۔ وہ اُسے رامستو یعنی سورج کے بیٹے کے نام سے پکارنے لگے۔ اور باقاعدہ مصر بالا وزیریں کا

۵۱ قیدیوں کے ساتھ سلوک۔ ایرانی اپنے بہادر دشمنوں کی قدر کرتے تھے۔ مغلوب بادشاہ بطور ایک معزز مہمان کے شاہی دربار میں جگہ پاتا تھا۔ اسکی اولاد بھی معزز عہدوں پر سرفراز ہوتی تھی۔ مگر وہ دشمن جسنے بہت نقصان پہنچایا ہے یا دغابازی اور عہد شکنی سے کام لیا ہے اُسے بڑی بے دردی کے ساتھ قتل کیا جاتا تھا۔ لڑکے خواجہ سرا اور لڑکیاں لونڈیاں بناکر حرم میں داخل کی جاتی تھیں۔ اس کے شہر وقلعے۔ معبد۔ بتکدے تباہ وبرباد کردیئے جاتے تھے۔ بعض اوقات ایک پوری قوم اپنے ملک سے نکال کر دوسری جگہ جلا وطن کردیجاتی تھی۔ غنیم کے ساتھ فیاضی ودریادلی کی مثال کورش اعظم کا کریسس والی لیدیہ کے ساتھ برتاؤ ایک تاریخی واقعہ ہے۔ بخلاف اسکے عہد ساسانی میں جب شاپور اول نے ولیرین قیصر روم کو گرفتار کرلیا تو کہا جاتا ہے کہ اُسے ایک ارغوانی جبہ پہناکر پابہ زنجیر روزانہ عوام کے سامنے دکھاتا تھا اور اس کی پیٹھ پر اپنا پیر رکھ کر گھوڑے پر سوار ہوتا۔

(رالنس وغیرہ)

حکمراں بناکر رسم تاج پوشی ادا کرنے کے لئے آمادہ ہو گئے۔ نیز دستور قدیمہ کے مطابق بحیثیت ایک فرعون کے پروہتوں کی سرداری منظور کرنے اور ان کے طبقہ میں شامل ہونے کے لئے اس سے ملتجی ہوئے۔ کمبوجیہ ان تمام باتوں کو فضول وبیہودہ سمجھتا تھا۔ لیکن فنیس اور کریسس کے کہنے سے راضی ہو گیا حتیٰ کہ نیتھ کے مندر میں بھی جاکر اس نے دیوی کی بھینٹ ونذر چڑھائی اور نئے مہاپروہت سے اسکے مذہبی رازوں کی بہت سی معلومات حاصل کیں۔ عہد گزشتہ کے مصری درباریوں وامیروں کو اس نے اپنے سامنے طلب کیا اور ان میں سے بعض کو ترقی دیکر بڑے عہدوں پر سرفراز کیا۔ خصوصاً اماسس کے بیڑہ نیل کے امیر البحر پر خاص عنایت خسروانہ ہوئی اور شاہی دسترخوان کے مصاحبین میں اُس کا بھی شمار ہونے لگا۔ غرضکہ بعد چندروز ان تمام انتظامات سے فارغ ہوکر بادشاہ بگا بازہ کو اپنا نائب وقائم مقام مقرر کرکے ممفس سے رخصت ہوا مگر اس کے جاتے ہی لوگوں نے اپنے دبے ہوئے جذبات ظاہر کرنا شروع کئے طرح طرح کی شورشیں مچائیں۔ ایرانی پہرہ والوں کو مار ڈالا۔ کنوؤں میں زہر ڈال دیا اور رسالوں کے اصطبل میں آگ لگا دی۔ یہ حالت دیکھتے ہی بگا بازہ نے بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا کہ اگر سختی سے کام نہ لیا جائے گا تو بہت اندیشہ ہے کہ تمام ملک میں بغاوت پھیل جائے۔ بہتر ہوگا کہ ممفس کے وہ دو ہزار امیرزادے جو ایرانی سفارت کے ہلاک کرنے کے جرم میں پکڑے گئے مع فرزند سامتیک یعنی ولیعہد فوراً قتل کردیئے جائیں۔ اس طرح عوام پھر کسی کی زیر حمایت اُٹھنے کی ہمت نہ کرسکیں گے۔ باقی ماندہ خاندانِ شاہی پورے طور سے ذلیل وخوار ہو چکا ہے۔ فرعون اور مہاپروہت نیتھوتپ کی لڑکیاں فنیس کے حمام میں آج کل پانی بھرنے کے لئے مجبور کی جاتی ہیں۔ یہ سُنتے ہی فنیس نے مسکراکر جواب دیا

یہ عزت مجھے اپنے آقائے نامدار شہنشاہ اعظم کے حکم سے نصیب ہوئی ہے۔"

کمبوجیہ۔ (کسی قدر ناک بھوں چڑھا کر) لیکن یاد رکھو میں نے تمہیں منع کر دیا ہے کہ خاندان فرعون کے درپئے آزار نہ ہونا۔ صرف مجھ ہی کو اختیار ہے کہ اپنے ہمسروں کو سزا دوں۔

فینیس سر جھکا کر خاموش ہو گیا۔ کمبوجیہ نے بگاباز کو حکم دیا کہ اسیر امیرزادے۔ عوام کی تنبیہ کے لئے کل ہی قتل کر دیئے جائیں۔ ولیعہد کو بھی دوسروں کے ساتھ قتل گاہ پر لے جانا چاہیئے مگر اس کے متعلق وہ بعدہٗ فیصلہ کرے گا فی الحال صرف یہ ظاہر کرنا منظور ہے کہ شورش و لبغاوت کی کس سختی کے ساتھ سزا دی جاتی ہے۔ یہ سُنکر کریسس نے بے گناہ شہزادے کی جان بخشی کے لئے التجا کی۔ کمبوجیہ نے مسکرا کر کہا "میرے عزیز دوست۔ اطمینان رکھو۔ وہ ابھی تک زندہ ہے۔ مجھے خود اس کا خیال ہے اور کیا عجب کہ تمہارے لڑکے کی طرح وہ بھی مابدولت کے دربار میں سرفرازی حاصل کرے۔ لیکن میں پہلے یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ آیا تمہاری طرح سامیتک بھی اُسی مردانہ صبر و استقلال کے ساتھ اپنی قسمت پر شاکر و صابر رہتا ہے یا نہیں؟

فینیس۔ یہ نہایت آسانی سے معلوم ہو سکتا ہے۔ حضور اپنے دربار میں رونق افروز ہوں اور سب قیدی یکے بعد دیگرے سامنے لائے جائیں۔ فوراً ان کی جوانمردی یا بزدلی کا پتہ چل جائے گا۔

کمبوجیہ۔ بہتر ہے۔ ایسا ہی کیا جائے۔ میں ان کی نظروں سے پوشیدہ یہ تماشہ دیکھنا چاہتا ہوں۔ فینیس تم میرے ساتھ رہنا اور قیدیوں کے نام اور مراتب بتاتے جانا۔

دوسرے دن فینیس بادشاہ کو محل کے بالائی منزل کے اُس برآمدہ میں

لے گیا جہاں پھولوں کے چند گملے تھے جن کی آڑ میں نیچے کے صحن سے گذرنیوالوں کے حرکات و سکنات اچھی طرح نظر آسکیتں اور اُن کی باتیں بھی بخوبی سُنائی دیتی تھیں۔ اس صحن میں بھی ایک چھوٹا سا چمن تھا جب تمام قیدی بُلائے گئے تو سامتیک اپنے چند پُرانے مصاحبوں کے ساتھ ایک تاڑ کے درخت سے ٹیک لگاکر کھڑا ہوگیا اور افسردہ و غمگین زمین کی طرف دیکھنے لگا۔ اتنے میں اس کی لڑکی اور نیتھوتپ و دیگر امرا کی لڑکیاں بھی کنیزوں کا لباس پہنے پانی کے گھڑے اپنے سروں پر رکھے صحن میں داخل ہوئیں۔ اور فرعون کو دیکھتے ہی آہ و بکا کے نعرے بلند کرنے لگیں۔ سامتیک نے ان مصیبت زدہ ماتم کرنے والیوں کی آواز سُنکر ایک بار نظر اُٹھاکر ان کی طرف دیکھا اور فوراً آنکھیں نیچی کرلیں۔ پھر کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد اپنی لڑکی سے پوچھنے لگا کہ کس کے لئے پانی لائی ہے۔ اُس نے جواب دیا کہ میں فینلیس کی لونڈی ہوں اور اسی کی خدمت کررہی ہوں۔ یہ سُنتے ہی فرعون کا چہرہ زرد پڑ گیا اور اشارہ کرکے اس نے لڑکیوں سے چلاکر کہا جاؤ دور ہو۔"

اسکے کچھ دیر بعد دوسرے قیدیوں کی آمد شروع ہوئی۔ اُن کے گلوں میں حلقے و طوق تھے۔ مونھ میں لگامیں تھیں۔ اور پیچھے پیچھے ایرانی سپاہی کوڑے لئے کھڑے تھے۔ اس گروہ میں سب سے آگے ولیعہد مصر یعنی نوعمر شاہزادہ نکوؔ تھا۔ اسنے جیوں ہی اپنے باپ کو دیکھا اُس کی طرف ہاتھ پھیلاکر کہنے لگا کہ آباجان ان بدذات اجنبیوں کو سزا دیجئے یہ مجھے مارنے لے جاتے ہیں۔ سب مصری یہ سُنکر رونے لگے مگر سامتیک کی آنکھوں میں ایک آنسو بھی نہ تھا اس نے اپنی نگاہ نیچی کرلی اور ایک آہ سرد بھرکر اپنے روتے ہوئے لخت جگر کو گلے لگاکر الوداع کہا۔ اس کے بعد اسیران سگیز لائے گئے۔ انھیں میں معمّر نیتھوتپ بھی تھا۔ اس جلیل القدر مہاپروہت کے جسم پر چیتھڑے اور دھجیاں بندھی تھیں اور ایک لکڑی کے سہارے

بہ مشکل آہستہ آہستہ چل رہا تھا۔ صحن کی دہلیز پر پہنچتے ہی اس نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنا شروع کیا۔ اتفاق سے دارا پر اس کی نظر پڑی جیسے پہچانتے ہی لپکتا ہوا اسکے پاس آیا۔ اور رو کے اپنا حالِ زار کہا اور دونوں ہاتھ پھیلا کر بڑی عاجزی سے بھیک مانگنے لگا۔ دارا کو اس غریب شخص پر جو اس کا پرانا استاد بھی تھا بہت رحم آیا اور اپنے جیب سے کچھ نکال کر اُسے دینے لگا جسے دیکھتے ہی دوسرے ایرانی اُمرا بھی جو قریب کھڑے ہوئے بڈھے پر ہنس رہے تھے کچھ پیسے اُس کی طرف پھینکنے لگے جنھیں بہ مشکل وہ جھک جھک کے جمع کرتا تھا۔ اور اُن کا بہت شکریہ ادا کر رہا تھا۔ جب سامتیک نے یہ دیکھا تو بے اختیار رونے لگا اور اپنے بزرگ پروہت کا نام لے لے کر زور زور سے سینہ پیٹنے لگا۔ کمبوجیہ کو یہ تماشہ بہت حیرت انگیز معلوم ہوا۔ وہ اب درختوں کی شاخیں ہٹا کر چھجّے کے کٹہرے کے پاس آکر کھڑا ہو گیا اور اپنے بدنصیب قیدی یعنی فرعون سے مخاطب ہو کر کہنے لگا:۔

اے عجیب شخص! مجھے سخت حیرت ہے اور تجھ سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیا وجہ اپنی غریب لڑکی اور پیارے فرزند کو جو موت کے مونھ میں جا رہا تھا جب دیکھا تو تیری آنکھوں سے ایک آنسو بھی نہ نکلا۔ مگر اس بڈھے فقیر کے دیکھتے ہی جس سے تیرا کوئی خاندانی تعلق بھی نہیں ہے۔ تیری حالت ابتر ہو گئی۔ تیرا دل قابو سے باہر ہو گیا اور تو نے اس قدر اپنے رنج و غم کا اظہار کیا۔

سامتیک نے اپنی آنکھیں اوپر اٹھا کر شہنشاہ کو یہ جواب دیا۔" فرزند کورش! تو اس کا سبب معلوم کرنا چاہتا ہے تو سُن کہ میرے خاندان کی تباہی اتنی عظیم الشان ہے کہ آنسو اس کے لئے کافی نہیں ہو سکتے۔ میرا ادبار و میری ذلت گو ایک سانحہ رُوح فرسا ہے مگر اس کا تعلق میری ہی ذات سے ہے جسے میں صبر و شکر کے ساتھ برداشت کر سکتا ہوں۔ مگر یہ مقدس ہستی۔ یہ مرد بزرگ جو کل ایسا باعزت و ذی اقتدار

اور مرجع خاص و عام تھا آج قسمت نے اُسے اس قدر مجبور کر دیا کہ گداگری کے لئے دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلا رہا ہے۔ یہ ایک ایسا نظارہ ہے جس کی میں تاب نہیں لا سکتا۔ میرا دل بے قابو ہو گیا اور میں اپنے آنسو نہ ضبط کر سکا۔

کمبوجیہ اس جواب سے بہت متاثر ہوا اس نے پیچھے مُڑ کر دیکھا تو کریسس بردیہ اور تمام ایرانی امرا حتیٰ کہ فینیس تک چشم پُرنم و آبدیدہ تھے۔ مغرور و متکبر فاتح تھوڑی دیر تک خاموش رہا پھر فینیس سے مخاطب ہو کر بولا "ہم سمجھتے ہیں کہ بس اسی قدر کافی ہے۔ ہمیں پورے طور سے اپنا بدلہ مل گیا۔ سامتیک اُٹھ! سامنے آ! اور اپنی قسمت پر شاکر رہ کر آیندہ ہمارے معزز دوست کریسس کی طرح مابدولت کے دربار میں اپنی زندگی بسر کر۔ تجھے اور تیرے خاندان کو تیرے باپ کی دھوکہ دہی اور دروغ گوئی کے صلہ میں اب کافی سزا مل چکی اور وہ ملک جسے اماسس نے ہماری مرحومہ بیوی کے پدر سے غصب کیا تھا اب ہمارے قبضہ میں آگیا اور تو ہمیشہ کے لئے اس سے محروم کر دیا گیا ہے لیکن ہم اب رحم و کرم سے کام لیتے ہیں۔ تجھے اپنا مشیر خاص مقرر کرتے ہیں۔ اور اپنی پیاری نتتیس کی خاطر جسے تیرا لڑکا عزیز تھا ولیعہد کو بھی جان بخشی کرتے ہیں۔

(فرزند کریسس سے مخاطب ہو کر) گیجیس! فوراً اسی وقت پسر سامتیک کو ہمارے سامنے لا۔ وہ بھی تیری طرح اب ہمارے امرا کے لڑکوں کے ساتھ پرورش پائے گا۔

گیجیس شہنشاہ کا حکم بجا لانے کے لئے جلدی سے دروازہ کی طرف بڑھا مگر وہاں پہنچنے سے پہلے ہی فینیس نے اُسے واپس بلا لیا۔ اور خود کمبوجیہ اور سامتیک کے درمیان آکر ایک ایسی آواز سے جو ناقابل بیان جوش مسرت سے بھری ہوئی تھی کہا "سامتیک! او ظالم و بدخو سامتیک! تیرا لختِ جگر تیرا اکلوتا میری

شمشیرِ انتقام کی نذر ہو کر داخلِ ملکِ عدم ہو گیا۔ (کمبوجیہ سے) شاہا! میں نے بیشک تیری حکم عدولی کی اور اس اختیار سے کام لیا جو اولاً مجھے بخشا گیا تھا۔ یعنی سب قیدیوں سے پہلے میں نے اماسس کے پوتے ہی کو تہ تیغ کرنے کا حکم دیدیا تھوڑی دیر ہوئی کہ حضور نے میرے قرنا کی آواز سُنی ہو گی۔ یہ جلادوں کے لئے اشارہ تھا کہ مصر کے آخری وارث سلطنت کا جلد خاتمہ کر دیں۔ مجھے معلوم ہے کہ اس کے بعد مجھے کیا سزا دی جائے گی لیکن میری زندگی کا منشا پورا ہو گیا۔ اور میں اپنی جان بخشی کے لئے اب کوئی التجا نہیں کرنا چاہتا۔ (کریسس سے مخاطب ہو کر) کریسس۔ میں جانتا ہوں کہ تم میری طرف کیوں ایسی ملامت آمیز نگاہوں سے دیکھ رہے ہو۔ تمہیں شہزادہ کے قتل کا افسوس ہے لیکن زندگی مصائب وناامیدیوں کا ایک ایسا مجموعہ ہے کہ بقول سولن وہی لوگ زیادہ خوش قسمت ہیں جنھیں دیوتا جلد اس دنیا سے اُٹھالیں۔ سامتیک! تجھے میں یاد دلاتا ہوں کہ ہماری خصومت ونزاع کے کیا وجوہات تھے۔ یہ لوگ جو اس وقت موجود ہیں شاید ان واقعات سے بے خبر ہیں اس لئے میں چند لفظوں میں بیان کرتا ہوں۔ جب اماسس نے قبرس پر فوج کشی کی تھی تو مجھے تجھ پر ترجیح دیکر اپنی فوج کا سپہ سالار مقرر کیا تھا۔ میری نیک نامی وشہرت تیری ذلت وکینہ پروری کا باعث ہوئی اسی عرصے میں مجھے ایک ایسا راز بھی معلوم ہوا جس سے تیری سلطنت پر حرف آتا تھا۔ علاوہ بریں تیرا ارادہ ہوا کہ ایک باعصمت وشریف لڑکی یعنی سافو کو اُس کی نانی کے مکان سے زبردستی نکال کر عقد میں لے آئے۔ اس میں بھی میں تیرا ہارج ہوا۔ اور تجھے زک نصیب ہوئی۔ بعدۂ تو میرا دشمن ہو کر ایسا درپے آزار ہوا کہ مجھے نوکری چھوڑ کر اپنی جان بچانے کے لئے مصر سے بھاگنا پڑا۔ پھر تو نے مجھ پر بڑا ظلم کیا اور میرے بے گناہ بچوں کو مروا ڈالا۔ اب میرے انتقام کی باری آئی۔ میں نے تجھے تاج وتخت

سے محروم کرکے تیری رعایا کو غیر قوم کا غلام بنا دیا۔ تیری لڑکی کو اپنی لونڈی بنایا۔ تیرے اکلوتے فرزند کو ہمیشہ کے لئے تجھ سے جدا کرا دیا۔ اور تو نے اُس لڑکی کو بھی جس کی عصمت کے پیچھے پڑا تھا ایک جلیل القدر شہزادے کی بیوی کی حیثیت سے دیکھ لیا۔ اور اب مجھے بھی عزت و اقتدار کے اوجِ کمال پر دیکھ رہا ہے۔ ان تمام باتوں سے تیرے دل پر جو گذری ہوگی اُسے میں ہی خوب سمجھ سکتا ہوں۔ بدنصیب شخص! اس سے بڑھکر میری کامیابی کا اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ تیری یہ حالت زار دیکھ کر آج خود میرا دل بے قابو ہو گیا اور میں بھی بے اختیار رونے لگا۔ میری تمام تمنائے دلی حاصل ہو گئیں۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ بلاشک سب سے زیادہ خوش نصیب و دیوتاؤں کا ہمسر وہی شخص ہے جسے میری طرح آج اپنے دشمن کی انتہائی مصیبت و ذلت کا تماشہ دیکھنا نصیب ہوا ہو۔ جو صرف ایک ہی لحظہ کے لئے سہی لیکن میرے لئے نعمتِ عظمیٰ ہے۔ پھر بعدہٗ جان جائے یا رہے مجھے اب کچھ پرواہ نہیں۔ فینیس یہ کہہ کر چپ ہو رہا اور ہاتھ سے اپنے زخم کو جو اُسے تکلیف دے رہا تھا دبانے لگا۔ کمبوجیہ نے اس تقریر سے حیرت زدہ ہو کر ایک غضب آلود نگاہ سے یونانی کو گھورا۔ وہ ایک قدم آگے بڑھا اور عنقریب فینیس کی پٹی کو ہاتھ سے چھونے والا تھا جو اُس کے قتل کا اشارہ تھا کہ یکایک اُس کی نظر اُس زنجیر پر پڑی جو اُس نے شہزادی نتیتیس کی بے گناہی ثابت کرنے کے صلہ میں اُسے بخشی تھی۔ اپنی پیاری معشوقہ کی یاد اور یونانی کی بے شمار قیمتی خدمات کے خیال نے اُسے اس ارادہ سے باز رکھا اور وہی ہاتھ جو سزائے موت کے لئے اٹھا تھا پھر اپنی جگہ پر گر پڑا۔ ایران کا جابر و تند خو شہنشاہ کچھ دیر تک حالتِ تذبذب میں اپنے سرکش و نافرمان یونانی سردار کو بغور دیکھتا رہا۔ پھر ایک فوری خیال کے آتے ہی باندازِ حاکمانہ اس نے اپنا ہاتھ اٹھا کر محل کے دروازہ کی طرف اشارہ کیا۔ فینیس نے سمجھکر مؤدبانہ اپنی گردن جھکا لی اور شہنشاہ کے دامن کا بوسہ دیکر چپ چاپ اُس کے سامنے

سے باہر نکل گیا۔ سامنتیک جس کا جسم کانپ رہا تھا۔ یہ دیکھتے ہی اُچھل کر جلد ہی
سے برآمدہ کے پاس دوڑا۔ مگر قبل اس کے کہ اُس کی زبان سے کوئی لفظ نکل سکے
غش کھا کر زمین پر گر پڑا۔ بعدہٗ کمبوجیہ اپنے سرداروں کی طرف متوجہ ہوا اور میر شکار کو
حکم دیا کہ لبیا کے پہاڑیوں میں شیر کے شکار کا فوراً انتظام کریں۔ پھر اپنے تمام جلوس
کے ساتھ فرودگاہ شاہی کی طرف روانہ ہوگیا۔

باب اُنتیسواں

دریائے نیل کا سفر

دریائے نیل کی طغیانی شروع ہو گئی تھی فینیس کو فرار ہوئے دو مہینے گذر گئے
تھے اس عرصہ میں بہت سے واقعات پیش آئے۔ سافو کی ایک لڑکی پیدا ہوئی
اور وہ اپنی نانی کی نگہداشت سے اب اس قدر اچھی اور تندرست ہو گئی تھی کہ دریائی
نیل کے سفر کے قابل تھی اس کے شوہر کو ممفس میں زیادہ قیام کرنا گوارا نہ تھا۔
کیونکہ فینیس کے جانے کے بعد بادشاہ کا برتاؤ ایسا ناقابل برداشت ہو گیا تھا کہ
بردیہ اس کے پاس سے دور بھاگتا تھا اور فوراً اجازت لے کر سئیز چلا آیا تھا۔
روڈوفس بھی مع دارا۔ زپیروس۔ گیجیس ہمراہ سفر تھی۔ جس دن نیتھ کا تہوار
شروع ہوا اُسی روز صبح کے وقت یہ سب لوگ ممفس سے روانہ ہو کر ایک نہایت
آراستہ و خوشنما کشتی پر سوار ہوئے۔ ملاحوں کی تعداد کافی تھی اور باد شمال بھی
موافق تھی اس لئے کشتی بڑی تیزی سے روانہ ہوئی۔ اس کشتی کے وسط میں اسکے

بالائی حصہ پر مسافروں کو دھوپ سے بچانے کے لئے لکڑی کا ایک زریں و رنگین سائبان کھڑا تھا جس کے نیچے سب آرام سے بیٹھے تھے۔ کریسس و روڈوفس آپس میں گفتگو کر رہے تھے ان کے قریب ہی تھیوپمپوس تھا۔ سافو۔ بردیہ کے بازو پر سہارا دیئے بیٹھی تھی۔ دارا دریا کی طرف نظر جمائے کسی خیال میں ڈوبا ہوا تھا اور پاس ہی سلوسن آرام سے لیٹا تھا۔ گیجیس ددہ یا ایک طرف علیحدہ بیٹھے ہوئے ایک مصری غلام سے پھول لے لے کر دونوں خاتونوں کے لئے ھار بنا رہے تھے۔

بردیہ۔ بھلا کوئی کہہ سکتا ہے کہ ہماری کشتی سست رفتار ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ایک ہوائی گھوڑے پر سوار اُڑتے ہوئے جا رہے ہیں۔

تھیوپمپوس۔ ہاں بادِ شمال ہمارے موافق بڑی تیزی سے چل رہی ہے اور مصری ملاحوں کو بھی دعا دو۔ وہ واقعی اپنے فن میں اُستاد ہیں۔

کریسس۔ یہی ملاح جب موجیں خلاف ہوتی ہیں تو کیسا زور لگا کر کھیتے ہیں۔ قاعدہ ہے کہ انسان اپنی پوری طاقت سے اُسی وقت کام لیتا ہے جب کوئی شے اس کے مزاحم ہوتی ہے۔

روڈوفس۔ ہاں! اور دریا و سمندر خواہ کیسے ہی ساکت ہوں تاہم بعض اوقات ہم لوگ خواہ مخواہ اپنے لئے مشکلیں پیدا کر لیتے ہیں۔

دارا۔ بیشک۔ کیونکہ بہادر و اُلوالعزم نچلے بیٹھنا پسند نہیں کرتے اور مشہور تیراک سہل و آسان شناوری کو نفرت سے دیکھتے ہیں حالت بےکاری اور امن میں سب لوگ یکساں ہیں مگر دوسروں پر فضیلت پانے اور اپنے جوہر دکھانے کے لئے خطرات و جنگ آزمائی کی ضرورت ہے۔

رھوڈوفس۔ لیکن سچے بہادروں و سورماؤں کا یہ شیوہ نہیں کہ خود جھگڑے و فساد کا

آغاز کریں۔ اُن گہرے سبز رنگ کے تربوزوں کو دیکھو جو کنارے کھیتوں میں نظر آرہے ہیں۔ اگر بونے والے اُن کے بے شمار بیج زمین پر ڈالدیتے تو ایک بھی تربوز بڑا ہو کر نہ پکنے پاتا۔ اور بکثرت جھاڑ جھنکاڑ اُگ کر اُن کی باڑ کو مار دیتے اور تمام فصل خراب ہوجاتی۔ انسان کی سرشت میں ازل سے جنگجوئی اور اہم مہمات سر کرنے کے جذبات و خواہشیں موجود ہیں لیکن اگر وہ اپنی کوششوں میں کامیاب ہونا چاہتا ہے تو اُسے اعتدال و سلامت روی سے کام لینا اور ایک حد مقررہ سے تجاوز نہ کرنا چاہیئے۔ میرے خیال میں اسی کا نام بہادری و عقلمندی ہے۔

کریسس۔ کاش کہ شہنشاہ تمہارا یہ قول سُنکر نصیحت پکڑتا۔ اس فتح عظیم کے بعد بجائے قانع و شاکر ہونے کے اس کی لالچ و حرص اور بڑھ گئی ہے اب وہ چاہتا ہے کہ تمام دنیا کو مسخر کرلے۔ جب سے فینیس رخصت ہوا ہے۔ بدمستی و مے نوشی کے دیو اس پر مسلط رہتے ہیں۔

رھوڈوفس۔ کیا مادر شاہ کا بھی کچھ اثر نہیں؟

کریسس۔ وہ اُسے اپنی بہن کے ساتھ زبردستی عقد کرنے سے بھی باز نہ رکھ سکیں اور مجبوراً تمام رسوم میں شامل ہوئیں۔

سافو۔ مجھے غریب اتوسا پر بہت افسوس آتا ہے۔

کریسس۔ ہاں۔ اس کی زندگی جب سے وہ ملکہ ایران ہوئی ہے نہایت تکلیف و مصیبت میں بسر ہوتی ہے وہ خود بھی بڑی من چلی اور پُرجوش لڑکی ہے اور خاوند کے ساتھ کبھی امن و چین سے نباہ نہیں کرسکتی۔ میں نے سُنا ہے کہ بدقسمتی سے کمبوجیہ بھی اُس کی پرواہ نہیں کرتا اور بچوں کی طرح برتاؤ کرتا ہے۔ مصریوں میں بھی اس قسم کی شادیاں عجیب نہیں سمجھی جاتیں اور بھائی بہن کے ازدواج کا ان میں بھی عام طور سے رواج موجود ہے۔

دارا۔ دسنجیدگی سے منہ بنا کر) نہیں۔ میں تو سمجھتا ہوں کہ یہ ہمارے ہی کمبخت ملک میں ہے کہ قریبی رشتہ کی شادیاں زیادہ مستحسن و مبارک سمجھی جاتی ہیں۔

کرِی سس (دارا کے خیال سے گفتگو کا رُخ بدل کر) ہمارے شہنشاہ کی اولوالعزمی و شرافت میں کوئی کلام نہیں بس صرف یہ عیب ہے کہ بعض اوقات مغلوب الغضب ہو جاتے ہیں پھر اپنی حرکت پر پشیمان بھی ہوتے ہیں مگر عموماً عدل و انصاف کو ہمیشہ مدنظر رکھتے ہیں۔ مثلاً کل ہی رات کا واقعہ ہے کہ دعوت کے موقعہ پر انہوں نے حاضرین سے یہ سوال کیا کہ بتاؤ مجھ میں اور میرے باپ میں کیا فرق ہے؟

رہوڈوفس۔ انہوں نے کیا جواب دیا؟

دَدَہ یا۔ ہم سب حیران تھے کہ کیا کہیں۔ اتنے میں انتافرس بولا کہ حضور کو اپنے والد پر اس لئے سبقت حاصل ہے کہ فتح مصر کے بعد آپ کی مملکت و سلطنت اس قدر وسیع ہو گئی جو اُن کے زمانہ میں نہ تھی۔ بادشاہ کو یہ جواب پسند نہ آیا اور میز پر بڑے زور سے گھونسا مار کر چلایا کہ تم سب نہایت ذلیل و کمینے خوشامدی ہو۔ انتافرس نہایت خفیف ہوا اور اپنے دل میں بہت ڈرا۔ پھر اُس نے کرِی سس سے مخاطب ہو کر یہی سوال کیا جس کا ہمارے دوست نے نہایت خوبی کے ساتھ یہ جواب دیا کہ شاہا! تیرے والد بزرگوار اس لحاظ سے کہ انہوں نے تجھ ایسا فرزند اپنے پیچھے چھوڑا ہر طرح تجھ پر فضیلت و عظمت کے قابل ہیں۔

رھوڈوفس۔ (خوش ہو کر) واہ! کیا کہنا۔ کیا عمدہ جواب دیا۔ شہنشاہ نے اسے سُنکر کیا کہا؟

لہ (یہ نوٹ صفحہ ۲۴۲ کا ہے) متعدد قدیم کتبے و آثار اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ بھائی بہن کی شادی اس زمانہ میں عام تھی۔ خاندان ٹالمیز (بطلیموس) میں اس کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں۔ (ایبر)

زیپیروس۔ وہ حد درجہ خوش ہوئے۔ کریسس کا نہایت شکریہ ادا کیا۔ اور کہا کہ تم میرے سچے دوست و بہی خواہ ہو۔

کریسس۔ میں نے اس موقع کو غنیمت سمجھ کر اہل حبش و کارتھیجیا کے خلاف جنگ کرنے سے باز رکھنا چاہا مگر افسوس کہ ناکامیاب رہا۔ حبشیوں کے متعلق نہایت عجیب غریب قصے مشہور ہیں اگر انہیں باور نہ کیا جائے تو بھی ایک وسیع ریگستان کو عبور کرنا ہماری اتنی بڑی فوج کے لئے نہایت خطرناک ہے اور یہ ایک ایسی مہم ہے کہ جس میں فائدہ کم اور نقصان زیادہ ہے۔ کارتھیجیون سے لڑنا میری رائے میں اور بھی خلاف مصلحت ہے کیونکہ وہ تمام شامی و فنیقی جو ہمارے جہازوں پر نوکر ہیں ہرگز اپنے بھائی بندوں پر حملہ کرنے کے لئے راضی نہونگے۔ کمبوجیہ نے میرے یہ دلائل سنکر مجھے بزدلی کا الزام دیا اور شراب کے نشہ میں قسم کھائی کہ بلا بردیہ و فینس کی مدد کے وہ ان دونوں قوموں کو فتح کر سکتا ہی اور ضرور اپنا ارادہ پورا کریگا۔

روھوڈوفنس۔ (بردیہ سے) تمہارا نام اس موقع پر کیوں اُسے یاد آیا۔

ودھیا۔ کیونکہ یہی تو جنگ پلوسیم کے فاتح مشہور ہیں۔

کریسس۔ ایسے کلمات زبان پر نہ لاؤ۔ اور بہت احتیاط سے کام لو کمبوجیہ کے دل میں رشک و حسد پیدا کرنا نہایت خطرناک ہے۔ اس کا دل ابھی تک زخمی ہے اور ذرا سی بات سے اُسے سخت صدمہ پہنچتا ہے قسمت نے اُسے اپنی پیاری بیوی اور ایک عزیز دوست سے جدا کر دیا ہے اور اب تم اس کو اپنی رہی سہی خوشی یعنی جنگی ناموری سے بھی محروم کرنا چاہتے ہو۔

بردیہ۔ (کریسس کا ہاتھ پکڑ کر) میں بھائی کو کوئی الزام نہیں دے سکتا۔ انہوں نے کبھی مجھ سے ناانصافی کا برتاؤ نہیں کیا اور نہ مجھ سے حسد رکھتے ہیں۔ آپ کو معلوم

ہوگا کہ لڑائی کے بعد انہوں نے مجھے ایک بیش بہا تلوار، تنو خوبصورت گھوڑے، اور ایک طلائی دستی چکی انعام میں عطا فرمائی تھی۔

سافو جو کری سس کی گفتگو سے کسی قدر متردد ہو گئی اپنے شوہر کا یہ جواب سنکر مطمئن ہو گئی۔ اتنے میں ددہ یا نے اپنا پھولوں کا تاج گوندھ کر رھوڈوفس کے سر پر رکھ دیا۔ اور گیجلیس نے اپنا سافو کی نذر کیا جس نے اسے اپنی پیشانی پر لگا لیا اور ایسی دلفریب و حسین معلوم ہونے لگی کہ بردیہ نے بے اختیار سب کے سامنے اپنے گلے سے لگا لیا۔ اس واقعہ نے گفتگو کا رخ یکایک بدل دیا۔ ہر شخص ایک دوسرے کو خوش کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ حتیٰ کہ دارا بھی اپنی سنجیدگی بھول گیا اور دوستوں سے جن کے سامنے اب مزے مزے کی شرابیں لائی جا رہی تھیں ہنس ہنس کر دل لگی کی باتیں کرنے لگا۔ اب شام ہو گئی تھی اور آفتاب پہاڑوں کے پیچھے ڈوب گیا تھا۔ غلاموں نے تختۂ جہاز پر خوشنما آرام کرسیاں، پیر ٹیکنے کی ٹپائیاں اور چھوٹی چھوٹی میزیں لاکر رکھ دیں جن پر سب لوگ جا کر بیٹھ گئے اور ایک ایسے عجیب و غریب تماشہ کا نظارہ کرنے لگے جو کبھی عمر بھر انہوں نے نہ دیکھا تھا۔ نیتھ کا میلہ جو مصریوں میں جشن چراغاں کے نام سے مشہور تھا شروع ہو گیا تھا اور تمام ملک میں گھر گھر روشنی ہو رہی تھی۔ دریائے نیل کے دونوں کناروں پر میلوں تک معلوم ہوتا تھا کہ آگ لگی ہوئی ہے۔ کوئی مندر۔ مکان یا جھونپڑے ایسے نہ تھے جن پر ان کے رہنے والوں کی حیثیت کے موافق بتیاں و چراغ جگمگا رہے ہوں۔ دیہاتی مکانوں کے پھاٹکوں اور بڑی بڑی عمارات کے برجوں پر برتنوں میں رال رکھ کر جلائی گئی تھی جس کی روشنی دور دور تک جاتی تھی اور دھواں آسمان پر طرح طرح کی شکلیں بناتا ہوا بلند ہو رہا تھا

لے بقول مورخ ہیرو۔ ایران میں ایک طلائی دستی چکی سب سے بڑا نشان امتیاز و افتخار سمجھا جاتا تھا جسے شہنشاہ شاذ و نادر کسی شخص کو بخشا کرتا تھا۔ (ایبر)

تاڑوں اور انجیروں کے درخت چاندنی رات میں چمک رہے تھے اور اُنکا سایہ اُن لہروں پر پڑ رہا تھا جو روشنی کے سبب سے سُرخ نظر آرہے تھے۔ مگر یہ حالت کنارے کے قریب تھی۔ وسط دریا میں جہاں ہماری کشتی جارہی تھی اب بھی اندھیرا تھا اور ہمارے مسافروں کو گمان ہوتا تھا کہ گویا خود شبِ تاریک میں ہیں۔ مگر دوردیہ روز روشن کا سماں ہے۔ کبھی کبھی چند چمکدار و منور کشتیاں راج ہنسوں کی طرح سامنے سے تیزی کے ساتھ گذر جاتی تھیں اور جب کنارے کے قریب پُہنچتی تھیں تو یہ معلوم ہوتا تھا کہ کسی آہنی بھٹّی یا آتشیں موجوں میں پُہنچ گئیں اور انھیں چیرتی ہوئی جارہی تھیں۔ سفید کنول کے پھول چشمانِ آب کی طرح لہروں پر تیر رہے تھے۔ ساحل پر خاموشی طاری تھی۔ بادِ شمال کے ساتھ جو آوازیں آرہی تھیں وہ اس قدر دھیمی تھیں کہ وسط دریا تک آتے آتے غائب ہوجاتی تھیں۔ رات کے اس سنسان عالم میں سوائے ملاحوں کے نغموں اور اُن کے چپوؤں کی حرکت کے اور کوئی آواز نہ سُنائی دیتی تھی بڑی دیر تک ہمارے مسافر خاموشی کے ساتھ اس عجیب سین کو غور سے دیکھتے رہے۔ آخر کار دودہ یا ایک ٹھنڈی سانس لیکر بولا:-

دو بردیہ مجھے تم پر بہت رشک آتا ہے۔ کیا اچھا ہوتا کہ اسی طرح ہم میں سے ہر ایک کے پاس بھی اس کی چہیتی بیوی موجود ہوتی۔

بردیہ۔ (ہنس کر) تمھیں کس نے منع کیا تھا۔ اپنی کسی بیوی کو چُن کر ساتھ کیوں نہ لے آئے۔

زپیروس۔ اگر ایک کو ترجیح دیتا تو دوسری مجھے زندہ نہ چھوڑتیں۔ پرشادخر اروتز۔ جو میری آخری چہیتی بیوی ہے اگر اُسے تنِ تنہا ساتھ لانے کی جرأت کرتا تو یقین جانو کہ یہ خوبصورت سماں میری عمر کا آخری نظارہ ہوتا۔

بردیہ۔ (ساقو کا ہاتھ پکڑ کر) میں ہی زیادہ خوش نصیب ہوں۔ میں تمام عمر اپنی

ایک ہی پیاری پر قانع رہوں گا۔

سافو۔ (ددہ یا سے) آپ کی بات قابل اعتبار نہیں۔ شاید آپ اپنی بیویوں کے غصہ کی اتنی پرواہ نہیں کرتے جتنا اپنے ملکی رسم و رواج سے ڈرتے ہیں۔ میں سنتی ہوں کہ لوگ ابھی سے میرے پیارے بردیہ کو الزام دینے لگے ہیں کہ وہ مجھے کسی خواجہ سرا کی حفاظت میں نہیں رکھتے۔ اور ہمیشہ اپنے ساتھ لئے پھرتے ہیں۔

ددہ یا۔ (مسکرا کر) بردیہ نے تمہیں حد درجہ بگاڑ دیا ہے اور اب یہ مصیبت ہے کہ ذرا ابھی ہم اپنی بیویوں پر سختی کرتے ہیں تو وہ تم دونوں کی مثال دیکر ہم پر طعنہ زن ہوتی ہیں اگر یہی حالت رہی تو دیکھ لینا تمام عورتیں باغی ہو جائیں گی۔ آستانہ شاہی پر یلغار کر کے پہنچیں گی اور اپنے بہادر جنگجو شوہروں کو جو غنیم کے نیزے و تیروں سے زندہ بچ کر آئے ہیں اپنی نکیلی تیز زبانوں سے زخمی و مجروح کریں گی۔ یا آنسوؤں کے سیلاب میں غرقاب کر دیں گی۔

سلوسن۔ (ہنس کر) تم کیسے بدخلق و گستاخ ہو۔ عورت جو دیوی افرودیت کی ایک سچی شبیہ و نام لیوا ہے اس کی تمہیں عزت کرنی چاہئے۔

ددہ یا۔ آپ اپنی تو کہئے۔ کیا یونانی اپنی عورتوں کے ساتھ ہم سے اچھا برتاؤ کرتے ہیں۔ تمام دنیا میں شاید مصر ہی ایک ایسا خطہ ہے جہاں عورتوں کو پوری[1] آزادی حاصل ہے۔

رہوڈوفس۔ سچ کہتے ہو۔ اس عجیب و غریب ملک میں صدیوں سے فرقہ اناث کو وہی حقوق حاصل ہیں جن کے مرد اپنے لئے مدعی ہیں۔ بلکہ چند باتوں میں تو وہ اُن سے بڑھ گئے ہیں۔ مثلاً قانون مصر کے مطابق بجائے لڑکوں کے بیٹیوں کا یہ فرض ہے کہ اپنے بوڑھے والدین کی نگہداشت و خبرگیری کریں۔ اس سے ظاہر ہوا

---

[1] مصری عورتوں کو موجودہ یورپ کی طرح پوری آزادی حاصل تھی۔

کہ اس قوم کے مقنن کیسے عقلمند تھے اور کیسی اچھی طرح وہ عورت کی طبیعت و فطرت کو سمجھتے اور جانتے تھے۔ یعنی جن حالتوں میں نگھبانی توجہ۔ ہمدردی و الفت کی ضرورت ہے۔ عورتیں مردوں سے کہیں زیادہ فوقیت رکھتی ہیں۔ اس لئے ان جانورپرستوں کو نفرت سے نہ دیکھنا چاہیئے ہیں ان کی بہت سی باتیں نہیں سمجھ سکتا تاہم ان کا حد درجہ مداح ہوں۔ ہمارے اُستاد کامل فیثاغورث فرماتے تھے کہ مصری پروہتوں کی تعلیم و تلقین میں اتنی بڑی عقل و دانائی مضمر ہے جو اپنی ضخامت و وسعت میں ان کے اہراموں کی ہمسری کرتی ہے۔

دارا۔ مجھے اس سے پورا اتفاق ہے کیونکہ نیتھوتپ پروہت اعظم کو قید سے چھڑا کر چند ہفتے میں اُس کے اور معمر انوفس کی صحبت میں رہا اور ان دونوں کی تعلیم سے مستفید ہوا ہوں۔ اُن سے ایسی ایسی نئی نئی مفید باتیں معلوم ہوئیں جو کبھی میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھیں اور جنھیں سُنکر میں تمام دنیوی افکار و رنج و غم بھول گیا۔ وہ آسمان و زمین سب کے حالات سے واقف ہیں۔ ہر بادشاہ کا نام انھیں یاد ہے گزشتہ چار ہزار برس کی تاریخ ازبر ہے۔ جوتش و نجوم میں کمال حاصل ہے اور اپنے ملک کے تمام اہل علوم و فنون کے تصنیفات پر عبور کامل ہے جس کی شاید یہ وجہ ہو کہ صدہا کتابیں و کتبے تھیبز کے ایک خاص محل میں جسے شفاخانہ ارواح[۱] کہتے ہیں ابھی تک محفوظ ہیں۔ اور یہ پروہت دن رات ان کا مطالعہ کیا کرتے ہیں۔ ان کا نظام زندگی دانشمندی و زیرکی کا ایک بے مثل نمونہ ہین۔ اور ان کے اصولِ حکومت و معاشرت بلحاظ ضروریات شخصی و ملکی نہایت فہم و ادراک کے

---

[۱] بقول مورخ دیودورس مصر کے شہر تھیبز میں ایک مشہور کتب خانہ تھا جسے "شفاخانہ ارواح" کہتے تھے۔ اس میں بیس ہزار سے زیادہ کتابیں تھیں۔ محل رامیسیم کے قریب اس کتب خانہ کے آثار دریافت ہوئے ہیں۔ (ایبر)

ساتھ موضوع کئے گئے ہیں۔ کاش کہ ہمارے ملک کو بھی یہ دعویٰ ہو سکتا اور یہی ترتیب وقاعدے ہمارے آئین ومعاشرت میں بھی پائے جاتے۔ مصریوں کو یہ بات اس لئے حاصل ہوئی کہ انہیں اعداد کا استعمال خوب آتا ہے اور میرے خیال میں ان کی تمام عقل ودانائی اسی علم پر منحصر رہا ہے۔ اعداد ہی کی مدد سے طریق کواکب کا انہیں پتہ چلتا ہے۔ موجوداتِ عالم کا صحیح اندازہ کر سکتے ہیں اور موسیقی کے تاروں کو گھٹا بڑھا کر اس کے سُروں کو مرتب ومربوط کر سکتے ہیں۔ عدد ہی ایک ایسی چیز ہے جس کا علم یقینی ہے اور جس کی تعبیر وتشریح کبھی غلط نہیں ہو سکتی کیونکہ ہر قوم کے خیالات اپنی نیکی وبدی۔ عیب وصواب کے متعلق جُدا جُدا ہیں۔ ہر قسم کا قانون مختلف اتفاقات کی وجہ سے فسخ وبیکار ہو سکتا ہے لیکن جو تجربہ ومشاہدہ کہ اعداد پر مبنی ہے وہ کبھی باطل نہیں ہو سکتا۔ کون کہہ سکتا ہے کہ دو اور دو چار نہیں ہوتی اعداد ہی سے ہمیں صحیح طور پر ہر جزو کا اُس کے کُل وہر شئے کا اُس کے ماخذ سے تعلق وتناسب معلوم ہوتا ہے اس لئے اعداد کی ایک جداگانہ ہستی ہے جو ہر مادی شئے کے لئے ضروری ولازمی سمجھی جاتی ہے

ددہ یا۔ دارا! تمہیں متھرا کی قسم۔ بس ختم کرو۔ میرا دماغ سُنتے سُنتے چکرا گیا۔ تمہاری گفتگو کوئی سُنے تو یہی خیال کرے کہ تمام عمر مصری فلسفیوں کی صحبت میں رہے ہو اور کبھی تلوار کو ہاتھ سے چھوا تک نہیں۔ بھلا اعداد سے ہمیں کیا مطلب۔ اور اس بحث سے کچھ فائدہ؟

رھوڈوفس۔ تمہیں اس کا حال کیا معلوم۔ فیثاغورث نے بھی اسی علم کو جو مصری پروہتوں کا راز سربستہ ہے۔ اسی معمر انوفس سے سیکھا تھا جس نے اب دارا پر اُسے ظاہر کر دیا ہے۔ کبھی میرے پاس فرصت کے وقت آؤ گے تو میں بتاؤنگی کہ ہمارے جلیل القدر حکیم نے انہیں اعداد وعلم ہندسہ کی رو سے اپنے علوم وفنون

خصوصاً فنِ موسیقی میں اصلاح کر کے ایک نئی روح پھونک دی - مگر خیر اس بحث کو چھوڑنا چاہیئے - وہ دیکھو اہرام سامنے نظر آرہے ہیں۔"

سب اپنی اپنی کرسیوں سے اُٹھ کھڑے ہوئے اور چُپ چاپ اُس عجیب وغریب سین کو جو سامنے تھا دیکھنے لگے - گذشتہ شاہانِ مصر کے عظیم الشان قدیم مقبرے دریا کے بائیں کنارے چاندنی کی روشنی میں سر بفلک نظر آتے تھے - ان کا حجم وجسامت دیکھ کر ہیبت ہوتی تھی اور خیال گذرتا تھا کہ کہیں زمین اُن کے بوجھ سے دھنس نہ جائے - وہ انسان کی ایک غیر معمولی قوتِ ارادیہ اس کی حیرت انگیز جدت وصنعت کی یادگار تھے - اور اُس کی خود نمائی زعم عُجب وتکبر کو یاد دلاتے تھے - مگر اب اُن کے اولوالعزم بانی کہاں ہیں؟ کہاں ہے چوفو جس نے اپنی رعایا کا پسینہ بہا کر ان کے خون وجگر سے پتھروں کا یہ عالی شان پہاڑ کھڑا کر دیا - کہاں ہے وہ چیفرا جیسے خدائی کا دعویٰ تھا - جس نے تمام مندروں کے دروازے مسدود کر کے صرف اپنی بقائے دوام کے لئے ایک ایسی یادگار تعمیر کرائی جو قدرت انسانی سے باہر معلوم ہوتی تھی - ان دونوں کا اب کہیں پتہ نہیں - ان کے تابوت تک خالی ہیں جس کی شاید یہ وجہ ہو کہ مُردوں کے ججوں نے اُنہیں قابلِ مغفرت نہ سمجھا اور اُن کی لاشوں کو تہ وبالا کر دیا - بخلاف اس کے تیسرے وچوتھے اہرام کا بانی جو خدا ترس تھا جس کا نام منکرا تھا اور جس نے صرف ایک چھوٹی سی مگر سب سے زیادہ خوب صورت یادگار بنا کر اُسی پر قناعت کی ابھی تک اپنے نیلگوں سنگین تابوت میں آرام[1] سے سو رہا ہے - رات کی خاموشی میں ان عظیم الشان یادگاروں

[1] بقول ہیروڈوٹس - ان عظیم الشان اہراموں کے بانی سخت ملحد وکافر تھے اور خدائی کا دعویٰ کرتے تھے - مگر معلوم ہوتا ہے کہ ان کے گنہگار مشہور ہونے کا اور ہی سبب تھا - رعایا سے انہوں نے زبردستی کام لیا تھا اور طرح طرح کی تکالیف انہیں دی تھیں اس لئے ظاہر ہے کہ انہوں نے

پر عجیب سماں تھا۔ آسمان کے ستارے ان پر نور افگن تھے اور دشت و بیابان کا پاسبان یعنی ابوالہول ان کی نگہبانی کر رہا تھا۔ ان کے دامن میں بہت سے چھوٹے مقبرے تھے اور منکرا کے اہرام کے سامنے ایک معبد بھی تھا۔ جس میں آمسرس کے پجاری مُردوں کے لئے شغل و وظائف میں مصروف رہتے تھے۔

سمت مغرب جہاں سورج لبیا کے پہاڑیوں کے پیچھے غروب ہوتا ہے اور جہاں زرخیز زمین ختم ہو کر ریگستان شروع ہوتا ہے میمفس کا وہ مشہور قبرستان تھا جسے دیکھتے ہی دل پر ایک عجب ہیبت و احترام پیدا ہو جاتا تھا۔ ہمارے مسافروں کی تیز رفتار کشتی اس مقام سے ہوتی ہوئی گذری بعدہٗ وہ بڑے بڑے پشتے و بند ملے جو مِنا کے شہر کو سیلاب سے محفوظ کرنے کے لئے بنائے گئے تھے۔ اور آخرکار فراعنہ کے اس مشہور شہر کا سواد نظر آیا اور نیتھ کے تہوار کی خوشی میں لاکھوں چراغ جگمگاتے نظر آئے۔ خصوصاً قدیم و مشہور معبد ٹاہ کے قریب جب پہنچے تو اس کی روشنی و سجاوٹ دیکھ کر بے اختیار سب کی زبانوں سے احسنت و آفریں کا نعرہ نکل گیا۔ یہ بتکدہ اوپر سے لے کر نیچے تک ایک بقعہ نور نظر آتا تھا۔ اس کی پیلان فصیلوں اور چھتوں پر ہزاروں چراغ دمکتے رکھے تھے اور ابوالہولوں کی صفوں کے درمیان جو معبد کے مختلف پھاٹکوں سے مرکزی عمارت تک گئی تھیں سینکڑوں مشعلیں جل رہی تھیں متبرک بیل یعنی اپیس کا خالی مکان روشنی سے ایسا چمک رہا تھا جس طرح چکنے پتھروں کی پہاڑیاں ڈوبتے ہوئے آفتاب کی کرنوں سے منور ہو جاتی ہیں۔ ہر طرف لاکھوں جھنڈیاں و پھریرے

(بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ) خوب دل کھول کر اپنے ظلم کرنے والوں کو برا بھلا کہا اور انہیں بدنام کرنے میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا۔ ایسے ملک میں جہاں خدائے واحد کا وجود راز سربستہ ہو اور فراعنہ عام طور سے خدائی کا دعویٰ کریں (ایبر) ملحد و کافر کے معنی سمجھنا ذرا مشکل ہیں۔ (مترجم)

اڑ رہے تھے - ہر جگہ پھولوں کی بھرمار تھی اور سُریلی نغموں کی آوازیں کانوں میں آ رہی تھیں۔

رھوڈوفس۔ (جوشِ مسرت سے) واہ - واہ - کیا خوشنما منظر ہے دیکھو وہ رنگین دیواریں وستون کیسے چمک رہے ہیں - اور ابوالہول و میناروں کا سایہ کس خوبی کے ساتھ چکنے اور زرد فرش پر پڑ رہا ہے۔

کریسس۔ اور دیوتا کا وہ متبرک مرقد جس کے چاروں طرف روشنی ہے مگر خود تاریکی میں ہے کیسا عجیب و پُراسرار معلوم ہوتا ہے - میں نے بھی ایسا سین اپنی عمر بھر کبھی نہ دیکھا تھا۔

دارا - مگر میں نے اس سے بھی عجیب تر اور حیرت انگیز ایک نظارہ دیکھا ہے جسے مشکل سے کوئی باور کریگا - میں نے تھیبز کی ایک نہایت مخفی و راز سربستہ مذہبی جشن کا تماشہ مشاہدہ کیا ہے۔

سب دوست - بیان کرو - ہم اُسے سُننے کے بہت مشتاق ہیں۔

دارا - نیتھوتپ نے پہلے تو مجھے اجازت دینے سے انکار کر دیا تھا - مگر جب میں نے وعدہ کیا کہ چھپ کر دیکھوں گا اور اُس کے لڑکے کو بھی آزاد کرادوں گا تو مجھے اپنی رصدگاہ پر لے گیا اور کہنے لگا کہ یہاں خاموش بیٹھ جاؤ اور اسِرس اور اُس کی بیوی اسِس کے عجیب واقعات و سرگذشت زندگی کا ایک تماشہ و نقل مشاہدہ کرو - یہ کہکر وہ تو چل دیا اور میں اکیلا رہ گیا - اتنے میں کیا دیکھتا ہوں کہ یکایک مقدس کنج میں ایسی تیز روشنی ہو گئی کہ گویا دن نکل آیا ہے اور ذرّہ ذرّہ منور ہو گیا - سامنے ایک نہایت مصفّے جھیل تھی جس کے چاروں طرف خوبصورت درخت اور رنگ برنگ پھولوں کی کیاریاں تھیں اور سطحِ آب پر بہت سی سُنہری کشتیاں نظر آتی تھیں - ان پر خوش رو لڑکے اور خوروش لڑکیاں سفید لباس

پہنے ہوئے نہایت دلکش آواز سے گیت گا رہے تھے۔ ان کشتیوں کے جلو میں ایک نہایت عالی شان جہاز تھا جو جواہرات سے جگمگا رہا تھا اور جس کی زیب و زینت و آرائش آنکھوں کو خیرہ کرتی تھی۔ اُسے ایک خوبصورت لڑکا چلا رہا تھا۔ مگر عجیب بات تھی کہ جس پتوار کو وہ ہاتھ سے پکڑے تھا اُس کی شکل ایک کنول کے پھول کی تھی جس کی نازک پتیاں بمشکل پانی کو چھوتی تھیں۔ وسط جہاز میں ایک نہایت حسین عورت لباس شاہانہ سے آراستہ۔ بکمال شان و شوکت۔ ریشمی تکیوں سے ٹیک لگائے جلوہ گر تھی اور اُس کے قریب ہی پہلو میں ایک شخص بیٹھا تھا جس کا قد غیر معمولی لانبا سر پر ایک تاج اور گھونگروالے بالوں پر عشق پیچاں لپٹی ہوئی تھی اس کے شانوں و پشت پر چیتے کی کھال پڑی تھی اور ہاتھ میں ایک خمیدہ عصا پکڑے ہوئے تھا۔ جہاز کے پچھلے حصہ میں مختلف قسم کے پھولوں گلاب۔ کنول و عشق پیچاں[۱] کے سایہ دار چھت کے نیچے ایک گائے نظر آئی جو دودھ کی طرح سفید تھی۔ اس کے سینگ سنہرے تھے اور اُس کی پشت پر ایک بیش بہا ارغوانی رنگ کی چادر پڑی تھی۔ مرد آسرس تھا۔ عورت آسس تھی۔ لڑکا جو پتوار پر کھڑا تھا ان دونوں کا فرزند یعنی ہورس تھا اور گائے دیوی کی خاص متبرک جانور تھی۔ دیگر تمام چھوٹی کشتیاں اس جہاز کے گرد طواف کر رہی تھیں اور جب قریب سے گذرتی تھیں تو ان کی خوشی و مسرت کے نغمے زیادہ بلند ہوتے تھے اور دیوتا دیوی۔ خوبصورت گانے والوں پر پھولوں و پھلوں کی بوچھار کرتے تھے اتنے میں یکایک ایک وحشت انگیز آواز سُنائی دی جس کی گونج و کڑک بڑھتے بڑھتے اتنی اونچی ہوئی کہ کان پھٹنے اور دل ہلنے لگے۔ یکایک ایک نہایت

[۱] عشق پیچاں آسرس کا خاص پودہ تھا اور گائے آسس کے نام سے متبرک تھی۔ (دامیر)

مہیب کریہ المنظر شخص نمودار ہوا جس کے جسم پر سور کی کھال تھی جس کے پریشان بال نہایت سرخ رنگ کے تھے اور چہرہ حد درجہ خونخوار و وحشیانہ تھا۔ یہ شخص ایک اندھیرے و تاریک کنج کے اندر سے نکلا اور جھیل میں کود کر جہاز کی طرف بڑھا۔ اس کے پیچھے پیچھے اسی کی شکل[ف۱] و صورت کے ستر مہیب دیو یا راکشس نظر آئے انہیں دیکھتے ہی سب چھوٹی چھوٹی کشتیاں ہوا کی مانند تیزی کے ساتھ بھاگ گئیں لڑکا جو پتوار پر کھڑا تھا کانپنے لگا۔ اس کے ہاتھ سے پدم کا پھول چھوٹ کر پانی میں گر پڑا اور چشم زدن میں وہ مہیب شخص سر پر آ پہنچا جھپٹ مار کر جہاز پر چڑھ گیا۔ آسیرس پر حملہ آور ہوا اور فوراً اُسے قتل کر ڈالا۔ پھر اس نے اپنے ساتھیوں کی مدد سے اس کی لاش ایک تابوت میں بند کر کے جھیل کے اندر پھینک دی یہ تابوت پانی میں بہتا ہوا یکایک نظروں کے سامنے سے غائب ہو گیا۔ آئسس جلدی سے ایک چھوٹی کشتی میں بیٹھ کر پریشان حال بال کھولے ہوئے ماتم کناں چیختی چلاتی ساحل کی طرف بھاگی اور وہاں اُن لڑکیوں کے ساتھ ملکر جو اپنی اپنی کشتیاں چھوڑ کر اس کی منتظر تھیں جھیل کے کنارے دیوانہ وار دوڑنے لگی۔ دوشیزہ لڑکیاں اپنی سیاہ چادروں کو ایک عجیب انداز سے جنبش دیتی ہوئی ماتم کرتی ناچتی و گاتی لاش کو اُدھر اُدھر ڈھونڈنے لگیں اور نوجوان لڑکے اُن سے کچھ دور بیٹھے ہوئے اپنی گم شدہ دیوتا کے لئے ایک پُر تکلف تابوت بنانے لگے۔ اور جب وہ تیار ہو گیا تو وہ بھی ماتم کرنے والیوں[ف۲] کے ساتھ

ف۱ یہ بیان ڈیوڈورس کی کتاب اور پلوٹارک کے "آئسس و آسیرس" سے ماخوذ ہے۔ (ایڈیٹر)

ف۲ قدیم مصر میں یہ قاعدہ تھا کہ جب کوئی معزز شخص مرجاتا تو گھر کی عورتیں اپنے چہرہ و سر پر مٹی لگا کر گھر سے نکلتیں سینے کھولے ہوئے اپنے جسموں کو مار کر ماتم کرتیں۔ بعدہ مرد بھی انکے ساتھ شامل ہو جاتے اور ماتم کرتے۔ (ہسٹری آف ورلڈ)

شامل ہو کر ایک غمگین آواز سے گاتے ہوئے کنارِ آب تلاش میں مصروف ہو گئے۔ یکایک ایک نامعلوم مقام سے نغمۂ شیریں پیدا ہوا جس کی لے بڑھتے بڑھتے اونچی ہوتی گئی۔ اور اُس نے یہ آگاہ کیا کہ دیوتا کی لاش بحرِ قلزم کی موجیں بہا کر دور دراز ملک فنیقہ میں زبدِبل[۱] لے گئی ہیں۔ اس گیت کو سُنکر مجھ پر بہت بڑا اثر ہوا۔ تیتھوتپ کے لڑکے نے کہا کہ اُسے پیغامِ صبا کہتے ہیں۔

آسس نے جیوں ہی یہ خوشخبری سُنی فوراً اپنا ماتمی لباس اُتار کر پھینک دیا اور اپنی حوروش سہیلیوں کے ساتھ مل کر ایک نغمۂ مسرت و شادمانی شروع کیا۔ بالآخر ندائے غیبی کی خبر صحیح نکلی اور دیوی کو اپنے شوہر کا لاشہ و تابوت دونوں اُسی جھیل کی جانب شمال مل گئے۔ اور جیوں ہی سب نے مل کر اُسے پانی سے نکالا اور کنارے پر لائے۔ آسس اپنے پیارے شوہر کی لاش سے لپٹ گئی۔ اُسے چومنے لگی اور اس کا نام لے لے کر پکارنے لگی۔ نوجوان لڑکے عشق پیچاں اور کنول کے پھولوں کی ایک نہایت خوشنما تربت یا قبر تیار کرنے لگے جس میں مقتول دیوتا بڑی شان کے ساتھ دفن کیا گیا۔ بعدہٗ آسس اپنے پیارے بیٹے کو ڈھونڈھنے لگی یکایک جھیل کی سمت مشرق ایک خوبصورت نوجوان لڑکا نظر آیا جو اپنے چند ہم عمر ساتھیوں کے ساتھ شمشیر زنی اور تیر اندازی کی مشق کر رہا تھا۔ یہ ہورس تھا جو اب جوان ہو گیا تھا۔ آسس نے اپنے لختِ جگر کو گلے سے لگایا اور ابھی اس سے ملنے کی خوشیاں منا رہی تھی کہ اتنے میں ایک گرجتی و کڑک دار آواز نے ٹائفون کے آمد کی خبر دی۔ اس خونخوار اور مہیب راکشس نے آتے ہی فوراً اپنے مقتول کی قبر پر جھپٹا مارا اور اُس کی لاش کو تابوت کے اندر سے نکال کر چودہ ٹکڑے کر ڈالے اور ایک ہیبت انگیز نعرۂ خوشی بلند کر کے انھیں پانی میں پھینک دیا۔ آسس جب

---

۱ یونانی اسے بلوس کہتے تھے۔ (دابیر)

اپنے شوہر کے مرقد پر پہنچی تو وہاں سوائے چند پژمردہ پھولوں و خالی تابوت کے اور کچھ نہ تھا۔ مگر سطح آب پر چودہ مختلف مقامات میں چودہ رنگین شعلے پیدا ہو گئے تھے دیوی فوراً ان کی طرف بڑھی اتنے میں جھیل کے پرلے کنارے ایک دوسرا سین نظر آیا۔ ہورس اور اس کے ساتھیوں نے ٹائفون سے جنگ شروع کر دی۔ میری عقل حیران تھی کہ پہلے کیا دیکھوں کیا سنوں۔ ایک طرف قرناؤں کا شور تھا۔ جنگجوؤں کے نعروں سے آسمان و زمین گونج رہے تھے اور اس غضب کی لڑائی ہو رہی تھی جس کے تماشے سے کسی طرح آنکھ اٹھانے کو دل نہ چاہتا تھا۔ دوسری جانب عجیب دلکش اور شیریں نغموں کی آوازیں آ رہی تھیں۔ ناچ و رنگ ہو رہا تھا۔ آئسس کو شعلہ ہائے آتشیں کے پاس اپنے شوہر کی لاش کے ٹکڑے مل گئے تھے اور وہ اپنا رنج و غم بھول کر اس کی خوشی میں ایک جشن طرب منا رہی تھی۔ ددہ یا تم اس وقت میرے ساتھ ہوتے تو بہت لطف اٹھاتے۔ میری زبان میں قدرت نہیں کہ ان پری جمال و نازک اندام مہ جبینوں کے عجیب و غریب ناچ کا حال بیان کر سکوں۔ کبھی تو وہ منتشر ہو جاتیں۔ کبھی ہجوم کر کے آپس میں مل جاتیں۔ اور دائرے دحلقے بناتیں کبھی نہایت ترتیب و قاعدہ کے ساتھ صف باندھ کر آمنے سامنے کھڑی ہو جاتیں۔ بعدہٗ یکا یک کوئی نیا طرز اختیار کرتیں اور اپنے رقص دلربانہ کے نئے نئے انداز و جلوے دکھاتیں۔ ان کا لباس نہایت باریک و پرتکلف اور کسی قدر ننگا تھا۔ ان کے شانوں کے درمیان پشت پر رنگ برنگ کے آئینے لگے تھے جن کی حرکت سے نیلگوں روشنی کی شعاعیں ان کے خوشنما جسموں پر پڑتی ہوئی اپنی چمک دمک سے آنکھوں کو خیرہ کرتی تھیں اور حالتِ سکون میں انکے ہوش ربا چہروں کا عکس انھیں آئینوں میں نظر آتا تھا۔

آئسس اپنے شوہر کی لاش کا آخری ٹکڑا ابھی ڈھونڈھ رہی تھی کہ

یکایک جھیل کے دوسرے کنارے سے ناقوس و سنکھ کا شور بپا ہوا اور فتح و ظفر کے نعرے بلند ہونے لگے۔ ہورس نے ٹائفون کو شکست دیدی اور اب اپنے باپ کو رہا کرنے کی غرض سے تحت الثریٰ کے سفر کو روانہ ہوا۔ یہ مسکنِ ارواح جھیل کے مغربی سمت واقع تھا جہاں ایک نہایت خونخوار دریائی بھینس کی مادہ اس کے دروازوں پر کھڑی ہوئی پہرہ دے رہی تھی۔ اتنے میں پھر نغمہ ہائے شیریں بلند ہوئے۔ باجوں کی نہایت دلکش آوازیں آنے لگیں۔ عطر آمیز خوشبوؤں دبخورات سے آسمان بس گیا۔ متبرک کنج پر ایک سُرخ روشنی پھیلنے لگی جو بڑھتے بڑھتے ایسی تیز ہوئی کہ روز روشن ہو گیا۔ تحت الثریٰ کا پھاٹک کھُلا ہوا ہورس اپنے باپ آسرس کا ہاتھ پکڑے ہوئے نمودار ہوا جس کے دیکھتے ہی آسس دوڑی اور اپنے پیارے شوہر سے جو دوبارہ زندہ ہو گیا تھا بہ انتہائے شوق و محبت بے تابانہ لپٹ گئی۔ اس نے اپنے فرزند کو بجائے شمشیر کے ایک کنول کا پھول انعام میں دیا۔ پھر اپنی سہیلیوں کے ساتھ مل کر ان دونوں پر بیشمار پھول و پھل نثار کرنے لگے۔ بعدہٗ آسرس ایک نہایت عالی شان شامیانے کے نیچے جس پر عشق پیچاں کی بیلیں لپٹی ہوئی تھیں جلوہ گر ہوا اور اس دنیا اور امنتی[۱] کی تمام روحیں اس کے سامنے آکر سجدہ کرنے لگیں۔

---

[۱] مصریوں کی امنتی جانب مغرب واقع تھی۔ اور جس طرح سورج مغرب میں غروب ہوتا ہے اُسی طرح مُردوں کی ارواح بھی اسی دنیا میں آتی تھیں۔ بطلیموسی زمانہ کے ایک کتبہ میں امنتی اور ٹڈیبز کو ایک ہی تصور کیا گیا ہے (ایبر)

قدیم مصریوں کا خیال تھا کہ دنیا چاروں طرف پہاڑوں سے گھری ہوئی ہے جس میں صرف دو سوراخ ہیں ایک مشرق اور دوسرا مغرب میں۔ مشرق والے سوراخ سے سورج ہر روز نکلتا ہے اور بوقت شب دوسرے سوراخ میں داخل ہو کر ایک کشتی میں سوار ہوتا ہے اور

یہاں تک کہہ کر دارا خاموش ہوگیا۔ رہوڈوفس بولی "ہم سب تمہارے بہت مشکور ہیں کہ ایسا دلچسپ واقعہ سُنایا اب ممکن ہو سکے تو اس کے معنے بھی بیان کرو کیونکہ اس عجیب و غریب ڈرامامیں ضرور کوئی دقیق راز مضمر ہوگا

دارا۔ آپ صحیح صحیح فرماتے ہیں مگر میں نیتھوتپ سے وعدہ کر چکا ہوں اس لئے افسوس ہے کہ تم اُسے کسی پر ظاہر نہیں کر سکتا"

رہوڈوفس۔ اچھا تو میری سمجھ میں جو اس کا مطلب آیا ہے[۱] سنئے "فیثاغورث

(بقیہ نوٹ صفحہ گذشتہ) ایک نئے عالم میں پہنچتا ہے جسے توئت یا امنتی کہتے ہیں۔ یہ درحقیقت اس دنیا کے نیچے نہیں ہے بلکہ اس کے باہر ہے۔ غرضکہ وہ بشکل دائرہ اس عالم کا چکر لگاتا ہوا اور پہاڑوں میں گھومتا ہوا پھر مشرقی درہ میں آتا ہے اور اپنی ایک دوسری کشتی پر سوار ہو کر جسے "سفینہ صدہا سال" کہتے ہیں آسمان کے بحر محیط پر سفر کرتا ہوا نمودار ہوتا ہے۔ (ولکنس)

[۱] ایک اور روایت بھی مشہور تھی وہ یہ کہ قدیم اور زمانۂ اولین میں آسرس جنوبی مصر کا بادشاہ تھا اس کا ایک توام بھائی سیت جو ایک دوسرے مقام کا حکمران تھا اس کی بیوی پر عاشق ہوگیا اسلئے ایک دن اس نے موقع پاکر آسرس کو پکڑ کر دریا میں غرق کر دیا۔ آسرس کی بیوی آسس ایک بڑی جادوگرنی تھی اُسے فوراً معلوم ہوگیا کہ اس کے شوہر کی لاش کہاں ہے۔ وہاں سے اُسے لے آئی اور ایک جگہ پوشیدہ کر کے دفن کر دیا۔ اتفاق سے ایک دن سیت شکار کھیلنے نکلا۔ اُسے وہ مقام معلوم ہوگیا اور اپنے دشمن کی لاش کے چودہ ٹکڑے کر کے تمام ملک میں منتشر کر دیئے۔ بعض کا یہ خیال ہے کہ حقیقت میں آسرس۔ وسیت جنوب وشمال مصر کے بادشاہ تھے۔ آخرالذکر نے حملہ کر کے اپنے دشمن پر غلبہ پایا اور اُس کے ملک کو چودہ صوبوں میں تقسیم کر دیا۔ غرض کہ جو کچھ بھی زمانہ مابعد میں آسرس کی پرستش کا بہت بڑا چرچا ہوا وہ مصریوں کا سب سے بڑا دیوتا تھا جس کا نام بھی زبان سے لینا گستاخی و بے ادبی تھا۔ (ولکنس)

اور انوفس کی گفتگو سے ظاہر ہوتا ہے کہ آسرس سے مراد زمین اور آسرس سے نمی و تری یا دریائے نیل ہے جو اُسے زرخیز بنا دیتا ہے ہورس موسم بہار ہے اور ٹائفون خشکی و یبوست کا دیو ہے جو رطوبت یعنی آسرس کا دشمن ہے اور تمام نباتات کو ہلاک و برباد کر کے ہماری بھوم ماتا کو اس کی قوتِ نامیہ سے محروم کر دیتا ہے اس لئے وہ بڑی بے چینی سے قطرۂ آب یا اپنے سیراب کرنے والے کو ڈھونڈھتی ہے اور ٹھنڈے و سرد شمالی ملک میں جہاں نیل کا دہانہ ہے اُسے پا لیتی ہے۔ ہورس جو نیچر کی شادابی و نشو و نما کا زمانہ ہے اب ظاہر ہو کر ٹائیفون یا خشک سالی سے مقابلہ کرتا اور اُس پر غالب آتا ہے۔ بعدہٗ وہ قوتِ نامیہ جو عارضی طور سے مفقود ہو گئی تھی یعنی آسرس تحت الثریٰ سے واپس آ کر اپنی بیوی یعنی زمین کے ساتھ پھر دریائے نیل کی زرخیز وادی پر حکومت کرنے لگتا ہے۔

دِدہ یا۔ (مسکرا کر) یہ عجب قسم کا زرخیزی کا دیوتا ہے جو تحت الثریٰ سے آتا ہے اور جس کے متعلق اس کہانی کے آخر میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ جنت و دوزخ دونوں کے باشندوں نے اس کی پرستش کی۔ معلوم نہیں کہ مصری اپنے مقام ارواح کو کیا کہتے ہیں۔

دارا۔ وہ اُسے اَمِنتی کہتے ہیں۔ میرے خیال میں یہ افسانہ نہ صرف مظاہرِ قدرت کے حیات و ممات کا استعارہ ہے بلکہ روح انسانی پر بھی صادق آ سکتا ہے۔ کیونکہ جب جسم مُردہ ہو جاتا ہے تو آسرس کی طرح اُس کی روح ہمیشہ زندہ رہتی ہے۔

دُدہ یا۔ میں آپ کے اس سمجھانے کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ کیونکہ اگر اتفاق سے اس ملک میں مرنے لگا تو یہ یاد کر کے تسکین ہو جائے گی کہ روح تو نہ مرے گی۔ واقعی آسرس کی سرگزشت کا تماشہ قابلِ دید ہے۔ اب آئندہ کوئی موقع ملا تو

خواہ کچھ ہو جائے مگر میں بھی اُسے دیکھنے جاؤں گا۔

رھوڈوفس۔ میرا ابھی یہی حال ہے اور گو بوڑھی ہوں مگر دُنیا کے نئے و عجیب باتوں کے دیکھنے کا شوق ابھی تک میرے دل میں موجود ہے۔

دارا۔ آپ ہمیشہ جوان رہیں گی۔ اب بھی آپ کا چہرہ ایسا ہی دلکش ہے جیسی آپ کی باتیں اور آپ کا دماغ ایسا ہی صاف اور روشن ہے جیسی آپکی آنکھیں۔

رھوڈوفس۔ (تجاہل عارفانہ سے) معاف فرمایئے گا۔ آنکھوں کا نام سُن کر مجھے کحال ننھچاری یاد آگیا۔ شاید میں پھر بھول جاؤں اس لئے اس کے متعلق آپ سے پوچھتی ہوں۔ اب تو میں کسی کی زبان سے اس کا نام ہی نہیں سُنتی۔ ملکہ کاسنڈانہ کی کیسی کچھ اس نے خدمت کی تھی۔

دارا۔ آپ کو نہیں معلوم؟ اُس غریب کا عجب حال ہوا۔ وہ ہماری فوج کے ساتھ تھا مگر دوران سفر میں اس نے ہر شخص سے ملنا جلنا ترک کر دیا تھا حتیٰ کہ اپنے ہم وطن انوفس سے بھی کبھی نہ بولتا تھا۔ صرف ایک اس کا بوڑھا ملازم جو ہمیشہ اس کے ساتھ رہتا سہتا اس کی خدمت کرتا تھا۔ مگر جنگ کے بعد اُس کی یہ حالت یکایک بدل گئی۔ وہ بادشاہ کی خدمت میں نہایت بشاش و خوش و خرم حاضر ہوا۔ اور اس سے ایک خاص مہربانی کا ملتجی ہوا یعنی اُسے بھی اپنے لشکر کے ساتھ سئیز تک لے چلے۔ اور وہاں پہنچکر جن دو آدمیوں کو وہ انتخاب کرے اُنھیں اُس کی غلامی میں دیدے۔ کمبوجیہ نے یہ خیال کرکے کہ اس کی ماں پر اس شخص کا بڑا احسان ہے یہ درخواست فوراً قبول کرلی اور اُسے پورا اختیار دے دیا۔ غرض کہ پایہ تخت اماسس میں جب ہم داخل ہوئے تو وہ سیدھا معبد نتنیھ گیا اور وہاں پہنچتے ہی اُس کے مہاپروہت اور ایک دوسرے کحال کو جو اس کا دشمن تھا گرفتار کرنے کا حکم دیا جب یہ دونوں اس کے سامنے لائے گئے تو بڑے غصہ سے اُن سے مخاطب ہو کر بولا

کہ تم ہی نے میرے تمام بیش بہا کتبے جلاکر نیست و نابود کر دیئے۔ اس کی سزا یہ ہے کہ اب میں تمہیں ایک ایرانی کے ہاتھ بیچوں گا تاکہ غیر ملک میں ہمیشہ کے لئے مدت العمر ذلیل و خوار رہو۔ میں اس وقت موجود تھا اور یہ تماشہ دیکھ رہا تھا مصری نے کچھ ایسے جوش غضب کے ساتھ اپنے دشمنوں کو یہ حکم سنایا کہ سچ کہتا ہوں میں بھی تھرّا گیا۔ جب وہ ختم کر چکا تو نیقوتپ نے جواب تک خاموش کھڑا تھا۔ بہ آہستگی یہ جواب دیا۔ بیوقوف شخص! اگر تو نے اپنے ملک کے ساتھ صرف اسی وجہ سے غداری کی تھی کہ تیرے چند کتبے و کاغذات جلا دیئے گئے۔ تو اس سے بڑھکر کوئی ظالمانہ حرکت و نادانی نہیں ہو سکتی۔ سُن! تیرے وہ تمام قیمتی کتبے و تصنیفات بالکل محفوظ ہیں۔ میں نے انھیں نہایت احتیاط کے ساتھ اپنے معبد میں رکھوا دیا ہے اور اُن کی ایک نقل بھی لیکر تھیبز کے کتب خانہ میں بھیجدی ہے۔ ہم نے سوائے تیرے باپ کے چند خطوط اور ایک پُرانے بیکار بکس کے اور کوئی چیز نہیں جلائی سامنتیک اور ہتمپن اس وقت موجود تھے اور ان دونوں نے بھی تمہاری تصانیف کو نہایت قدر سے دیکھا۔ اور نہایت افسوس کے ساتھ تمہارے بعض خانگی کاغذات جن کی وجہ سے ملک کو خطرہ تھا جلانے کا حکم دیا مگر اس کے صلہ میں اُنھوں نے تمہارے لئے بطور یادگار ایک عالی شان مقبرہ تعمیر کرایا۔ تم خود جا کر اُسے دیکھ سکتے ہو کہ اس کے در و دیوار پر کس خوبی کے ساتھ اُن تمام دیوتاؤں کی تصاویر بنائی گئی ہیں جن سے تمہیں خاص عقیدت تھی اور دیگر تصاویر جن کا تعلق خاص تمہاری تصانیف سے ہے اور نیز کتاب ارواح کا نہایت مقدس باب۔ یہ سب بڑے خرچ و محنت کے ساتھ اس عمارت پر کندہ و منقوش کرائے گئے۔ اور اس طرح تمہارے علم و فضل کی قدر و منزلت اور پوری عزت افزائی کی گئی۔"

یہ سُنتے ہی حکیم کا چہرہ زرد پڑ گیا۔ منہ پر ہوائیاں اُڑنے لگیں۔ اس نے پہلے

اُن دونوں کے ساتھ جا کر اپنے مقبرہ و کتبات کا معاینہ کیا پھر جب اُسے یقین ہو گیا تو دونوں کو فوراً آزاد کر دیا اور ایک دیوانہ شخص کی طرح لڑکھڑاتا بار بار اپنی پیشانی پر ہاتھ پھیرتا ہوا گھر واپس آیا۔ یہاں پہنچکر اس نے ایک وصیت نامہ لکھا اور اپنے پُرانے غلام ہیب کے نواسے کو اپنی جائداد کا وارث بنایا۔ بعدہٗ بیماری کا بہانہ کر کے وہ ایک پلنگ پر لیٹ گیا۔ دوسرے دن لوگوں نے اُسے مُردہ پایا۔ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی زہر ہلاہل یا شاید کچلہ کا عرق پی کر اُس نے خودکشی کر لی۔

کریسس۔ واقعی عجب حیرت انگیز موت ہوئی۔ اس غریب بدقسمت شخص کو دیوتاؤں نے دھوکہ دیا۔ اس نے اپنے ملک کے ساتھ جس وجہ سے دغا کی اس میں انتقام کے بجائے مایوسی و ناکامی حاصل ہوئی۔

رہوڈوفس۔ مجھے بھی اس کی حالت پر افسوس آتا ہے۔ دیکھیے اب ملّاح چپّو پانی سے نکال رہے ہیں۔ شاید ہم لوگ اپنی منزل پر پہنچ گئے۔ سامنے آپ کی تامجام اور رتھیں نظر آتی ہیں۔ یہ سفر واقعی نہایت دلچسپی کے ساتھ کٹا۔ خدا حافظ! نوکراتیس جلد آئے گا۔ میں سلوسن اور تھیوپمپوس کے ساتھ واپس جاتی ہوں میری طرف سے چھوٹی پرمیس کو بہت بہت پیار کرنا۔ اور اس کی دایہ سے کہنا کہ بچی کو زیادہ دھوپ میں نہ نے جائے یہ اس کی آنکھوں کیلئے مضر ہے۔ سلام

کریسس۔ خدا حافظ میرے پیارے بردیہ"

ایرانی جہاز سے اُتر کر ساحل پر پہنچے۔ بردیہ نے پیچھے مُڑ کر کسی کو دیکھنا چاہا کہ اتفاق سے اُس کا پیر پھسلا اور وہ زمین پر گر پڑا۔ دُدہ یا جلدی سے اُس کی مدد کے لئے بڑھا مگر اتنے میں وہ سنبھل کر کھڑا ہو گیا تھا۔ دُدہ یا کے چہرہ پر فکر و تردد کے آثار نمایاں ہو گئے اور اس نے بردیہ سے کہا:-

"بردیہ ذرا ہوشیار رہنا۔ ساحل پر اُترتے وقت گرنا نہایت منحوس ہے

میں بھی جب نو کراتیس پہنچا تھا تو اسی طرح میرے پیروں میں بھی لغزش ہوئی تھی"!

باب تیسواں ۳۰

نشانہ بازی

اسی زمانہ میں سفیر شاہی یعنی پرکز اسپ جسے کمبوجیہ نے ملک حبش کے حالات دریافت کرنے بھیجا تھا واپس آگیا۔ اُس نے وہاں کے باشندوں کے قد و قامت۔ جسامت و توانائی کی بہت تعریف کی۔ ان کے ملک کے راستہ کو ایک بڑی فوج کے لئے ناقابلِ گذار بتایا۔ اور اور بہت سے عجیب و غریب حالات بیان کئے۔ اہل حبش کا قاعدہ تھا کہ اپنی قوم کے سب سے زیادہ وجیہ و قوی ہیکل شخص کو بادشاہ بناتے تھے اور اس کی نہایت صداقت و وفاداری کے ساتھ اطاعت کرتے تھے۔ ان لوگوں کی عمریں بہت بڑی ہوتی تھیں۔ اور ایک سو بیس سال یا اس سے بھی زیادہ زندہ رہنا کوئی غیر معمولی بات نہ سمجھی جاتی تھی۔ ان کی غذا اُبلا ہوا گوشت اور تازہ دودھ تھا۔ وہ ایک ایسے چشمہ میں نہاتے تھے جس کے پانی سے بنفشہ کی خوشبو آتی تھی اور ایسا ہلکا تھا کہ لکڑی ڈالتے ہی فوراً ڈوب جاتی تھی۔ اس میں غسل کرنے سے جسم نہایت چکنا و ملائم ہو جاتا تھا۔ یہ لوگ اپنے قیدیوں کو سونے کی بیڑیاں پہناتے تھے کیونکہ اور قسم کی دھاتیں ان کے ملک میں شاذ و نہایت گراں تھیں۔ وہ اپنے مُردوں کے جسم پر کھریا مٹی پوت کر ایک قسم کی چمکدار شیشہ نما سیال شے اوپر سے لگا دیتے تھے اور ایک ستون کی شکل بنا کر اپنے

گھر میں ایک سال تک اُس کی نذر و نیاز کرتے تھے۔ بعدہٗ یہ تابوت بالترتیب قطار در قطار[1]
میں شہر کے گرد نصب کر دیتے تھے۔ اس ملک کے بادشاہ کے سامنے ایرانی تحائف
پیش کئے گئے تو انھیں دیکھ کر اس نے اپنی سخت حقارت و نفرت کا اظہار کیا اور کہا کہ
مجھے خوب معلوم ہے کہ کمبوجیہ نے یہ دوستی اور اتحاد کی غرض سے نہیں بھیجی ہیں بلکہ میری
مملکت کے حالات دریافت کرنا مقصود ہیں۔ اگر فرمانروائے ایشیا عاقل و انصاف پسند
ہے تو اُسے اپنے ہی ملک پر قناعت کرنا چاہیئے اور دوسری قوم کو جس نے اُسے کوئی
نقصان نہیں پہنچایا ہے مغلوب کر کے اپنا غلام بنانے کی ہوس دل میں نہ لانا چاہیے
اس کے بعد سفیر کی طرف مسکرا کر اس نے نہایت طنز آمیز لہجہ سے کہا" میں ایک کمان
تمہیں دیتا ہوں اسے اپنے بادشاہ کو میری طرف سے نذر کرنا اور کہنا کہ جب تک
ایرانی ہماری طرح اس قسم کی کمانوں کو جھکانے کے قابل نہ ہو جائیں گے انھیں لازم ہے
کہ اپنے ہی گھروں میں بیٹھے رہیں۔ اور ہمارا مقابلہ کرنے کی خواہش دل میں نہ لائیں
کمبوجیہ کو شکر کرنا چاہیئے کہ ہماری قوم کو ابھی تک غیر ممالک کی تسخیر کا خیال نہیں
ہوا ہے" پرکزاسپ نے جو اس کمان کو اپنے ساتھ لایا تھا بادشاہ کے سامنے اُسے
پیش کر کے سب حال کہہ سنایا۔ کمبوجیہ حاکم حبش کا غرور آمیز پیام و لاف و گزاف
سُنکر بہت ہنسا۔ اور سفیر کو اُس کے حُسنِ خدمت کے صلہ میں بیش بہا انعام عطا فرماکر
اس نے تمام اُمرا کو حکم دیا کہ دوسرے دن ایک جگہ جمع ہو کر اپنی زور آزمائی کے جوہر
دکھائیں۔ بعدہٗ حسب معمول شراب کے نشہ میں مخمور اپنی خوابگاہ چلا گیا۔ وہ رات اسے
نہایت بے چینی سے کٹی۔ اُس نے خواب میں دیکھا کہ بردیہ تخت ایران پر جلوہ افروز
ہے اور اس کا سر اس قدر بلند ہے کہ آسمان تک پہنچتا ہے۔ اس خواب کی تعبیر کے لئے
کسی موبد و کلدانی کی ضرورت نہ تھی۔ پہلے تو اُسے بہت غصہ آیا۔ پھر سوچنے لگا اور

[1] ماخوذ از مورخ ہیرڈوٹس (ہیرا)

گذشتہ واقعات پر غور و خوض کر کے دل میں کہنے لگا اگر برہ دیہ کو میری طرف
سے عناد و کینہ ہے تو اُسے کس نے پیدا کیا؟ بے شک میرا ہی قصور ہے۔ کیا
اس کے دل سے محو ہو سکتا ہے کہ میں نے ہی اُسے قید میں ڈالا تھا اور باوجود
بے گناہ ہونے کے اُسے سزائے موت کا مستوجب ٹھہرایا تھا اب میں اُسکے
خلاف ایک اُنگلی بھی اُٹھاؤں تو یقیناً میرے ہی خاندان والے سب اُس کی طرفداری
کو آمادہ ہو جائیں گے۔ میں نے اُن کے ساتھ کونسا ایسا اچھا برتاؤ کیا ہے کہ اپنے
بھائی کے مقابلہ میں ان کی الفت و وفاداری کی توقع کروں۔ یا کبھی آئیندہ اُنسے کوئی
امید رکھوں۔ نیتیتیس کی وفات اور فنیس کے رخصت ہونے کے بعد اب دُنیا میں
کون رہ گیا ہے جو قابل اعتبار و میرا سچا بہی خواہ ہو۔ ان خیالات نے اُسے اس پیچ و تاب
میں ڈالا کہ اپنے پلنگ سے گھبرا کر اُٹھ بیٹھا اور چلا کر کہنے لگا "دوستی و محبت کو مجھ سے کچھ
سروکار نہیں اور نہ میں اب ان فضول جذبات کی کچھ پرواہ کرتا ہوں۔ دوسرے ان سے فائدہ
اُٹھائیں۔ میں اپنی درشتی و سختی پر قائم رہوں گا۔ ورنہ وہی لوگ جو میری سزاؤں سے ڈرتے
اور میرے انصاف سے نفرت کرتے ہیں مجھے کمزور دیکھ کر اپنے داؤں کھیلیں گے
اور مجھ پر قابو پانے کی کوششیں کریں گے۔ یہ میرے سامنے تو چاپلوسی اور خوشامد
کرتے ہیں مگر غیبت میں مجھے گالیاں و صلواتیں سُناتے ہونگے۔ اب تو اہرمز بھی میرے
خلاف معلوم ہوتا ہے کیونکہ نہ صرف اُس نے میرے سچے خیر خواہ و محب مجھ سے
جدا کئے بلکہ مجھے اولاد اور جنگی ناموری سے بھی محروم کر دیا۔ کیا برہ دیہ مجھ سے اس قدر
زیادہ افضل و برتر ہے کہ اُسے اس دنیا کی تمام نعمتیں حاصل ہوں اور مجھے کچھ
بھی نہیں۔ محبت، دوستی، عزت و اولاد سب اُسی کے حصہ میں جائے اور میں یونہی
ناکام و نامراد رہوں۔ تاہم حکومت ابھی تک میرے قبضہ میں ہے میں ہی مالک
و بادشاہ ہوں اور بہت جلد اس احمق کو بتا دوں گا کہ ہم دونوں میں کون زیادہ طاقتور

وصاحب قدرت ہے۔ اس ملک میں صرف ایک ہی سب پر بالا و برتر ہو سکتا ہے۔
وہ یا میں۔ میں یا وہ۔ بہتر یہ ہے کہ وہ مجھ سے دور ہی رہے۔ میرا ارادہ ہے کہ چند
دنوں بعد اُسے باختر کا ستریپ مقرر کر کے ایشیا روانہ کر دوں۔ وہاں وہ آرام سے
اپنی بیوی کے نغمہ و سرود سُنے اور اپنے بچے کو گلے سے لگائے پھرا کرے۔ میں
حبش پر فوج کشی کر کے شہرت دوام حاصل کرونگا۔ (خادم سے) ہمارا لباس لاؤ۔
اور جام شراب حاضر کرو۔ میں ایرانیوں کو بتاؤں گا کہ ان گستاخ حبشیوں کو کس
طرح زیر کرتے ہیں اور میری تیر اندازی کے سامنے وہ کیسے مجوب ہوتے ہیں۔ ایک
جام اور لانا۔ بھلا مجال ہے کہ کمان مجھ سے نہ جھکے۔ اگر وہ مضبوط سے مضبوط لکڑی
کی بھی ہو اور اُس کے تار موٹے لوہے کے ہوں لیکن میرے سامنے بچوں کا
کھیل ہے۔"

یہ کہہ کر شراب کا ایک بہت بڑا جام مُنہ کے قریب لایا اور ایک ہی گھونٹ
میں چڑھا گیا اور اپنے زور بازو پر اکڑتا ہوا اپنی طاقت پر گھمنڈ کرتا محل کے باغات میں آیا
جہاں وہ سردار جو اُس کے منتظر تھے دیکھتے ہی بہت جُھک کر آداب بجا لائے اور
نعرہ ہائے خوشی سے مرحبا کہنے لگے۔ یہاں درختوں کے کنج و جھاڑیوں کے درمیان
بکثرت ستون نصب کئے گئے تھے جن میں سُرخ ڈوریاں بندھی تھیں اور زرد۔
سبز اور نیلگوں کپڑے سونے و چاندی کی چھلوں سے لٹکے ہوئے ہوا میں اُڑ رہے
تھے۔ متعدد رنگین و زریں بنچیں جن پر آرام دہ گدے بچھے تھے بشکل دائرہ ایک طرف
بچھی تھیں اور ہوشیار و تیز گام ساقی شرابوں کے جھلکتے ہوئے جام ہاتھوں میں
لئے ہوئے حاضرین جلسہ کے سامنے جو آج اپنی اپنی زور و قوت کے کرشمے
دکھانے جمع تھے۔ پیش کر رہے تھے۔ بادشاہ کا ارشاد ہوتے ہی تمام سرداران
ہخامنش کھڑے ہو گئے۔ اس نے ان کی صفوں پر نگاہ ڈالی اور دل میں بہت

خوش ہوا کہ اس کا بھائی بردیہ موجود نہ تھا۔ بعد ازاں پرکزاسپ نے آداب بجالا کر حبشی کمان اس کے سامنے پیش کی اور نشانے کی طرف جو کچھ فاصلہ پر نصب کیا گیا تھا اشارہ کیا۔ کمبوجیہ کمان دیکھ کر بہت ہنسا اور اپنے داہنے ہاتھ میں لے کر اس کے وزن کا اندازہ کرنے لگا۔ پھر اُمرا سے مخاطب ہوا کہ اب اپنی اپنی تیر اندازی کے جوہر دکھائیں۔ سب سے پہلے معمر گستاسپ نے جو اس مجمع میں سب سے زیادہ سربرآوردہ تھا قسمت آزمائی کی۔ بعدہٗ چھ بڑے بڑے امرا نے یکے بعد دیگرے اُسے جھکانے کی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہوئے۔ بادشاہ جو شراب کے جام وقدح پہ قدح چڑھا رہا تھا یہ کیفیت دیکھ کر نہایت مسرور ہوا۔ آخر کار اب دارا کی باری آئی وہ اپنی تیر اندازی میں مشہور تھا حبشی کمان کو ہاتھ میں لیکر اُس نے بھی بڑی زور آزمائی کی مگر باوجود حد درجہ کوشش کے اُسے خم نہ کر سکا کمبوجیہ کو اب اور بھی مسرت ہوئی اور دارا کی طرف دیکھ کر مُسکرانے لگا۔ پھر اپنی کامیابی پر پورا یقین کر کے بآواز بلند بولا "دارا۔ اب یہ ہتھیار میرے حوالہ کرو تمہیں بہت جلد معلوم ہو جائے گا کہ ایران میں صرف ایک ہی شخص ہے جو شہنشاہی کے لقب کا سزاوار ہے۔ صرف وہی اہل حبش کو شکست دینے کی قدرت رکھتا ہے اور ان کی کمان کو بہ آسانی جھکا سکتا ہے۔" یہ کہہ کر اس نے اپنے زبردست ہاتھوں میں کمان اُٹھائی۔ اس کا سیاہ آبنوسی دستہ بائیں ہاتھ اور اس کا تانت جو شیر کی آنتوں کا تھا داہنے ہاتھ سے پکڑا۔ پھر اپنا قدم زمین پر جما بیٹھ جھُکائے دم روک کر اُسے کھینچنے کی کوشش کی اور اس قدر زور کیا کہ بدن کی تمام مچھلیاں کھڑی ہو گئیں پٹھے چرچرانے لگے نسیں پھٹنے لگیں۔ پیشانی کی رگیں پھول گئیں اور جسم پسینہ پسینہ ہو گیا مگر وہ کمبخت کمان نہ جھکنا تھی نہ جھکی۔ اس طرح پندرہ بیس منٹ کی غیر معمولی قوت وزور آزمائی کے بعد اس کا دم چڑھنے لگا۔ طاقت جواب دینے لگی اور

کمان جسے وہ صرف دارا کے برابر جھکا سکا تھا اُچھل کر سیدھی ہو گئی۔ آخرکار بالکل تھک کے عاجز ہوا تو انتہائے غصہ اور جھنجلاہٹ کے ساتھ اُسے زمین پر پھینک کر چلایا "وہ حبشی جھوٹا و دغا باز ہے۔ کوئی انسان آج تک اُسے نہ جھکا سکا ہے جو کام میرے بازوؤں سے نہیں ہو سکتا کسی دوسرے کی مجال نہیں کہ اسے انجام دے سکے۔ تین دن بعد اس بدذات قوم کو سزا دینے کے لئے میری فوج روانہ ہو گی اور وہاں پہنچ کر میں اُس کے بادشاہ کو تن تنہا لڑنے کے لئے بلاؤنگا۔ پھر دیکھوں کون زیادہ طاقتور ہے۔ پرکزاسپ یہ کمان اٹھا کر احتیاط سے اپنے پاس رکھ لے کیونکہ میں اس کی مضبوط تانت سے اسی سیاہ فام دروغ گو کا گلا گھونٹوں گا۔ اِس کی لکڑی واقعی لوہے سے بھی زیادہ سخت ہے جو شخص اسے جھکا دے اُسے بیشک میں اپنا اُستاد مانوں اور اپنے آپ سے افضل و برتر سمجھوں گا۔" مشکل سے یہ الفاظ ختم ہوئے تھے کہ شہزادہ بردیہ حلقہ امرا میں نمودار ہوا۔ اس کے سڈول جسم پر ایک نہایت چست و خوشنما لباس زیب دے رہا تھا اور اس کا چہرہ بھی ایک غیر معمولی جوش و فخر سے اس وقت چمک رہا تھا جب وہ سرداران ہخامنش کی صفوں کے سامنے سے گذرا تو سب اس کی آن بان دیکھ کر دنگ ہو گئے اور جھک کر آداب بجالائے۔ بردیہ نے نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ ہر ایک کو جواب دیا اور سامنے آکر بڑے ادب سے اپنے بھائی کے دامن کا بوسہ لیا اور کہنے لگا "میرے مہربان آقا! میرے بزرگ بھائی! مجھے کچھ دیر ہو گئی ہے۔ معاف فرمائیے گا۔ یا شاید عین وقت پر حاضر ہوا ہوں، مجھے نشان پر کوئی تیر نظر نہیں آتا اس لئے یقین ہے کہ حضور والا نے جن کا ہمسر دنیا میں کوئی نہیں ہے ابھی تک اپنی تیر اندازی کے جوہر نہیں دکھائے۔ حضور کسی قدر چیں بجبیں معلوم ہوتے ہیں۔ سچ عرض کرتا ہوں کہ میری تاخیر کا سبب ہمارا چھوٹا

بچہ ہے۔ جو آج ہی پہلے دفعہ مسکرایا تھا اور اپنی ماں کی گود میں ایسے تماشے کرنے لگا کہ مجھے اس نشانہ بازی کا خیال جاتا رہا۔ حضور اس بیوقوفی پر ہنسیں گے مگر میرے پاس سوائے اس کے اور کوئی عذر نہیں ہے۔ دیکھئے وہ ایسا شریر ہے کہ میری زنجیر کا ستارہ بھی اسی نے توڑ ڈالا مگر مجھے اپنے عزیز بھائی کی الفت وشفقت سے پوری امید ہے کہ آج یہ بازی جیت گیا تو اس کے صلہ میں ایک دوسرا عطا فرمائیں گے۔ اگر حکم ہو تو میں کمان ہاتھ میں لوں یا حضور پہلے تیر ماریں گے؟"

کمبوجیہ۔ (بھائی کی طرف سے منہ موڑ کر) "ہرگز اسپ یہ کمان مانگتا ہو دیدے۔"

بردیہ۔ کمان ہاتھ میں لیکر اس کی لکڑی وتانت کو آزمانے کا قصد کر رہا تھا کہ بادشاہ نے تمسخرانہ لہجہ میں ہنس کر کہا "متھرا کی قسم! شاید تو سمجھتا ہے کہ جس آسانی سے لوگوں کے دل لبھا لیتا ہے اسی طرح یہ دھنک بھی قابو میں آجائے گی۔ جا۔ جانے دے اسے رکھ دے۔ یہ بھی عورتوں اور بچوں کا کوئی کھلونہ ہے؟ جس نے بڑے بڑے سورماؤں کے چھکے چھوٹ یانی کر دیئے وہ بھلا تجھ سے جھکے گی؟"

یہ تلخ آمیز الفاظ سنتے ہی بردیہ کا چہرہ مارے غصہ کے سرخ ہو گیا۔ اس نے فوراً جھک کر ایک مضبوط وبھاری تیر جو سامنے پڑا ہوا تھا اپنے ہاتھ میں اٹھایا۔ پھر نشانہ کی طرف نگاہ جمائی اور اپنی غیر معمولی قوت سے کام لیکر کمان کا تانت کھینچنا شروع کیا اور اس قدر کھینچا کہ آخر کار وہ جھک گئی اور تیر کی آہنی نوک نشانہ کے مرکز پر پڑتے[ف۱] ہی آر پار ہو گئی۔ مگر ساتھ ہی کمان بھی دو ٹکڑے ہو کر زمین پر

ف۱ - فردوسی اپنے شاہ نامہ میں تیر اندازی کا ایک سین بیان کرتا ہے جو اگرچہ جنگ سے متعلق ہے مگر یہاں لکھ دینا بھی خالی از دلچسپی نہ ہوگا۔

خدنگے بر آورد پیکاں چو آب
نہادہ براد چار پر عقاب

بمالید چاچی کماں را بدست
بچرم گوزن اندر آورد شست

گر گئی۔ اس عجیب و غریب قوتِ خدا داد کا تماشہ دیکھتے ہی حاضرین نے ایک ایسا نعرۂ خوشی بلند کیا کہ آسمان و زمین گونج اُٹھے مگر جو لوگ عقلمند و دور اندیش اور اپنے جوانمرد فاتح کے سچے دوست تھے اُن کے چہرے زرد پڑ گئے اور چُپ چاپ کبھی تو بادشاہ کی غضبناک صورت دیکھنے کبھی بردیہ کی ناعاقبت اندیشی پر کفِ افسوس ملنے لگے۔

کمبوجیہ کی حالت ناقابلِ بیان تھی۔ معلوم ہوتا تھا کہ وہ تیر نشانہ پر نہیں بلکہ اُسی کے دل پر لگا اور ایک لحظہ میں اس کی عزت و بزرگی و جاہ جلال کو خاک میں ملا دیا۔ اس کی آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے اس کے کان گونج رہے تھے۔ دل میں ایک سخت طوفان بپا تھا رخسارے سُرخ تھے اور اُس کا داہنا ہاتھ بار بار پرگزاسپ کے بازو کو زور زور سے دباتا تھا۔ سفیر جو قریب ہی کھڑا تھا اپنے آقا کے اس اشارہ سے بخوبی واقف تھا اور دل ہی دل میں کہہ رہا تھا کہ غریب بردیہ اب تیری خیر نہیں ہے۔ آخر کچھ دیر بعد بادشاہ نے اپنی طبیعت پر بڑی انتہا ضبط کر کے نہایت رُکھائی اور خاموشی کے ساتھ بھائی کی طرف بطور انعام ایک طلائی زنجیر پھینک دی۔ پھر امراء کو پیچھے آنے کا حکم دیا اور خود باغ سے نکلتا ہوا اپنے کمرے میں داخل ہوا اور وہاں مضطربانہ ٹہلنے لگا اور اپنے غصہ و رنج کو جامِ شراب سے بہلانے لگا۔ یکایک ایک خیال اس کے دل میں پیدا ہوا۔ اس نے فوراً اپنے تمام درباریوں کو سوائے پرگزاسپ کے باہر نکل جانے کا

(بقیہ نوٹ صفحہ گذشتہ)

ستوں کرد چپ را و خم کرد راست | خروش از خمِ چرخ چاچی نخواست
چو سوفارش آمد بہ پہنائے گوش | ز چرمِ گوزناں برآمد خروش
چو پیکاں بہ بوسید انگشتِ او | گذر کرد از مہرۂ پشتِ او

حکم دیا اور جب تنہا رہ گیا تو آنکھیں نکال کر بھرائی ہوئی آواز سے سفیر کا بازو پکڑ کر کہنے لگا میں اب اس سے زیادہ برداشت نہیں کر سکتا۔ مجھے اس دشمن سے کسی طرح نجات دلا پر کرز اسپ تیرا بڑا احسان ہوگا۔"

سفیر تھر تھر کانپنے لگا۔ اپنے آقا کے قدموں پر گر پڑا۔ اور دونوں ہاتھ اوپر اٹھا کر نہایت منت و عاجزی سے کچھ کہنے لگا۔ مگر کمبوجیہ کو حسد و غصہ نے ایسا اندھا کر دیا تھا اور وہ شراب کے نشہ میں ایسا مدہوش تھا کہ سفیر کی التجا کا مطلب نہ سمجھ سکا بلکہ اس نے خیال کیا کہ شاید وہ اپنی اطاعت و فرمانبرداری کا اظہار کرنا چاہتا ہے اور آواز اس قدر دھیمی کر کے گویا خود اپنے الفاظ کے سننے سے خائف ہے بولا "خبردار۔ نہایت ہوشیاری و احتیاط سے کام لینا۔ سوائے ہم دونوں کے اور کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو۔ اگر تجھے اپنی جان عزیز ہے تو اب چلا جا اور اپنا کام کر جس کے صلہ میں تجھے دولت و ثروت سے مالا مال کر دونگا۔ مگر یاد رکھ وہ بڑا طاقتور و دلیر ہے اور لوگوں کو جلد اپنا گرویدہ بنا لیتا ہے اگر تو بھی اُس کے باتوں میں آگیا تو سمجھ لینا تیری بیوی بچوں کی خیر نہیں ہے۔" یہ کہہ کر شراب کا ایک اور لبالب جام چڑھا گیا۔ پھر جھومتا لڑکھڑاتا ہوا کمرے کے باہر نکلا۔ اور پر کرز اسپ کی طرف پشت کئے اپنی دونوں مُٹھیاں زور سے دبائے بھرائی ہوئی آواز سے بولا۔ گویا خود اپنے آپ سے مخاطب ہے "یہ عورتوں کا چھیلا۔ قسمت کا دھنی۔ میری عزت و آبرو غصب کرنے والا۔ اگر زندہ بچ گیا تو یاد رکھ تجھی سے بدلہ لوں گا اور تیرے کل خاندان کو نیست و نابود کر دونگا۔"

بادشاہ کے چلے جانے کے بعد ایک عرصہ تک پر کرز اسپ دم بخود سکتہ کے عالم میں جہاں تھا وہیں کھڑا رہ گیا وہ ایک ذی حوصلہ اور خود غرض شخص تھا مگر کمینہ نہ تھا اس لئے اس ظالمانہ حکم کی بجا آوری سے حد درجہ ناخوش و

دل برداشتہ ہوا- وہ یہ بھی جانتا تھا کہ اگر بادشاہ کی اُس نے ذرا بھی نافرمانی کی تو انتہائی ذلت وخواری وموت اُس کے سامنے موجود ہیں مگر ساتھ ہی بردیہ سے بھی اُسے نہایت الفت تھی اور اُسے بے گناہ قتل کرنا ہرگز گوارا نہ تھا۔ محل سے رخصت ہونے کے بعد ایک عرصہ دراز تک انھیں خیالات کا ایک عجیب طوفان اُسکے سینہ میں موجزن رہا- راستہ میں اُسے کریسس و دارا ملے جنھیں دیکھتے ہی وہ ایک مکان کی آڑ میں چھپ گیا اور سمجھا کہ کہیں اس کی صورت سے وہ اسکے رازِ دل سے واقف نہ ہو جائیں- جب وہ دونوں قریب سے گذرے تو اس نے کریسس کو یہ کہتے سُنا "دیں نے بردیہ کو اُس کی احمقانہ حرکت پر بہت ملامت وسرزنش کی ہے- بادشاہ اپنے غصہ میں معلوم نہیں اس وقت کیا کا کیا کر دیتا مگر دیوتاؤں کا شکر ہے کہ بظاہر یہ بلا ٹل گئی- بردیہ اب میری رائے پر عمل کر کے مع اپنے بیوی کے سئیز روانہ ہو گیا- چند روز تک اُسے بادشاہ کے سامنے ہرگز نہ آنا چاہیئے کیونکہ شاید اُسے دیکھتے ہی پھر اُس کا غصّہ تازہ ہو جائے جس کا نتیجہ نہایت خراب ہوگا- تم جانتے ہی ہو کہ حاکمِ وقت کی خوشامد کے لئے اکثر لوگ ذلیل سے ذلیل حرکت کرنے پر........" دونوں اب دور نکل گئے تھے اس لئے باقی ماندہ الفاظ سُنائی نہیں دیئے مگر پرگزاسپ کے دل میں چور تھا وہ سخت گھبرایا کہ کہیں کریسس اس پر تو شبہ نہیں کرتا- اس نے عہد کر لیا کہ چاہے جو کچھ ہو مگر وہ اپنے پیارے دوست بردیہ کے خون سے ہرگز دامن آلودہ نہ کرے گا- اور شرافت وصداقت کو موت پر ترجیح دیگا- اسی خیال میں وہ اپنے گھر پہنچا- یہاں دروازے کے باہر اُسے اپنے دو خُرد سال لڑکے نظر آئے جو کھیل کے میدان سے ابھی واپس آئے تھے اور دیگر سردارانِ ہخامنش کے لڑکوں کی طرح فوجِ شاہی کے ہمراہ تھے بچّے اپنے باپ کو دیکھتے ہی پدر پدر

کہتے ہوئے اس کے پیروں سے لپٹ گئے۔ سفیر نے انھیں اپنے سینہ سے لگالیا اور اپنی الفت کا اس غیر معمولی طریقہ سے اظہار کیا جس کا سبب خود اُس کی سمجھ میں نہ آیا۔ پھر جب گھر کے اندر داخل ہوا تو اُس کی سب سے پیاری بیوی اپنی شیر خوار بچی سے کھیل رہی تھی یہ دیکھتے ہی اُس کا دل اُمنڈ آیا لیکن بہت ضبط کیا۔ تاکہ بیوی کو کچھ شبہ نہ ہو۔ فوراً اپنے کمرے میں چلا گیا۔ اب رات ہوگئی تھی۔ پیر کرز اسپ پلنگ پر لیٹا ہوا بڑی بے چینی سے کروٹیں بدل رہا تھا اُسے اپنی اولاد کی محبت اور یہ اندیشہ کہ بادشاہ کی حکم عدولی سے ان پر کیا کیا مصیبتیں نازل ہونگی اس قدر دامنگیر ہوا کہ رفتہ رفتہ اس کے نیک ارادوں میں کمزوری آنے لگی۔ اور کریسیس کے وہی الفاظ جو ابھی تھوڑی دیر ہوئی اس کے شریفانہ جذبات ہیجان میں لائے تھے اب اُلٹا اثر کرنے لگے ”بادشاہ کے لئے اکثر لوگ ذلیل سی ذلیل حرکت کرنے پر تیار ہو جاتے ہیں“ اس سے یقیناً اُس کی عزت و شرافت پر حرف آتا ہے لیکن میں نے انکار بھی کر دیا تو کیا فائدہ؟ اور سینکڑوں لوگ اُسے کرنے کے لئے بخوشی تیار ہو جائیں گے“ یہ بات اُسکے ایسی ذہن نشین ہوئی کہ رحم و انسانیت غائب ہونے لگی۔ وہ اپنے پلنگ سے اچھل کر کھڑا ہو گیا اور ان مختلف خنجروں کو جو خوابگاہ کی دیوار پر سجے ہوئے تھے اُٹھا اُٹھا کر غور سے دیکھنے لگا اور ایک جو سب سے زیادہ تیز تھا اُسے پسند کر کے اپنے تکیہ کے نیچے حفاظت سے رکھ لیا۔ پھر اُس کے دل نے دوبارہ ملامت کی۔ اسے ایک عجیب پریشانی و خلجان پیدا ہوا۔ تھوڑی ہی دیر ہوئی کہ لیٹا تھا مگر پھر اُٹھ بیٹھا اور دیکھنے لگا کہ صبح کب ہوتی ہے جو اُسے اس مصیبت و سوہان روح سے نجات حاصل ہو۔ آخر کار اسی اضطراب میں شب سیاہ رو رخصت ہوئی اور سپیدۂ صبح نمودار ہوا۔ سب سے پہلے اُس کے کان میں اُس گھڑیال کی آواز آئی جو امیرزادوں کی نماز و عبادت کے لئے بجتا تھا اُسے معاً اپنے بچوں کا

خیال آیا اور خنجر اُٹھا کر پھر اُس کی دھار آزمانے لگا۔ بعد ازاں درباریوں کا ایک غول جو قصر شاہی کی طرف جا رہا تھا اس کے مکان کے سامنے سے گذرا۔ انہیں دیکھتے ہی اُس نے اپنی پیٹی باندھ کر خنجر کھونسا۔ اتنے میں زنان خانہ کے اندر سے اس کے سب سے چھوٹے بچے کے ہنسنے و کھیلنے کی آواز آئی تو فوراً مستعد ہو کر اُس نے اپنا خود سر پر رکھا اور بلا اپنی بیوی سے رخصت ہوئے چند غلاموں کو ساتھ لیکر دریائے نیل کے ساحل کا رُخ کیا اور وہاں پہونچتے ہی ایک کشتی میں بیٹھ کر ملاحوں کو حکم دیا کہ بہت جلد سئیز روانہ ہوں۔

بردیہ گزشتہ واقعات کے بعد ہی کری سس کی ہدایت پر عمل کر کے فوراً اپنی بیوی وغیرہ کو لیکر سئیز روانہ ہو گیا تھا۔ یہاں رہوڈوفس موجود تھی وہ نوکراٹیس جانے والی تھی مگر کچھ خیال اس کے دل میں آیا اور ارادہ فسخ کر کے سئیز چلی آئی۔ پچھلے سفر میں بردیہ جہاز سے اُترتے وقت زمین پر گر پڑا تھا اور رہوڈوفس نے اُس کے بائیں جانب سے ایک اُلّو کو بھی اُڑتے ہوئے دیکھا تھا یہ دونوں باتیں بڑی بدشگون تھیں اس لئے اس کا دل بے چین تھا اور اپنے پیاروں سے ایک لحظہ کے لئے بھی جدا ہونا نہ چاہتی تھی وہ رات اُسے سخت پریشانی میں کٹی اور بہت بُرے بُرے خواب نظر آئے تھے۔ صبح اُٹھتے ہی اُس نے قصد مصمم کر لیا کہ اب سئیز سے نہ جاؤں گی اور دہیں اُن دونوں کا انتظار کروں گی۔ سافو اور بردیہ معمر خاتون کی اس اچانک موجودگی سے بہت خوش ہوئے اور جب وہ پریسیں کو اچھی طرح پیار کر چکی تو اُسے محل کے وہ کمرے دکھانے لے چلے جو اُن کے رہنے کے لئے مخصوص تھے۔ یہ وہی کمرے تھے جن میں بدنصیب تاشو نے اپنی زندگی کے آخری دن کاٹے تھے۔ ان میں بہت سا ایسا سامان اب بھی موجود تھا جن سے نہ صرف متوفہ کی جنبش و عمر کا بلکہ اُس کے مذاق و خیالات کا بھی پتہ لگتا تھا۔ مثلاً سنگار میز پر سُرمہ دانیاں۔ ہاتھی دانت کی کنگھیاں۔

غازہ رکھنے کی ڈبیاں - روغن وعطریات کی شیشیاں اور دو چھوٹی صندوقچیاں تھیں - ان میں سے ایک کی شکل بالکل دریائی بط کی تھی اور دوسری جس میں شہزادی اپنے بیش بہا جواہرات رکھتی تھی اُسکے ڈھکنے پر ایک بانسری بجانے والے کی نہایت خوشنما تصویر منقش تھی - قریب ہی ایک مجلّا وچمکدار دھات کا آئینہ تھا جس کا خوشنما دستہ ایک خوابیدہ لڑکی کی شبیہ تھا - کبھی اس میں ایک پری جمال شہزادی اپنی صورت کا عکس دیکھتی تھی مگر اب وہ گرد وغبار سے آلودہ تھا - اسی کمرے میں ایک نہایت خوبصورت مسہری بھی تھی جسکے پائے شیر کے پنجوں کے تھے اور اپنی نزاکت وکام کے لحاظ سے اعلیٰ درجہ کی مصری صنائی کا نمونہ تھے - اسی طرح وہ طلائی ستستریم باجہ بھی جس کے تار اب عرصہ ہوا کہ ٹوٹ گئے تھے رہنے والی کے ذوق موسیقی کو یاد دلاتا تھا - وہاں ہاتھی دانت کا ایک شکستہ تکلا بھی نظر آیا جس میں جالی پر نقش ونگار کا کام ادھورا رہ گیا تھا اور متوفیہ کے مذاق دستکاری کا پورا ثبوت تھا - رھوڈوفس نے ان تمام اشیاء پر نظر ڈالی تو شہزادی کی زندگی اور اس کی طرز معاشرت کا سماں آنکھوں کے سامنے پھر گیا اور اس دنیا کی بے ثباتی کا ایک اور غمناک ثبوت مل گیا - ابھی وہ انھیں خیالات میں تھی کہ اتفاق سے اس کی نگاہ ایک بڑے سے رنگین صندوق پر پڑی جسے کھول کر اُس نے دیکھا تو پہلے تو چند پژمردہ پھول نظر آئے پھر ایک گیند کی طرح مدوّر شئے نکلی جس پر گلاب کی چند خشک پنکھڑیاں وپتیاں لپٹی ہوئی تھیں - علاوہ ان کے متعدد ومختلف قسم کے طلائی تعویذ بھی محفوظ تھے جن میں ایک کے ڈھکنے پر عشق کی دیوی کی شکل بنی تھی - دوسرے میں ایک چھوٹا سا خانہ تھا جس کے اندر پیپرس کے چند ٹکڑے جن پر جادو وسحر کے الفاظ مرقوم تھے لپٹے ہوئے نظر آئے - بعد ازاں اس کی نظر چند خطوط پر پڑی جو یونانی زبان میں لکھے تھے انھیں نکالکر وہ لیمپ کی روشنی میں دیکھنے لگی - یہ وہ خط تھے جو نتیتیس نے اپنی بہن کو ایران سے بھیجے تھے - رھوڈوفس نے انھیں پڑھا تو اُس کی آنکھوں میں بے اختیار آنسو بھر آئے۔

تاشو کے رازِ عشق کا پورا حال اسے معلوم ہو گیا۔ اور بردیہ کے ساتھ جو اُسے انتہائی الفت و محبت تھی ظاہر ہو گئی۔ یہ پژمردہ پھول اُسی کی نشانی تھے اور گنبد بھی جسے اُس نے پھولوں سے لپیٹ کر رکھا تھا بردیہ کی دی ہوئی تھی۔ اسی طرح تعویذوں و دعاؤں سے اپنے دردِ دل کا افاقہ و تسکین یا شہزادہ کے دل میں محبت پیدا کرنا مقصود تھا۔ وہ ان خطوں کو صندوق میں رکھنے ہی والی تھی کہ اس کا ہاتھ کپڑے کے چند ٹکڑوں پر پڑا جن میں ایک سخت لمبی شے لپٹی ہوئی معلوم ہوئی۔ اسے اٹھا کر اُسے کھولا تو رنگین موم کا ایک چھوٹا سا بُت نکلا جو نتیتیس کا مجسمہ تھا اور اصل سے ایسا مشابہ تھا رھوڈوفس حیران و ششدر رہ گئی اور بڑی دیر تک اُس سے اپنی نگاہ نہ ہٹا سکی یہ مجسمہ مشہور و معروف نقاش تھیوڈورس باشندہ ساموس کی صنعت و دستکاری کا اعلیٰ نمونہ تھا۔ رھوڈوفس اب لیٹ گئی اور مصر کی بدنصیب شاہزادی یعنی دخترِ فرعون کا خیال کرتے کرتے سو گئی۔ دوسرے دن صبح ہوتے ہی وہ محل کے اُس باغ میں گئی جس کا نظارہ ہم اماسس کے زمانہ میں کر چکے ہیں۔ یہاں انگور کی ٹٹیوں کے نیچے اُس نے ان دونوں کو جنہیں اُس کی آنکھیں ڈھونڈھ رہی تھیں موجود پایا۔ سافو ایک ہلکی سی بید کی کرسی پر بیٹھی تھی اُس کی گود میں ایک برہنہ شیر خوار بچہ تھا جو اپنے ہاتھ پیر کبھی باپ کی طرف پھیلا دیتا کبھی اپنی ماں کی طرف دیکھ کر کھیلتا تھا جو اُس پر جھکی ہوئی مسکرا رہی تھی۔ بچّے کی ننھی ننھی انگلیاں جب نوجوان سورما کی کاکلیں و ڈاڑھی پکڑ کر کھینچتی تھیں تو وہ سر آہستہ سے پیچھے ہٹا لیتا تھا تاکہ اپنی لختِ جگر کی قوت کا اندازہ کر سکے اور وہ بھی جانے کہ سچ مچ اپنے باپ کی ڈاڑھی کھینچ رہی ہوں۔ کبھی کبھی اس کے ننھے پیر جب بردیہ کے چہرہ سے لگ جاتے تو اُنھیں وہ اپنے دونوں ہاتھوں میں تھام لیتا اور اُن پیارے انگوٹھوں و تلووں کو جو مخمل سے زیادہ ملائم و نازک تھے چومنے لگتا۔ اگر پرپیس اُس کی ایک اُنگلی پکڑ لیتی تو وہ ایسا مونھ بناتا کہ گویا چھڑا رہی

نہیں سکتا۔ اُس کے شانوں کا بوسہ لیتا۔ اور اس کے پیٹ پر اپنا موتھ مل کر گدگداتا۔ سافو یہ دیکھ کر خوش ہورہی تھی اور کبھی کبھی جھک کر خود بھی اپنی پیاری بچی کے چومنے کا ارادہ کرتی تھی تو اس کی پیشانی اپنے شوہر کے بالوں سے لگ جاتی اور وہ فوراً اپنی بیوی کا بوسہ لیکر اُسے بچی کے پیار سے محروم کر دیتا۔

رھوڈوفس بڑی دیر تک چھپی ہوئی یہ تماشہ دیکھتی رہی اور آنکھوں میں آنسو بھرے دعا مانگنے لگی کہ دیوتا اس کے پیاروں کا یہ عیش و راحت ہمیشہ قایم رکھیں۔ پھر درختوں کے کنج سے باہر نکلی۔ دونوں کو پکار کر دعا دی اور ملیتہ کی یہ احتیاط دیکھ کر کہ بچی کو اندر لے جانے کی غرض سے دھوپ کے بچاؤ کے لئے ایک بڑی سی چھتری ہاتھ میں لئے ہوئے آرہی تھی۔ اُس کے حُسن و تدبیر کی تعریف کرنے لگی۔ بوڑھی دایہ جب سے شاہی بچی کی انّا مقرر ہوئی تھی اپنے اس عہدہ پر بڑی نازاں تھی اور اس تکلف و شان کے ساتھ اپنے فرائض انجام دیتی جسے دیکھکر بے اختیار ہنسی آتی تھی۔ وہ ایک نہایت زرق برق ایرانی لباس پہنے رہتی تھی اور جس قدر ماما ئیں تھیں اُن سب کو اپنے سے حقیر سمجھ کر بڑے رعب و داب کے ساتھ اُن سے کام لیتی تھی۔ سافو کی نظر اپنی نانی پر پڑی تو مکان میں جانے سے پہلے اُسنے اپنے شوہر کی گردن میں ہاتھ ڈالکر چُپکے سے کان میں کہا "نانی اماں سے کہہ دیجئے گا اور پوچھئے گا کہ وہ بھی راضی ہیں یا نہیں۔" شہزادہ مُسکرایا اور اپنی پیاری کی اداے معشوقانہ و حُسن خرام سے اور بھی مفتون ہوگیا۔ پھر سافو جب اندر چلی گئی تو رھوڈوفس سے مخاطب ہو کر کہنے لگا "آپ کے خیال میں کیا یہ پہلے سے کچھ تنومند ہوگئی ہیں؟"

رھوڈوفس۔ معلوم تو ہوتا ہے۔ کیونکہ دوشیزگی دلڑکپن کا ایک انداز جداگانہ ہے اور زمانہ مادری آتے ہی ایک نیا رعب و وقار پیدا ہو جاتا ہے۔ عورت اپنے اوج کمال کو پہنچتی ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ وہ جسمانی حیثیت سے ترقی پذیر ہے مگر حقیقت میں یہ

اس کی فریضۂ جنسیہ کی تکمیل کا نتیجہ ہے جو اُسے ایسا بزرگ و برتر بنا دیتا ہے۔"

بردیہ۔ بے شک آپ صحیح فرماتی ہیں۔ میرے خیال میں جسمانی و روحانی راحت و خوشی کو بھی اس سے بہت کچھ تعلق ہے۔ سب سے پہلا کل ہی کا دن تھا کہ ہم دونوں میں صرف ایک بات پر اختلاف ہوا ہے۔ جسے میں اُن کی اجازت سے آپ سے عرض کرتا ہوں۔ مجھے آپ کے تجربہ و عقل و دانش سے امید ہے کہ ضرور کوئی مفید رائے دیجئے گا۔

بردیہ نے تیر اندازی کی آزمائش کا افسوس ناک واقعہ پوری طور سے بیان کیا اور آخر میں کہا۔ "کری سس نے میری ناعاقبت اندیشی پر سخت ملامت کی۔ مگر میں اپنے بھائی کے مزاج سے اچھی طرح واقف ہوں کہ عین حالت غصہ میں ہر قسم کا فعل اُن سے سرزد ہو سکتا ہے۔ وہ چاہتے تو اُسی وقت مجھے قتل کر دیتے۔ لیکن غصہ فرو ہو نیکے بعد میں سمجھتا ہوں کہ یہ بلا ٹل گئی۔ اور ممکن ہے کہ وہ اپنی مہم و فوج کشی کی تیاریوں میں ایسے مصروف ہوں کہ اسے بالکل بھول گئے ہوں۔ سال بھر ابھی نہیں گذرا کہ ایران میں ان کے برابر کوئی تیر انداز نہ تھا۔ اور اگر شراب نوشی و مرگی کے مرض نے انھیں کمزور نہ کر دیا ہوتا تو وہی حالت ابھی ہوتی۔ بخلاف اس کے میں دیکھتا ہوں کہ میری قوت دن بدن بڑھتی جاتی ہے۔

رھوڈوفس۔ "سچی خوشی سے عورت کا اگر حسن دوبالا ہوتا ہے تو مرد کے زور بازو میں بھی ترقی ہوتی ہے۔ شراب نوشی و دماغی تکالیف و افکار وغیرہ انسان کو کمزور و نحیف کر کے قبل از وقت اس کے بڑھاپے و موت کا سبب ہوتی ہیں۔ میرے پیارے فرزند! اپنے بھائی سے خبردار و ہوشیار رہنا۔ جس طرح اس کے زبردست بازو کمزور ہو گئے ہیں ممکن ہے کہ اُس کی روحانی شرافت میں بھی زوال آگیا ہو یقین جانو یہ میرا تجربہ ہے کہ جب ایک شخص کسی قبیح و کمینے جذبہ کا غلام بن جاتا ہے تو مشکل اپنے

دوسرے جذبات پر قابو رکھ سکتا ہے۔ علاوہ بریں جس شخص کے قویٰ انحطاط پذیر ہوتے ہیں وہ فطرتاً اپنی کمزوری وذلت کو بہت محسوس کرتا ہے۔ پھر کہتی ہوں کہ اپنے بھائی سے خبردار رہنا۔ تم ابھی دنیا سے واقف نہیں ہو۔ تمہارے خیالات بہت شریفانہ ہیں اس لئے تم دوسروں کو بھی شریف سمجھتے ہو"

بردیہ۔ معلوم ہوتا ہے کہ آپ بھی سافو سے اتفاق کرتی ہیں وہ بہت مُصر ہیں کہ جہاں تک جلد ہو سکے انہیں اپنے ساتھ لے کر میں ایران چلا جاؤں۔ ان کی رائے میں بھائی اس واقعہ کو اتنی جلدی نہیں بھول سکتے مگر کچھ عرصہ کے لئے نہ مجھے دیکھیں نہ میرے متعلق کچھ سُنیں تو ممکن ہے کہ ان کا غصہ فرو ہو جائے۔ میں ابھی تک راضی نہ ہوا تھا اور جنگ حبش سے محروم رہنا نہ چاہتا تھا۔

رھوڈوفس ۔ میں بھی تم سے بمنت وعاجزی کہتی ہوں کہ اپنی بیوی کا کہنا مانو۔ یہ بات اُس کے دل سے نکلی ہے اور ضرور صحیح ہو گی۔ تم دونوں کی جدائی سے جس قدر مجھے رنج والم ہو گا اُس کا بیان لاحاصل ہے خیر میں اُسے برداشت کر لوں گی۔ مگر تمہیں یہاں رہنے کی ہرگز صلاح نہ دوں گی پھر کہتی ہوں کہ ایران کے سفر کی تیاری کرو۔ اور جلدی کرو۔ یاد رکھو کہ بلا کسی وجہ اپنی زندگی وآرام کو خطرے میں ڈالنا بیوقوفوں کا کام ہے۔ ملک حبش پر فوج کشی دیوانگی وجنون ہے وہاں دشمن سے تو کچھ زیادہ خوف نہیں مگر اندیشہ یہ ہے کہ سفر کی تکالیف اور ریگستان وبیابان کی مصیبتیں۔ بھوک و پیاس وگرمی۔ کہیں ایرانی لشکر کی تباہی کا باعث نہ ہوں اور تمہارے لئے تو اس مہم میں شامل ہونا ہرگز قرین مصلحت نہیں۔ کیونکہ نہ صرف تمہاری جان اور تمہارے بال بچوں کی خوشی وراحت معرض خطر میں ہے بلکہ اگر تم نے کوئی نمایاں کام بھی کیا تو اس کا صرف یہی نتیجہ ہو گا کہ تمہارے بھائی کا غصہ وحسد اور بھڑک اُٹھے گا۔ اس لئے میرے عزیز بردیہ پھر کہتی ہوں کہ جہاں تک جلد ہو سکے یہاں سے چلے جاؤ۔

بردیہ معمر خاتون کے اعتراضات، شبہات و خطرات کا جواب دینے ہی والا تھا کہ اتنے میں اس کی نظر پریگزاسپ پر پڑی جس کا چہرہ نہایت زرد تھا اور سر جھکائے شہزادہ سے ملنے کے لئے سامنے سے آرہا تھا۔ معمولی سلام و مزاج پرسی کے بعد سفیر نے آہستہ سے نوجوان کے کان میں کہا کہ آپ سے تنہائی میں کچھ کہنا چاہتا ہوں اور جب رھوڈوفس اُٹھ کر چلی گئی تو تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا۔ پھر نہایت اضطراب و سراسیمگی سے اپنے انگلیوں کی انگوٹھیاں گھما کر رُک رُک کے کہنے لگا: "شاہ والا جاہ نے مجھے آپ کی خدمت میں بھیجا ہے۔ کل آپ نے اپنی تیر اندازی کے جوہر دکھا کر انھیں بہت ناراض و برہم کر دیا تھا۔ اس لئے وہ آپ کو کچھ عرصہ تک دیکھنا نہیں چاہتے اور حکم دیتے ہیں کہ آپ فوراً ملک عرب جا کر جس قدر اونٹ مل سکیں بہم پہنچایئے یہ جانور نہایت جفاکش اور بھوک پیاس کے عادی ہیں۔ اور ہماری فوج کی باربرداری و آب رسانی کے لئے نہایت موزوں اور ریگستانی سفر کے لئے از حد ضروری ہیں۔ آپ کو فوراً روانہ ہو جانا چاہیئے۔ شہنشاہ کا ارشاد ہے کہ آج ہی اپنی بیوی وغیرہ سے رخصت ہو کر رات ہونے سے پہلے کوچ کر دیجئے۔ اس کام میں شاید آپ کو ایک مہینہ لگے گا۔ میں بھی آپ کے ہمراہ پلوسیم تک چلتا ہوں۔ ملکہ کاسندانہ کی خواہش ہے کہ آپ اپنی بیوی و بچے انھیں کے پاس رہنے کے لئے بھیج دیجئے۔ کل ہی وہ ممفس روانہ ہو جائیں۔ مادر شاہ کی نگرانی میں وہاں ہر طرح کا انھیں آرام ملے گا۔"

بردیہ نے یہ گفت گو نہایت خاموشی کے ساتھ سُنی مگر سفیر کے غیر معمولی پریشانی کو نہ دیکھا اُس نے بھائی کی اس حکم کو اپنے حق میں بہت بہتر جانا اور مصر سے جلد چلا جانا نہایت غنیمت سمجھا۔ پھر اپنے چھوٹے دوست کا ہاتھ بڑی محبت و اخلاق سے پکڑ کر اُسے ساتھ لئے ہوئے محل کے اندر چلا گیا۔ شام ہوتے ہوتے سفر کی تمام

تیاریاں مکمل ہوگئیں۔ بردیہ نے اپنی بچی کو جو ملیتہ کی گود میں تھی اُٹھا کر پیار کیا۔ بیوی کو بھی تسکین و دلاسے دیکر بڑی محبت سے الوداع کہا۔ اور رھوڈوفس سے مسکرا کر کہا کہ دیکھئے اس مرتبہ آپ کا خیال کیسا غلط نکلا اور میرے بھائی کے متعلق آپ کو غلط فہمی ہوئی۔ اتنے میں سائیس گھوڑا سامنے لایا وہ بڑی پھرتی سے اُچھل کر اُس پر بیٹھ گیا۔ پیچھے پیچھے سفیر بھی اپنے گھوڑے پر سوار ہونے لگا۔ سافو قریب کھڑی تھی اس نے جھک کر پرگزاسپ سے کہا:۔

"دیکھئے ان کی بہت اچھی طرح خبرگیری رکھیئے گا۔ اور اگر خدانخواستہ اپنے آپ کو جان جوکھم میں ڈالیں تو میری اور اس پیاری بچی کی یاد دلا کر انھیں باز رکھیئے گا۔"

سفیر۔ (گھوڑے کی لگام درست کرنے کے بہانہ سے نگاہیں چرا کر) "میرا اور ان کا تو صرف پلوسیم تک ساتھ ہے۔ پھر یہ تن تنہا جائیں گے۔"

سافو۔ (اپنے شوہر کا ہاتھ پکڑ کر بے اختیار رونے لگی) "تمہیں دیوتاؤں کے سپرد کرتی ہوں۔ دیکھو پیارے! غافل نہ رہنا۔ اپنی حفاظت کرنا۔"

بردیہ نے اپنی بیوی کی یہ حالت دیکھی تو اُسے سخت حیرت ہوئی کیونکہ عموماً وہ بڑی متحمل و صابر تھی مگر اس وقت اس کی بیتابی و بے قراری کا عجب عالم تھا۔ آنسوؤں کی جھڑی کسی طرح نہ رُکتی تھی یہ دیکھ کر اُس کے دل پر بھی ایک سخت چوٹ لگی اور ایسے ناقابل بیان وسوسے و خیال پیدا ہوئے جو کبھی عمر بھر نہ آئے تھے۔ اس نے جلدی سے جھک کر اپنی پیاری کی کمر میں ہاتھ ڈال کر اُسے اوپر اٹھا لیا اور دیر تک اسی طرح اپنے سینہ سے لپٹائے رہا اور ایک عجب محبت و گرمجوشی سے پیار کیا جس کے یہ معنے تھے کہ پیاری اب ہم ہمیشہ کے لئے رخصت ہوتے ہیں۔ پھر اُسے آہستہ سے زمین پر اُتارا۔ بچی کو اپنی گود میں لے کر اُسے بھی پیار کیا اور ہنس کر کہا کہ دیکھو اپنی ماں کا دل بہلانا اور اُسے رنجیدہ نہ ہونے دینا۔ بعدہٗ رھوڈوفس سے مخاطب ہو کر

رخصتی الفاظ کہے اور گھوڑے نے کو اڑ لگا کر پر گزاسپ کے ہمراہ محل کے پھاٹک سے نکل گیا۔

سافو دم بخود سکتہ کے عالم میں کھڑی کی کھڑی رہ گئی۔ اور جب دونوں سوار دور نکل گئے اور اُن کے گھوڑوں کے ٹاپوں کی آواز بھی بند ہو گئی تو وہ بے تاب ہو کر اپنی نانی کے سینہ پر گر پڑی اور باوجود اس کے بہت سمجھانے بجھانے کے دیر تک زار و قطار روتی رہی۔

باب اکتیسواں ۳۱

پشیمانی و جنوں

حبشی کمان والے واقعہ کے دوسرے دن کمبوجیہ کو اپنی پرانی بیماری کا ایک ایسا سخت دورہ ہوا کہ دو دن تک بستر سے نہ اٹھ سکا اور حالت بیہوشی میں پاگلوں کی طرح بکنے و چلانے لگا۔ تیسرے دن جب اُس کے ہوش و حواس درست ہوئے تو پر گزاسپ کو جس خوفناک کام کے لئے روانہ کیا تھا یاد آتے ہی اُس کے تمام جسم پر لرزہ پڑ گیا۔ اس نے سفیر کے بڑے بیٹے کو جو شاہی آبدار کے عہدہ پر ممتاز تھا فوراً اپنے سامنے طلب کیا اور اس کے باپ کا حال پوچھا۔ بیٹے نے عرض کیا کہ وہ بلا کسی سے ملے جلے ایک دن ممفس سے یکایک کہیں باہر چلے گئے۔ یہ سنکر بادشاہ نے دارا، گبجیس، اور دوہ یا کو جو

بردیہ کے خاص دوست تھے بُلایا اور اُن سے پوچھا کہ میرا بھائی کہاں ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ شاید سئیز میں ہوں گے۔ یہ سُنتے ہی اس نے ان تینوں کو حکم دیا کہ فوراً وہاں جائیں اور یہ گز اسپ راستہ میں ملے تو اُسے فی الفور یہاں بھیجدیں۔ نوجوان امیرزادے بادشاہ کا یہ عجیب حکم اور غیر معمولی عجلت و پریشانی دیکھ کر بہت متحیر ہوئے۔ ان کے دلوں میں بھی طرح طرح کے وسوسے آنے لگے اور اسی دن سئیز روانہ ہوگئے۔ اب کمبوجیہ کا اضطراب دم بدم بڑھنے لگا۔ اُس دن اُس نے شراب کو بھی ہاتھ نہ لگایا اور دل ہی دل میں اپنے نشہ و بدمستی کو لعنت بھیجنے لگا۔ کچھ دیر بعد پائیں باغ میں ٹہلنے نکلا تو اپنی ماں کو وہاں دیکھ اُس سے آنکھ ملانے کی تاب نہ لاسکا۔ اور چھپنے کی کوشش کرنے لگا غرض کہ اسی طرح ایک پورا ہفتہ جو اُسے ایک سال کے برابر معلوم ہوا گذر گیا مگر بر گز اسپ کا پتہ نہ چلا۔ اس نے کئی بار اُس کے لڑکے سے بلاکر پوچھا مگر جواب ہمیشہ نفی میں ملا۔ جب تیرہ دن اس طرح گذر گئے تو کاسندانہ نے اُسے ملنے کے لئے بلایا۔ کمبوجیہ کو خیال ہوا کہ شاید ماں کے باتوں سے کچھ تسکین ہوا ور راتوں کی نیند جو اچاٹ ہوگئی ہے واپس آجائے۔ اس لئے فوراً حاضر ہوا اور اس محبت و اطاعت کے ساتھ پیش آیا کہ خود ملکہ حیران ہوگئی۔

کاسندانہ کے چہرہ سے پریشانی ظاہر تھی اس نے بردیہ کی بیوی کی آمد سے اطلاع دی اور اپنے بیٹے سے کہا کہ وہ تمہیں ایک تحفہ پیش کرنا چاہتی ہے۔ سافو جب سامنے آئی تو اس نے کل حالات بیان کئے اور کہا کہ اس کا شوہر بموجب حکم شاہی سفیر کے ہمراہ ملک عرب روانہ ہوگیا اور وہ بھی ملکۂ عالم کا پیغام سُنتے ہی فوراً بنفس نفیس چلی آئی۔ یہ خبر سُنتے ہی بادشاہ کا چہرہ زرد ہوگیا اور اپنے بھائی کی کمسن اور حسین بیوی کی طرف ایسی رنج آلود نگاہ سے دیکھنے لگا کہ سافو

کھٹک گئی اور سمجھی کہ یقیناً کوئی خاص بات ہے جو مجھ سے چھپائی جاتی ہے۔ اس خیال نے اُسے بے انتہا خائف و پریشان کر دیا مگر بہت ضبط کر کے اپنے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے وہ خوبصورت بکس جس میں نکتنیتس کی مومی مورت بحفاظت رکھ کے لائی تھی بادشاہ کے سامنے پیش کیا اور عرض کیا "میرے شوہر نے یہ تحفہ خدمتِ عالی میں بھیجا ہے۔" کمبوجیہ نے اُسے ہاتھ میں لے کر ایک خواجہ سرا کے حوالہ کر دیا۔ اور اپنی بھاوج سے چند کلمے کہہ کر جن سے اظہار شکریہ مقصود تھا فوراً باہر چلا گیا۔ اتوسا بھی پاس کھڑی تھی مگر وہ اُس کی طرف متوجہ نہ ہوا۔ درحقیقت وہ اُسے اب بالکل بھول گیا تھا۔ اور وہ بھی سامنے آنا پسند نہ کرتی تھی۔ ماں کی اس ملاقات سے بجائے اس کے کہ دل کو تسکین ہو اس کا اضطراب اور بڑھ گیا۔ اور سافو کی زبانی حال سُنکر آخری امیدیں بھی منقطع ہو گئیں۔ اور اُسے خیال آیا کہ پر گز اسپ اگر نہ بھی قتل کر چکا ہو گا تو کیا عجب ہے کہ شاید اُسی وقت اسکے نوجوان بھائی کے سینہ میں خنجر مارنے کا قصد کر رہا ہو۔ اب اس واقعہ کے بعد وہ اپنی ماں کے سامنے کس مُنہ سے جائے گا اور وہ حسین و پری جمال لڑکی جو کس حسرت و یاس سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی اور جس کی آہو مثال آنکھوں سے کیسی غم و پریشانی برس رہی تھی اب اپنے شوہر کا حال پوچھے گی تو ان سوالوں کا وہ کیا جواب دیگا؟ اس کا ضمیر چلا کر بولا کہ بھائی کے ظالمانہ قتل کا سبب تیرے ہی دل کی بزدلی اور بیجا خوف و خطر تھا۔ اس کا تمام جسم کانپ اُٹھا اور یہ خیال کہ لوگ مجھے برادر کش کہیں گے ایک تیز چھری کی طرح اُس کے دل و جگر کو زخمی کرنے لگا اس سے پہلے وہ بہت سے آدمیوں کو خود اپنے ہاتھ سے قتل کر چکا تھا۔ لیکن یا تو میدانِ جنگ میں سب کے سامنے۔ جس کا مطلق اُسے کچھ رنج و غم نہ ہوا وہ صاحبِ قدرت و حاکم سلطنت تھا جو چاہتا کرتا۔ کسی کی مجال نہ تھی کہ کچھ

کہ سکتا اور اگر بردیہ کو بھی اپنے ہی ہاتھ سے تہ تیغ کر دیتا تو اُس کا نفس ملامت نہ کرتا مگر خفیہ طور سے کسی دوسرے شخص کے ہاتھوں قتل کرا دینا اور وہ بھی صرف اس معمولی بات پر کہ اس نے اپنی قوت و شجاعت کا اظہار کر کے خاندان ہخامنش کا نام رکھ لیا۔ کس درجہ شرمناک و بزدلانہ حرکت تھی۔ یہ احساس ہوتے ہی اُس کے دل میں اس درجہ پشیمانی خجالت و تاسف پیدا ہوا کہ مارے غصہ کے اپنے بدن کی بوٹیاں نوچنے لگا۔ اس نے اپنے آپ کو حد درجہ کمینہ و ذلیل کہا۔ اور پھر رفتہ رفتہ اس کے دل میں یہ شبہ پیدا ہوا کہ شاید جو لوگ اس کے حکم سے پہلے قتل ہو چکے ہیں وہ بھی بردیہ کی طرح معصوم و بے گناہ تھے اور اس کا جواب دہ وہ اہرمز کے سامنے ہوگا۔ اس خیال نے اُس کا اضطراب اور بھی بڑھا دیا جسے دور کرنے کے لئے اس نے مئے ناب کی طرف ہاتھ بڑھایا لیکن یہ غم و افکار کی بھلا دینے والی اس مرتبہ اس کے جسم و دماغ دونوں کے لئے زہر ہلاہل ہو گئی۔ اکثر قوی ضعیفیں مے نوشی اور صرع نے حد درجہ کمزور کر دیا تھا گزشتہ واقعات کے روح فرسا اثر کی تاب نہ لا سکے۔ وہ کبھی تو سردی سے کانپنے لگتا۔ کبھی بخار کی گرمی سے جلنے لگا۔ اور مجبوراً اب اپنے بستر پر لیٹنے کے ارادہ سے بڑھا اور کپڑے اتار رہا تھا کہ یکایک اُسے اپنے بھائی کا بھیجا ہوا تحفہ یاد آیا۔ اس نے خادموں سے بکس منگوا کر اپنے سامنے کھلوایا اور اس کے ڈھکنے پر مصری تصاویر و نقش و نگار دیکھتے ہی فوراً اُسے بلتیتیس کا خیال آیا اور دل میں کہنے لگا کہ اگر آج وہ زندہ ہوتی تو میری اس ظالمانہ حرکت پر کس قدر نفرت کرتی۔ پھر جھک کر بکس کے اندر سے ایک مومی مورت نکالی جس پر نگاہ پڑتے ہی وہ مبہوت رہ گیا۔ تصویر اپنی اصل سے اس قدر مشابہ تھی کہ اس کے کمزور دماغ میں فوراً یہ وہم پیدا ہوا کہ کسی نے اس پر جادو کر دیا ہے اور بڑی دیر تک ٹکٹکی باندھے اپنی معشوقہ کے پیارے چہرہ

کو تکتا رہا۔ یکایک اُسے محسوس ہوا کہ اس مجسمہ میں جان پڑ گئی۔ اس کے ہونٹ و آنکھیں حرکت کرنے لگیں جسے دیکھتے ہی ایک ناقابل بیان خوف اس کے دل پر طاری ہوا دست و پا تھر تھر کانپنے لگے۔ مومی مورت چھوٹ کر زمین پر گر پڑی اور پاش پاش ہو گئی۔ اور وہ زور سے ایک چیخ مار کر بیہوش پلنگ پر جا گرا۔ اُس وقت سے اسکے بخار میں اور بھی تیزی ہو گئی اور اُس حالتِ بے خودی و ہذیان میں یہ نظر آیا کہ فنیس سامنے کھڑا ہوا ایک مضحکہ آمیز یونانی گیت گا کر اُسے بُرا بھلا کہتا ہے جسے سُنکر وہ اپنا گھونسا تان کر اُسے مارنے دوڑتا ہے۔ پھر اس کا رفیق و وفادار کری سس بھی سامنے آ کر لعنت ملامت کرتا ہے اور وہی گستاخانہ الفاظ جو نیتیتس کے واقعہ کے زمانے میں اس نے کئے تھے زبان پر لاتا ہے۔ یعنی دیکھو خبردار اپنے بھائی کے خون سے دامن تر نہ کرنا۔ ورنہ مظلوم کی آہیں دھواں بن کر آسمان کی طرف اٹھیں گی اور ایسے بادل بن جائیں گے جو قاتل کی باقی ماندہ زندگی تیرہ و تار کر کے اُس کے سر پر انتقام کی مہیب بجلیاں برسائیں گی۔ حالت خواب میں اس تشبیہ نے اصلیت کی شکل اختیار کر لی۔ اس نے دیکھا کہ سیاہ سیاہ بادلوں سے خونی مینھ برس رہا ہے جس سے وہ بچ کر بھاگنا چاہتا ہے مگر اُس کا جسم اور تمام کپڑے تر ہوئے جاتے ہیں۔ کچھ دیر بعد جب یہ بارش موقوف ہو گئی تو وہ اپنی نجاست دور کرنے کے لئے دریائے نیل کی طرف جاتا ہے یہاں نیتیتس مسکراتی ہوئی اُس کی طرف آتی ہے اور وہ اُسے دیکھ کر بے تابانہ اُس کے قدموں پر گرتا ہے اور ہاتھوں کا بوسہ لینا چاہتا ہے۔ مگر ان کے چھوتے ہی اس کی معشوقہ کی انگلیوں پر یکایک خون کی ایک بوند نمودار ہوتی ہے اور وہ خوف زدہ ہو کر اس کا ہاتھ چھڑا کر بھاگنا چاہتی ہے۔ اب کمبوجیہ بصد منت عاجزی اس سے معافی مانگتا ہے مگر وہ کچھ پرواہ نہیں کرتی۔ یہ دیکھ کر اُسے غصہ آتا ہے پہلے تو اُسے گھڑکتا و جھڑکتا

ہے۔ پھر خوفناک سزاؤں کی دھمکی دیتا ہے۔ وہ یہ سُنکر اس کی ہنسی اُڑاتی ہے اور نفرت سے منہ پھیر لیتی ہے۔ اس پر وہ اور غضبناک ہوتا ہے اور ایک خنجر پھینک کے اُسے مارتا ہے جس کے لگتے ہی جس طرح مورت کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے تھے اُسی طرح وہ بھی پاش پاش و ریزہ ریزہ ہو جاتی ہے لیکن اس کی طنز آمیز ہنسی بند نہیں ہوتی بلکہ اور زیادہ اونچی اُٹھتی ہے نیز بہت سی دوسری آوازیں بھی اب اس کا ساتھ دے رہی ہیں اور اس پر لعنت بھیجنے میں ایک دوسرے سے سبقت لیجانے کی کوشش کرتی ہیں۔ ان سب میں بردیہ اور نتیتیس کی آوازیں بہت صاف اُسے سُنائی دیتی ہیں اور سب سے زیادہ اس پر نفریں کر رہی ہیں آخر کار جب وہ دیکھتا ہے کہ یہ خوفناک صدائیں بند نہیں ہوتیں تو اپنے دونوں کان زور سے بند کر لیتا ہے۔ اس سے بھی کچھ حاصل نہیں ہوتا تو اپنا سر بیابان کی جلتی ہوئی ریگ میں چھپانے کی کوشش کرتا ہے اور بعد ازاں نیل کے برفیلے پانی میں غوطہ مار کر بیہوش ہو جاتا ہے۔ اب یکایک وہ چونک پڑا اور نہایت وحشت و خوف سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگا اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ در اصل یہ عالم بیداری ہے یا خواب۔ کیونکہ وہ بوقت شب پلنگ پر لیٹا تھا اور اب ڈوبتے ہوئے آفتاب کی ترچھی شعاعیں بستر پر اس طرح پڑ رہی تھیں کہ صبح کا گمان نہ ہو سکتا تھا۔ بلکہ رات کی آمد آمد تھی۔ کیونکہ پروہتوں کی آوازیں جو منتھرا کے رخصتی بھجن زور زور سے گا رہے تھے باہر سے آ رہی تھیں۔ کچھ دیر بعد اس کی مسہری کے پردے کے پیچھے سے لوگوں کے چلنے پھرنے کی آہٹ سُنائی دی۔ اُس نے اٹھنا چاہا مگر اس قدر کمزور تھا کہ بالکل حرکت نہ کر سکا۔ آخر کار بڑی کوشش و ہمت سے اپنے خادموں و غلاموں کو آہستہ سے پکارا۔ فوراً نہ صرف وہ بلکہ اُس کی ماں پر کزاسپ اور بہت سے عالم و فاضل مجوس اور چند مصری اندر داخل ہوئے اور ادب سے

گردنیں جھکا کر کھڑے ہو گئے۔ بعدہٗ سردار خواجہ سرا نے عرض کیا کہ حضور کئی ہفتوں سے ایک سخت بخار میں مبتلا تھے۔ اب دیوتاؤں کے فضل سے افاقہ ہوا ہے۔ مصری حکیموں کے علاج اور آپ کی والدہ کی خبرگیری اور تیمارداری نے شکر ہے کہ خطرہ دور کر دیا۔ کمبوجیہ نے آنکھیں کھولتے ہی سفیر کے چہرہ کی طرف دیکھا اور کچھ سمجھتے ہی اُس پر اس قدر اثر ہوا کہ پھر بیہوش ہو گیا۔ دوسرے دن اُسے کچھ افاقہ تھا۔ اچھی نیند سویا اور طبیعت پہلے سے زیادہ بحال معلوم ہوئی۔ چار دن بعد اتنی طاقت آگئی کہ آرام کرسی پر بیٹھ سکتا تھا۔ اور پرگزاسپ سے اپنے بھائی کے متعلق جس کی اُسے اس قدر فکر تھی دریافت کر سکتا تھا۔ سفیر نے یہ خیال کر کے کہ اُس کا آقا اب تک بہت کمزور ہے گفتگو سے پرہیز کرنا چاہا۔ لیکن کمبوجیہ نے اپنا ہاتھ اُٹھا کر دھمکایا اور ایسی غضبناک نگاہ سے اس کی طرف دیکھا کہ پھر اُسے اپنی زبان بند رکھنے کی ہمت نہ ہوئی اور یوں گویا ہوا:۔

"میرے آقا! مبارک ہو بردیہ جس نے حضور کی عزت اور نام مٹانے کی کوشش کی تھی اپنے کیفر کردار کو پہنچ گیا۔ انہیں ہاتھوں نے اُسے واصل ملک عدم کیا کہ ریگ بیابان اور بحر احمر کی موجیں اس کی شاہد ہیں۔ اور سوا میرے یا اُن چیل کوؤں کے جو اُس کی قبر پر منڈلا رہے ہیں کسی نے اس واقعہ کو نہیں دیکھا ہے"[۱]

یہ سُننا تھا کہ ایک ایسی دلخراش چیخ کمبوجیہ کے مونہ سے نکلی کہ تمام کمرہ گونج اُٹھا۔ وہ غش کھا کر گر پڑا۔ اس کے بخار کا دورہ پھر شروع ہو گیا اور پہلے کی طرح جنون و ہذیان کی کیفیت ہو گئی۔ ہفتوں اسی حالت میں گذر گئے۔ ہر روز اسکی موت کا انتظار ہونے لگا۔

---

[۱] اس واقعہ کے متعلق دارا اپنے کتبہ بسیتون میں اسطرح لکھتا ہے کہ:۔

کمبوجیا نام پور کورش از تخمہ ما۔ او اینجا بادشاہی داشت۔ او کمبوجیا برادرے بارد نام داشت۔ از یک مادر و پدر۔ پس کمبوجیا آن برادر انش را کشت (ایران نامہ)

بالآخر اس کے مضبوط قویٰ بیماری پر غالب آئے مگر اس کے دماغ پر ایسا اثر ہوا کہ پھر اپنی اصلی حالت پر نہ آیا اور آخر عمر تک منتشر و مخبوط رہا۔ کئی ماہ کے بعد جب وہ کمرے سے باہر نکلا اور تیر و کمان چلانے کے قابل ہوا تو پرانی عادتیں پھر عود کر آئیں اور مے نوشی جسے اُس نے چھوڑ دیا تھا پھر بڑھنے لگی اب اس کے دل میں ایک عجیب وہم پیدا ہوا۔ یعنی بردیہ حقیقت میں مرا نہیں ہے بلکہ شاہ حبش کے کمان کی شکل بن گیا ہے یا اس میں اصلی روح حلول کر گئی ہے اور اُس کے متوفہ باپ کے فردش اُسے حکم دے رہے ہیں کہ جلد اس سیاہ فام قوم کو فتح کر کے اپنے بھائی کو زندہ کر اور اصلی صورت میں لے آ۔ یہ خیال جسے اُس نے اپنے مصاحبوں سے بھی بڑی رازداری کے ساتھ کہنا شروع کیا رفتہ رفتہ اب اس قدر مسلّط ہوا کہ جب تک ملک حبش ایک بڑی فوج کے ساتھ روانہ نہ ہو گیا اُسے چین نہ آیا۔ مگر اس مہم میں اُسے سخت ناکامیابی ہوئی اور بغیر اپنا مقصد حاصل کئے مجبوراً واپس آنا پڑا۔ شدت گرمی اور کھانے پینے کی تکالیف سے اس کی فوج کا بہترین حصہ راستہ ہی میں تباہ ہو گیا۔ اُس زمانہ کا ایک مورخ جسے قریباً اس کا ہمعصر کہنا چاہیئے۔ لکھتا ہے کہ جب ایرانی فوج کی رسد ختم ہو گئی تو غریب سپاہی گھاس پھوس کھانے لگے۔ لیکن جب ریگستان میں یہ بھی میسر نہ ہوا تو ان کی مصیبت کی انتہا نہ رہی اور جو تدبیر انھوں نے اپنے زندہ رہنے کے لئے کی وہ ایسی ہولناک تھی کہ بیان سے باہر ہے یعنی تمام سپاہی قرعہ ڈالتے تھے اور ہر دسواں شخص جس کے نام پر ایک خاص نمبر آتا تھا دوسروں کی غذا کے لئے مخصوص ہوتا تھا اور اُسے مار کر کھا جاتے تھے۔ بالآخر اس سپاہ نے شورش و بغاوت شروع کر دی اور بادشاہ کو مجبوراً واپس آنا پڑا۔ جب وہ ممفس داخل ہوا تو اہل مصر جنھیں ایک نیا اپس مل گیا تھا اپنے اس دیوتا کی خوشی میں ایک بہت بڑا تہوار جشن منا رہے تھے۔ علاوہ بریں اُسے تھیبز ہی میں یہ خبر پہنچ گئی تھی کہ جو لشکر صحرائے

۵۱؎ کمبوجیہ کی وفات کے ساٹھ برس بعد ہیروڈوٹس نے مصر کا سفر کیا تھا۔ (ایڈیٹر)

لیبیا میں امّن کی طرف گیا تھا وہ اثنائے راہ میں باد سموم کے چلنے سے ہلاک و برباد ہو گیا اور جو بیڑہ جہازات کہ کارتھیج فتح کرنیکے لئے روانہ ہوا تھا اُس کے بھی ملاح باغی ہو گئے اور اپنے ہم قوموں کے خلاف لڑنے پر راضی نہ ہوئے۔ غرضکہ یہ پے در پے شکستیں و ناکامیاں اور پھر باشندگان ممفس کا خوشیاں منانا کمبوجیہ کو فوراً خیال گذرا کہ مصری اُس سے باغی ہو گئے۔ اُس نے عمائدین شہر کو سامنے طلب کر کے اپنی ناخوشی کا اظہار کیا اور پوچھا کہ اس کی کیا وجہ کہ ایرانی فتوحات سے تو وہ ایسے غمگین و افسردہ تھے اور اب اُنکے شکستوں کے بعد اس قدر جوش مسرت کا اظہار کر رہے ہیں۔ مصری امرا نے اُسے سمجھانے کی کوشش کی اور عرض کیا کہ ایپس کا ظاہر ہونا ہمیشہ سے اس ملک میں باعث برکت و خوشی سمجھا جاتا ہے جس سے ہرگز شہنشاہ کی بغاوت و تحقیر مقصود نہیں بلکہ یہ ایک مذہبی رسم ہے جس کا ادا کرنا اُن کا فرض ہے۔ کمبوجیہ اس جواب سے مطمئن نہ ہوا اور غصہ میں آ کر ان سب کو قتل کرا دیا۔ بعدہٗ اس نے مصری پروہتوں کو اپنے سامنے طلب کر کے اُن سے بھی یہی سوال کیا اور جب وہی جواب ملا تو نہایت تمسخر و ہنسی سے موہنھ بنا کر کہنے لگا کہ میں بھی اس نئے دیوتا کے درشن کرنا چاہتا ہوں۔ ذرا اُسے میرے سامنے لاؤ۔ غرض کہ ایپس حاضر کیا گیا جسے پیش کر کے بڑے پروہت نے عرض کیا کہ ایک اچھوتی گائے کا جسے چاند کی کرنوں نے گابھن کیا تھا۔ یہ فرزند ہے اس کے خاص علامات ہیں یعنی رنگ بالکل سیاہ ہے۔ پیشانی پر ایک سفید مثلث نشان۔ پشت پر عقاب کی شکل۔ پہلو پر ہلال۔ دُم پر دو قسم کے بال اور زبان پر مقدس بھونرے کی شکل اُبھری ہوئی موجود ہے۔ بادشاہ نے اس عجیب سانڈ کو اپنے سامنے کھڑا کر کے اُسے بغور دیکھا اور جب کوئی مذکورہ بالا علامت نظر نہ آئی تو اُسے بہت غصہ آیا اور فوراً اپنی تلوار اس کے پہلو میں بھونک کر اُس کو مار ڈالا اور بڑے زور سے ہنس کر کہنے لگا۔ دور بے وقوف گدھو۔ اپنے دیوتا کے مرنے کا تماشہ دیکھو۔ اس بیل کو پوجتے تھے اب جاؤ

اسے بھون کر کھا جاؤ اور خبردار میرے خلاف زبان نہ ہلانا۔ سپاہیو! ان احمقوں کو میرے سامنے سے نکال دو۔ اور اگر کسی شخص کو یہ بیہودہ تہوار مناتے دیکھو تو فوراً اس کا سر قلم کر دو"۔ اس حکم کی پورے طور سے تعمیل کردی گئی۔ جس سے مصریوں کی آزردہ دلی اور بڑھ گئی۔ وہ اپنے مردہ آپس کو اُٹھا کر لے گئے اُسے مقدس بلیوں کے اس مقبرے میں جو بمقام سہراپیم واقع تھا خفیہ طور سے دفن کر دیا۔ بعد ازاں سامتیک کی سرداری میں انھوں نے ایک بغاوت کی۔ جسے ایرانیوں نے بآسانی فرو کر دیا۔ اس لڑائی میں اماسس کا بدنصیب فرزند مارا گیا۔ اس کے عیوب اور گذشتہ حرکتیں قابل عفو ہیں۔ کیونکہ آخر میں اس نے اپنی قوم کو غیر ملک کی غلامی سے رہا کرنے کی حد درجہ کوشش کی۔ اور اپنی جان دیکر حق حب الوطنی ادا کر دیا۔ کمبوجیہ کے جنون نے اب ایک نئی شکل اختیار کر لی۔ بردیہ جسے وہ سمجھتا تھا کہ کمان کی شکل بن گیا ہے۔ جب اُسے زندہ کرنے کی کوشش میں اُسے ناکامیابی ہوئی تو اُس کا مزاج اور بھی چڑچڑا ہو گیا اور ذرا ذرا سی بات پر اپنے آپے سے باہر ہونے لگا۔ اس کا وفادار مشیر و مصاحب کریسس جو اس کے ساتھ ہمیشہ رہتا تھا کئی بار جلاد کے نذر ہو چکا تھا مگر سپاہی اپنے مالک کی طبیعت جانتے تھے کہ دوسرے ہی دن یا تو اپنا حکم بھول جاتا تھا یا افسوس کرنے لگتا تھا اس لئے کریسس کو ضرر پہنچانے کی کسی کی ہمت نہ ہوئی لیکن روزانہ کوئی نہ کوئی امیر یا غریب بادشاہ کا غصہ ٹھنڈا کرنے کے لئے لقمۂ اجل ہوتا تھا۔ غرضکہ کمبوجیہ سے جو جو ظالمانہ حرکتیں اس زمانہ میں سرزد ہوئیں وہ ناقابل بیان ہیں۔ چند واقعات قابل ذکر ہیں جن کے سُننے سے معلوم ہوگا کہ اس شخص کا جنون کس حد تک بڑھ گیا تھا۔ ایک دن بعد طعام شب نشہ میں چور تھا۔ پرکزاسپ سے پوچھنے لگا کہ ایرانی میرے متعلق کیا کہتے ہیں سفیر جس کا نفس اب ہر وقت ملامت کیا کرتا تھا اور اپنی گزشتہ حرکت پر حد درجہ نادم تھا۔ اور تلافی مافات کے خیال سے بادشاہ کو نیک اعمال کی طرف راغب کرنا

چاہتا تھا۔ یہ سُنکر بولا کہ رعایا حضور کی ہر طرح مدح و ثنا خواں ہے۔ البتہ شراب نوشی کے متعلق ان کا ضرور یہ خیال ہے کہ حضور نے آج کل بہت کثرت کر دی ہے۔ یہ سنتے ہی کمبوجیہ پر غضب ہو گیا اور جوش میں آ کر چلایا۔ "کیا ایرانی یہ سمجھتے ہیں کہ مے نوشی سے میری عقل جاتی رہی ہے۔ اچھا تو دیکھو میں ابھی ثابت کرتا ہوں کہ ان کا یہ خیال کس قدر غلط ہے۔" یہ کہہ کر اُس نے کمان ہاتھ میں لی اور پریگزاسپ کے سب سے بڑے لڑکے یعنی آبدار شاہی کی طرف جو سامنے کھڑا تھا شِست باندھ کر ایسا تیر مارا جو اس کے سینہ کے آر پار ہو گیا۔ اور جب وہ گر کر تڑپنے لگا تو کہنے لگا کہ اس کا سینہ چاک کر کے دیکھو کہ تیر کہاں لگا ہے۔ اس حکم کی تعمیل کی گئی اور جب یہ معلوم ہوا کہ نشانہ ٹھیک قلب پر پڑا ہے تو دیوانہ مارے خوشی کے ناچنے لگا اور سفیر سے ہنس کر بولا "کہو پریگزاسپ میری عقل جاتی رہی ہے یا اُن ایرانیوں کی جو مجھے الزام دیتے ہیں۔ بھلا اس سے اچھا نشانہ کون مار سکتا ہے۔ تم بھی ضرور قائل ہو گئے ہو گے۔" پریگزاسپ کی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ اس کا چہرہ زرد تھا اور بُت کی طرح ساکت و خاموش کھڑا تھا۔ سچ ہے کہ وہ نفس جو غلامی کا عادی ہو گیا ہو اور اپنے حاکم کو قادر مطلق سمجھتا ہو کس طرح خنجر انتقام کے پکڑنے کی جرأت کر سکتا ہے۔ جب بادشاہ نے مکرر وہی سوال کیا تو اُس نے اپنا ہاتھ سینہ پر رکھ کر آہستہ سے جواب دیا۔ "بیشک جہاں پناہ! حضور سے بڑھ کر بھلا کون نشانہ مار سکتا ہے۔" چند ہفتے بعد بادشاہ سائیز گیا وہاں جب محل شاہی میں اپنی معشوقہ کے خاص کمرے دیکھے تو پرانے جذبات نے پھر جوش مارا لیکن ساتھ ہی اُسے اماسس کی دھوکہ بازی اور دروغ کا واقعہ بھی یاد آیا۔ بس کیا تھا۔ مُردہ فرعون کو ہزاروں صلواتیں سُنانے لگا۔ اور مارے غصہ کے کھنچا چلا تا معبد نیتھ میں پہنچا جہاں اماسس کی ممی محفوظ و مدفون تھی۔ وہاں اُسکے حکم سے فرعون کی لاش تابوت کے اندر سے باہر نکالی گئی اُسے لکڑیوں سے پیٹا گیا۔ سوئیوں اور کیلوں سے چھیدا گیا اور ایرانی تمام

عقائد کے خلاف جو مقدس آگ کو مردہ کی تربت تک لانا سخت گناہ سمجھتے ہیں اُسے جلادیا گیا۔ بعدہٗ اُس نے اماسس کی پہلی بیوی کی لاش بھی جو تھیبز میں دفن تھی اسی طرح جلوادی۔ اب کچھ عرصہ بعد وہ ممفس واپس آیا اور اتفاقیہ محل میں گیا تو کسی معمولی بات پر غصہ میں آکر غریب اتوسا کو بہت مارا۔ ایک دن ایک کتے و شیر کے بچے کی لڑائی اُس کے سامنے کی گئی جب شیر غالب آگیا تو دوسرا کتا جو مغلوب جانور کا بھائی تھا اپنی زنجیریں تڑا کر شیر پر جھپٹا اور اُسے مار ڈالا۔ کمبوجیہ یہ دیکھ کر بہت خوش ہوا لیکن بادشاہ و اتوسا جو وہاں موجود تھیں بے اختیار زار و قطار رونے لگیں۔ کمبوجیہ نے بڑی حیرت سے انکے رونے کا سبب پوچھا تو اتوسا مُنہ بنا کر غصہ سے بولی کہ ایک بہادر جانور نے تو بھائی کے لئے اپنی جان کی بھی کچھ پرواہ نہ کی مگر پیارے بردیہ کو جس کمبخت نے قتل کیا اُس سے انتقام لینے والا کوئی پیدا نہیں ہوتا۔ کمبوجیہ جس کے دل میں چور تھا یہ الفاظ سُنتے ہی ایسا آگ بگولا ہو گیا کہ ملکہ کاسندانہ ہاتھ نہ پکڑ لیتی تو ضرور اتوسا کو مار ڈالتا۔ ماں نے اُس کی طرف ایسے غصہ و نفرت سے دیکھا کہ وہ ڈر گیا اُس کے دل میں وہ نگاہیں چُبھ گئیں اور اب اُسے ایک نیا وہم پیدا ہوا کہ عورتوں کی آنکھوں میں جادو ہے وہ اُسے زہر دیکر مار ڈالیں گی۔ اس واقعہ کے بعد جب کبھی وہ کسی عورت کو دیکھتا تو فوراً چھپ جاتا اور اُس کے سامنے سے بھاگنے لگتا۔ بالآخر یہ جنون اس قدر بڑھا کہ اُسکے حکم سے محل کی تمام عورتیں معہ اُس کی ماں وغیرہ بھیجیں اور آریاسپ کے ہمراہ ایران روانہ کردی گئیں جب حرم شاہی سیئیز پہنچا تو فرعون کے قدیم محل میں اُترا۔ کھریسس بھی اُنکے ساتھ یہانتک آیا تھا۔ ملکہ کاسنداانہ کو گزشتہ واقعات نے بہت کچھ بدل دیا تھا۔ رنج و غم سے اس کے چہرہ پر جھریاں پڑ گئی تھیں مگر قد ابھی تک سیدھا تھا۔ اس کی بیٹی اتوسا بھی بہت غمگین و اُداس رہتی تھی مگر اُس کے حُسن و جمال میں کمی نہ تھی بلکہ بھرپور جوانی نے اُسے اور بھی دوبالا کردیا تھا۔ بجائے لڑکپن کے شوخی شرارت و ضد کے اس کے مزاج میں صلاحیت

اور ہمت واستقلال میں پائیداری پیدا ہو گئی تھی۔ گزشتہ افسوسناک واقعات اور تین سال تک ایک مجنوں بھائی کے ساتھ بحیثیت اُس کی زوجہ کے انتہائی مصیبت کے ساتھ زندگی بسر کرنے نے صبر و تحمل کا اُسے ایک نہایت عمدہ سبق سکھا دیا تھا تاہم اپنے عاشق کی یاد ابھی تک اُسکے دل سے محو نہ ہوئی تھی۔ سافو کے ساتھ اُسے ایک خاص اُنس و محبت ہو گئی تھی اور اُس کی رفاقت و ہمدردی نے غم جدائی کی ایک حد تک تلافی کر دی تھی۔ پری جمال سافو اپنے شوہر کے مفقود الخبر ہونے کے بعد بالکل ہی بدل گئی تھی نہ چہرہ کا وہ گلابی رنگ تھا نہ ہونٹوں کی دلفریب مسکراہٹ تھی۔ زرد رو۔ آنکھیں نیچے کئے اُداس و مغموم اری ادنی[۱] کی طرح دن رات وہ اپنی ننھی سیوس کے آنے کی دعائیں مانگا کرتی تھی۔ اور سرتا پا ایک تصویر انتظار بن گئی تھی۔ کسی کے قدموں کی آہٹ سنائی دیتی۔ دروازہ کھلتا یا کسی مرد کی آواز یکایک کانوں میں آتی تو وہ چونک پڑتی۔ فوراً کھڑی ہو جاتی آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگتی اور باوجود متواتر مایوسیوں و ناامیدیوں کے بھی دامن امید و صبر کو ہاتھ سے نہ جانے دیتی۔ مختصر یہ کہ اُس کی تمام زندگی اپنے پیارے کی یاد و انتظار میں گذرتی تھی اور صرف ایک ہی جذبہ۔ ایک ہی خیال یعنی اُس سے ملنے کی آرزو و تمنّا اس کے دل و دماغ پر غالب و حاوی تھی البتہ بعض اوقات جب پیاری بچّی گود میں ہوتی یا اس سے کھیلتی و پیار کرتی تو تھوڑی دیر کے لئے اگلی حالت پھر عود کر آتی۔ پژمردہ رخساروں پر ایک رنگ دوڑ جاتا۔ آنکھیں چمکنے لگتیں رنج و غم کسی قدر دل سے جاتا رہا کیونکہ یہ ہی یعنی بردیہ کی زندہ نشانی اُس کے لئے اب کچھ تھی۔ وہ ہی اُس کی زندگی کا مقصد خاص اور اس دنیا میں جس کا لطف شوہر کے جانیکے بعد بالکل ہی غائب ہو گیا تھا تعلق و وابستگی کا تنہا سبب ہو سکتی تھی۔ کبھی جب وہ اُس کی خوبصورت آنکھوں کو جو بالکل اپنے باپ کی طرح نیلگوں تھیں بغور دیکھتی تو اُسے خیال آتا۔ کاش کہ یہ لڑکا ہوتی جو بڑا ہو کر

[۱] اری ادنی۔ ایک یونانی دیوی جس کا تھی سیوس سے عشق کا واقعہ مشہور ہے۔

اپنے باپ سے ایسا مشابہ ہوتا کہ مجھے بعض وقت انھیں کا دھوکا ہوجاتا اور سمجھتی کہ شاید وہی آگئے۔ یہ خیالات زیادہ دیر تک نہ رہتے وہ اپنی ننھی بچی کو پیار کرکے فوراً گلے لگا لیتی اور خود کو نفرین و ملامت کرتی کہ میں کیسی بیوقوف اور ناشکر گذار ہوں۔ ایک دن اتوسا کو بھی یہی خیال آیا اور اُس کی زبان سے نکل گیا "کاش کہ یہ میں لڑکا ہوتی جو بڑا ہو کر بھائی کی طرح ہوتا اور ایران پر ایسی حکومت کرتا کہ لوگ اُسے کورش ثانی کے نام سے یاد کرتے

سافو کے ہونٹوں پر افسردگی آمیز مسکراہٹ آئی اور اپنی بچی کو لپٹا کر پیار کرنے لگی اس پر کاسندانہ بولی "بیٹی! دیوتاؤں کا شکر کرو کہ انھوں نے تمہیں لڑکی دی۔ اگر وہ لڑکا ہوتی تو چھ سال کے عمر کے بعد تم سے جدا ہوتی اور اُس کی تعلیم و تربیت امیر زادوں کی ساتھ باہر ہوتی۔ مگر اب تو عرصۂ دراز تک وہ تمہارے ہی پاس رہے گی" سافو اپنی بچی سے جدا ہونے کے صرف خیال ہی سے کانپ اٹھی فوراً اُس نے اپنے گوہر بے بہا کو سینہ سے لگا لیا اور پھر اس دن سے کبھی لڑکے کی خواہش کا نام نہ لیا۔ اتوسا کی رفاقت نے نوجوان بیوہ کا دکھا ہوا دل بہت کچھ سنبھال لیا تھا اس سے اُسے کوئی حجاب مانع نہ تھا اور حسب دلخواہ جب تک چاہتی بردیہ کا ذکر کرتی اور تسکین و دلاسہ دیتی تھی۔ اتوسا اپنے گم گشتہ بھائی کی جان نثار بہن سے بڑھ کر اور کون اس کا غمگسار ہو سکتا تھا۔ لیکن کوئی غیر بھی سافو کی باتیں سُنتا تو دلدادہ ہوجاتا۔ اس کی زبان میں جادو تھا۔ اس کے کلام میں عجیب شیرینی تھی اور جب کبھی اپنا زمانہ عیش یاد کرتی تو بے ساختہ اُس کے مُنہ سے اشعار نکلتے یا لیبرا ہاتھ میں لیکر اپنے ہمنام مشہور شاعرہ کی وہ غزل جو ہجراں نصیبیوں کے حسب حال تھی ایسی درد بھری آواز سے گاتی کہ سننے والوں کے دل ہل جاتے۔ پھر وہی اگلی صحبتیں وہین آنکھوں کے سامنے پھرنے لگتے۔ آہ کیا ناقابل بیان خوشی و مسرت ہے! چاندنی رات ہے چمیلی کے خوشبودار جھاڑیاں جن کے نیچے بیٹھی ہوئی اپنے عاشق دلدادہ کے ساتھ راز و نیاز کی باتیں کر رہی ہے۔ تخلیہ نے ایک لحظہ میں اُسے کہاں سے کہاں پہنچا دیا اور اپنی موجودہ حالت سے

بے خبر کر دیا۔ مگر افسوس کہ تھوڑی ہی دیر میں یہ طلسم ٹوٹ جاتا ہے۔ ایک آہ جگر خراش اسکے سینہ سے نکلتی ہے۔ ہاتھ سے باجہ چھوٹ کر نیچے گر پڑتا ہے اور اپنی اندوہ بھری آنکھوں سے سامنے تکنے لگتی ہے۔ کاسندانہ گو ان جذبات سے آشنا نہ تھی۔ تاہم یہ حالت دیکھ کر اُس کے آنکھیں بھی پُرنم ہو جاتیں۔ اتوسا بھی گلے سے لپٹ جاتی اور پیشانی کا بوسہ لیکر بہت کچھ اُسے تسکین و دلاسے دیتی۔ اسی طرح دن گزرتے گئے۔ سافو کو اس عرصہ میں اپنی نانی سے ملنے کا موقع نہ مل سکا کیونکہ کمبوجیہ کے حکم بموجب اور پرپہیس کی خاطر وہ حرم سے کبھی باہر نہ جاتی تھی۔ کریسس نے جو اس سے اپنی لڑکی سے زیادہ محبت کرتا تھا اس خیال سے کہ وہ بلا اپنی نانی سے رخصت ہوئے کیونکر مصر چھوڑ سکتی ہے۔ رھوڈوفس کو سائیز بلا بھیجا۔ کاسندانہ کا یہی اصرار تھا کیونکہ اس نے یونانی خاتون کے متعلق اس قدر سنا تھا کہ اس سے ملنے کی بہت مشتاق تھی۔ غرض کہ جب رھوڈوفس آئی تو فوراً مادر شاہ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ دونوں عورتیں جب برابر برابر کھڑی ہوئیں تو کوئی اجنبی یہ ہرگز نہ کہہ سکتا تھا کہ ان میں ملکہ کون ہے۔ اور کس کے سر پر تاج شاہی زیادہ زیب دیسکتا ہے۔ کریسس نے ترجمانی کا کام اپنے ذمہ لیا اور اُس کی مدد سے دونوں میں سلسلۂ کلام شروع ہوا۔ تھوڑی ہی دیر میں کاسندانہ یونانی خاتون کی باتوں سے ایسی گرویدہ ہو گئی کہ اپنی اظہار خوشنودی کے لئے پوچھنے لگی کہ آپ کے دل میں کوئی خواہش ہو تو بیان کیجئے۔ رھوڈوفس نے کچھ دیر سوچنے کے بعد اپنے دونوں ہاتھ سامنے اٹھا کر عرض کیا "میری پیاری سافو کو مجھے عنایت کر دیجئے۔ وہی میرے بڑھاپے کی راحت و آرام ہے اور بلا اُس کے میری زندگی محال ہے۔"

کاسندانہ نے متاسف آمیز مسکراہٹ سے "مجھے افسوس ہے کہ میں آپ کی یہ التجا منظور کرنے سے قاصر ہوں۔ ہمارے رسم و رواج کے مطابق اولاد ہخامنش کی پرورش شاہی خاندان میں ہونا ضروری ہے اس لئے میں پیاری پرپہیس کو جو کورش اعظم

کی اکلوتی پوتی ہے کیونکر کسی دوسرے کے حوالہ کر سکتی ہوں - اور یہ بھی جانتی ہوں کہ سافو اُسے ہرگز اپنے سے جدا نہیں کریگی - علاوہ بریں مجھے اور میری لڑکی کو سافو سے اس قدر محبت ہے کہ گو ہمیں آپ کی اُلفت کا بخوبی اندازہ ہے مگر اُس کی جدائی گوارا نہیں کرسکتے (رہوڈوفس کو آبدیدہ دیکھ کر) لیکن اس کا ایک تدارک ہو سکتا ہے - آپ بھی نوکراتیس چھوڑ کر ہمارے ساتھ چلیے چلیے اور تمام عمر اپنی نواسی کے ساتھ رہیئے - جہاں تک ہم سے ہو سکے گا آپ کے آرام و آسایش میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھیں گے "

رھوڈوفس - (سر ہلا کر آہستہ سے) ملکۂ عالم! میں آپ کی اس عنایت و مہربانی کا بہت شکریہ ادا کرتی ہوں مگر افسوس ہے کہ مجبور ہوں میرے تمام رگ و ریشے یونان کے ساتھ اس قدر وابستہ ہیں کہ اُس سے جدا ہوئی تو وہ بھی ٹوٹ جائیں گے - علاوہ بریں میں اپنے آزاد و ہم خیال ہم وطنوں کی صحبت کی اس قدر عادی ہو گئی ہوں کہ حرم کی قید میں گھل گھل کر مر جاؤں گی - کروسس نے آپ کے اس الطاف خسروانہ کا جب اولاً مجھ سے ذکر کیا تھا تو کئی دن تک میں سوچتی رہی اور بڑی روحانی جد و جہد کے بعد مجھے یقین ہو گیا کہ بعض فرائض زندگی ایسے ہیں جن کے مقابلہ میں مجھے اپنی محبوب ترین شے کو بھی قربان کئے بغیر کوئی دوسرا چارہ نہیں ہو سکتا - کارآمد زندگی بسر کرنا آرام و عیش و عشرت حاصل کرنے سے کہیں زیادہ مشکل ہے اور ایک سچے محب وطن کا اس سے بڑھ کر کوئی دوسرا فرض نہیں ہو سکتا کہ اپنی قومی ضروریات کے سامنے ذاتی خوشی و راحت کی کچھ پرواہ نہ کرے - میرے دل میں سافو کی وجہ سے ایران کی کشش ہے مگر دماغ و روح اپنے ملک کی طرف کھینچتے ہیں - اگر کسی دن آپ یہ سن لیں کہ یونان میں جمہوریت قایم ہو گئی اور میری قوم سوائے اپنے دیوتاؤں اور اپنے قوانین کے کسی کے سامنے سر نہیں جھکاتے تو سمجھ جائیگا کہ وہ کام جس کے لئے یہ ناچیز اور دیگر بڑے بڑے یونانیوں نے اپنی زندگی وقف کر دی تھی پورا و مکمل ہو گیا - گستاخی معاف اگر میں یہ عرض کر دوں کہ ایک

سچا یونانی خواہ بھیک مانگے مگر اپنی حُریت کو ترجیح دیگا اور یہ گوارا نہ کریگا کہ دوسروں کی قید یا غلامی میں حکومت یا عیش و عشرت سے زندگی بسر کرے۔"

کاسنڈرانہ کو رہوڈوفس کے یہ خیالات عجیب معلوم ہوئے۔ وہ اُن کے سمجھنے سے قاصر تھی مگر اس قدر اس نے بھی محسوس کیا کہ یہ عورت نہایت اولوالعزم ہے اس لئے اُس کی نگاہوں میں اس کی عزت اور زیادہ ہوگئی اور اس کے ہاتھوں کو بوسہ دیکر کہنے لگی "جو آپ کی مرضی ہو کیجئے لیکن میری طرف سے بخوبی اطمینان رکھئے کہ جب تک میری جان میں جان ہے یا میری لڑکی زندہ ہے۔ ہم دونوں آپ کی نواسی کو کبھی آزردہ خاطر نہ ہونے دیں گے۔ اور اپنے اخلاص و پیار میں کمی نہ کریں گے۔"

رہوڈوفس۔ آپ کی شریف صورت۔ آپ کی نیک دلی و محبت دیکھ کر مجھے بھی پورا یقین ہے"

ملکہ۔ (آہ سرد کھینچ کر) "نہیں! میں اسے اپنا فرض سمجھتی ہوں کہ جو ظلم و ستم اس غریب لڑکی پر ہوا ہے حتی المقدور اُس کی تلافی کروں اور اپنی پیاری پرمیس کی تعلیم و تربیت میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھوں۔ وہ ابھی سے بڑی ہوشیار و ذہین معلوم ہوتی ہے اور اپنی ماں کے گانے کو کیسے شوق سے سُنتی ہے۔ میں موسیقی کو بُرا نہیں جانتی مگر ہمارے ملک میں شریف زادیوں کو اس کی تعلیم نہیں دی جاتی اور یہ فن طبقہ ادنیٰ کے لئے مخصوص سمجھا جاتا ہے۔"

رہوڈوفس۔ (جوش میں آکر) "ملکہ عالم! اگر اجازت ہو تو میں اس مضمون پر اپنے خیالات کا اظہار کروں۔"

ملکہ۔ "بے شک۔ بلا تکلف فرمائیے۔"

رہوڈوفس۔ "جب آپ نے اپنے پیارے لڑکے کی موت یاد کر کے ٹھنڈی سانس لی تو مجھے خیال گذرا کہ اگر ایرانی اپنے لڑکوں کو زیادہ موزوں و بہتر تعلیم دیتے یعنی اُنھیں مختلف گوناگوں علوم و فنون سے آگاہ کرتے تو ممکن ہے کہ یہ حادثہ جانکاہ ظہور میں نہ آتا۔ بر دیہ

نے ایک مرتبہ مجھ سے ذکر کیا تھا کہ ایرانی امیرزادوں کو صرف تیراندازی۔ نیزہ بازی۔ شہسواری
شکار کھیلنا۔ سچ بولنا۔ اور علم نباتات کے بعض مفید و مضر پودوں کے خواص وغیرہ جاننا
غرضکہ اسی قسم کی چند باتوں کی تعلیم پر اکتفا کی جاتی ہے اور یہ خیال کرلیا جاتا ہے کہ یہی اُنکی
آئندہ زندگی کے لئے کافی و فائدہ مند ہیں۔ ہمارے یونان میں بھی لڑکوں کی تربیت میں
جسمانی ورزش پر بہت زور دیتے ہیں اور اچھی طرح جانتے ہیں ان کی صحت و تندرستی
صرف اسی سے قایم رہ سکتی ہے مگر یہ خیال بھی ضروری ہے کہ ایک شخص جو اپنی جسمانی
حیثیت سے بیل سے زیادہ طاقتور ہے راستبازی میں دیوتاؤں کا ثانی ہے عقل و دانائی
میں مصری پروہتوں کا ہمسر ہے۔ اگر اُس کے مزاج میں شائستگی۔ نفاست۔ صلاحیت
و اعتدال نہیں تو یہ تمام اوصاف بالکل نامکمل و ادھورے رہ جائیں گے اور یہ اصلاح
جب ہی ہو سکتی ہے کہ اُس کی تعلیم میں فنونِ لطیفہ کو بھی شامل کیا جائے۔ جس میں موسیقی کا
سب سے بڑا مرتبہ ہے کیونکہ اس سے ایک سچی مسرت و روحانی بالیدگی حاصل ہوتی ہے
آپ سُنکر ہنسیں گی اور شاید میرا مطلب نہ سمجھ سکیں لیکن اس سے تو شاید آپ بھی انکار نہ کرسکیں
کہ اعلیٰ درجہ کی موسیقی کس قدر ہمارے بہترین جذبات ہیجان میں لاتی ہے۔ چنانچہ
تکمیل انسانی کے لئے اُسے اور ورزش جسمانی دونوں کو ایک دوسرے کے لئے لازم و
ملزوم سمجھ کر یہ یاد رکھنا چاہیے کہ دونوں کا اثر جسم و روح پر یکساں پڑتا ہے اس سے میری
یہ مراد ہے کہ جو شخص صرف موسیقی کا دلدادہ ہے وہ اُس لوہے کی طرح جو بھٹی میں پڑکر ملائم و
چکدار ہوگیا ہے۔ ضرور نرم دل و ذکی الحس ہوگا اُس کی طبیعت کا وحشی پن دور ہو کر
اخلاق و آداب میں نفاست و شائستگی آجائے گی۔ مگر بالآخر اس کی ہمت و دلیری
بھی غائب ہونے لگے گی مزاج چڑچڑا ہو جائیگا۔ چھوٹی چھوٹی باتوں سے ڈرنے اور
رنج و دکھ سہنے لگے گا اور میدانِ جنگ میں بالکل بے کار و بزدل ثابت ہوگا کیونکہ اُسنے
اپنے جسم کی پرورش و تربیت سے بالکل غفلت گردی تھی اور ایرانیوں کا نصب العین

اپنے دل سے بُھلا دیا تھا۔ بخلاف اس کے وہ جو صرف ورزش ہی کے پیچھے پڑا رہا ہے یہ
سچ ہے کہ ہمارے شہنشاہ کمبوجیہ کی طرح اپنے زور بازو اور دلیری میں سب پر سبقت لیجائیگا
مگر میں آپ کے فرزند عالی شان کی طرف اشارہ نہیں کرتی ایسے شخص کی روح بالکل مُردہ
ہو جائے گی۔ اس کے جذبات و احساس میں وہ نفاست و صلاحیت پیدا نہ ہوگی کہ تحمل
و بردباری کے ساتھ کسی بات پر غور کر سکے۔ بلکہ اپنا مطلب حاصل کرنے کے لئے وہ ایک
درندے جانور کی طرح اکثر ظلم و تشدد کا مرتکب ہوگا۔ اُس کی زندگی تہذیب و شائستگی
سے خالی۔ جہالت و خودغرضی و تنگدلی کی دلدل میں پھنس جائے گی اور اُسے کبھی اس
دنیا میں سچی خوشی حاصل نہ ہو سکے گی۔ اس لئے نہ تو صرف موسیقی اور نہ ورزش ہی تنہا
ہمارے لئے مفید ہو سکتے ہیں۔ مگر یہ دونوں ملکر ہماری ترقی کا باعث ہیں اور مسرت
روحانی۔ وسعتِ نظری۔ شرافت و شائستگی۔ دلیری و مردانگی کے زیوروں سے ہمیں آراستہ
کرتے ہیں[۱]۔ (کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد) جس شخص کو اس قسم کی تعلیم نہیں دی گئی ہے
اور جو اپنے لڑکپن ہی سے بد دماغی و سخت مزاجی کا عادی ہو گیا ہے اور کوئی اُسے روک
ٹوک کرنے والا نہ ملا ہے۔ جو ہمیشہ دوسروں کی تعریف و چاپلوسی سُنتا رہا ہے۔ مگر کبھی کسی نے
اُسے ملامت و سرزنش نہیں کی ہے جیسے قبل اس کے کہ اطاعت و فرماں برداری کا سبق
ملے۔ لوگوں پر حکومت کرنے کا اختیارِ کُلّی دیدیا گیا ہے اور جس کی تربیت صرف اس اصول پر
ہوئی ہو کہ جاہ و حشم۔ قوت و قدرت۔ دولت و ثروت ہی اس دنیا میں سب سے بڑی نعمتیں
ہیں۔ ایسا شخص کبھی اس عالی و شریفانہ مرتبہ انسانی کو نہیں حاصل کر سکتا جو ہمارا نصب العین
ہے اور جس کے لئے ہمیں دیوتاؤں سے دست بدعا ہونا چاہئے کہ ہمارے فرزندوں کی ہدایت
و رہنمائی کریں۔ اگر یہ بد نصیب شخص علاوہ بد مزاج ہونے کے شہوت و نفسانیت کا بھی غلام
ہے تو ورزش جسمانی اس کے یہ تمام عیوب اور بھی دوبالا کر دیں گے۔ اپنے زور بازو کے گھمنڈ میں

[۱] یہ اسپیچ افلاطون کی جمہوریت سے ماخوذ ہے۔ (زابیرا)

طرح طرح کی بے عنوانیاں اُس سے سرزد ہوں گی منجملہ اُن کے ایک کثرت مے خواری ہے جو اُس کی تباہی و بربادی کا یقینی پیش خیمہ ہے۔ آہ! اس سے بڑھ کر اس دنیا میں کوئی ٹریجڈی کوئی اندوہ ناک حادثہ نہیں ہو سکتا کہ ایک معصوم بچہ جس کی فطرت و طینت کا خمیر مائل بہ نیکوئی و راستی ہو بڑا ہو کر اپنی ماحول کے تاثیرات اور خراب تعلیم و تربیت کی وجہ سے درندوں و بہائم کے زمرہ میں شامل ہو جائے۔ رھوڈوفس یکایک چپ ہو گئی کیونکہ ملکہ کاسندانہ زار و قطار رو رہی تھی اُسے خیال ہوا کہ وہ اپنے جوش میں ضرورت سے زیادہ کہہ گئی جس نے مادر شاہ کے زخمی شدہ دل میں ایک اور ٹھیس لگا دی۔ وہ کسی قدر منفعل و پشیمان آگے بڑھی اور اُسکے دامن کا بوسہ دیکر گردن جھکا کر بولی "ملکہ عالم! میں معافی کی خواستگار ہوں۔"

کاسندانہ نے اشارہ سے منع کیا۔ اپنے آنسو پونچھ کر رخصت ہونے کے لئے اُٹھ کھڑی ہوئی اور دروازہ پر پہنچکر ذرا ٹھیری پھر پیچھے مڑ کر رھوڈوفس سے کہنے لگی۔ "تم یہ نہ خیال کرنا کہ مجھے تمہاری کوئی بات بُری معلوم ہوئی ہے یا تم سے رنج ہے تمہارا ملامت کرنا بالکل بجا تھا مگر اب میری خواہش ہے کہ تم بھی اپنے دل سے گزشتہ واقعات بھلا دو اور معاف کرو کیونکہ میں تمہیں یقین دلاتی ہوں کہ جس شخص نے میرے اور تمہارے دونوں کے دل زخمی کئے ہیں وہ بھی باوجود اپنی تمام عظمت و شوکت کے آج اس دنیا میں سب سے زیادہ بدنصیب و ناشاد ہے۔ میں تم سے اب رخصت ہوتی ہوں مگر یاد رکھنا کہ کورش اعظم کی بیوہ ہمیشہ تمہاری بہی خواہ رہے گی۔ اور اُس کی عین آرزو و تمنا ہے کہ کسی دن تمہیں یہ معلوم ہو کہ فیاضی و احسانمندی بھی باوجود ان کی کمزوریوں کے ایرانی قوم کا ایک شیوہ اور اُن کی طبیعت کا بہت بڑا خاصہ ہیں۔" یہ کہہ کر چلی گئی۔ اُسی دن رھوڈوفس کو یہ خبر ملی کہ ثمینیس جو اپنے اُستاد حکیم فیثاغورث کے یہاں مقیم تھا اور فلسفہ کی تعلیم حاصل کر رہا تھا چند مہینے ہوئے کہ اپنے زخموں کی وجہ سے مر گیا۔ مرتے وقت اُسے کوئی رنج نہ تھا اور نہایت اطمینان و استقلال کے ساتھ اُس نے جان دی۔

رھوڈوفس یہ خبر سُنکر بہت متاثر ہوئی اور کریسس سے کہنے لگی دو فنیس کی موت یونان کے لئے ایک صدمہ جانکاہ ہے مگر شکر ہے کہ اُسکے ہم خیال ابھی موجود ہیں اور ہر روز پیدا ہو رہے ہیں۔ مجھے ایران کی روز افزوں ترقی سے کوئی خوف نہیں بلکہ یقین رکھتی ہوں کہ میرا عزیز وطن جس کے فی الحال متعدد سر ہیں۔ جب کسی بڑے خطرہ یا آفت کا سامنا ہوگا تو یہ سب متفق ہو کر ایک عظیم الشان سر بن جائیں گے اور جس طرح روح جسم پر حکومت کرتی ہے اسی طرح اپنی روحانیت سے مادی طاقت کا مقابلہ کر کے اُسے زیر وزبر کردیں گے"

تین دن بعد سافو اپنی نانی سے بچشم گریاں رخصت ہوئی اور حرم شاہی کے ہمراہ ملک ایران سدھاری جہاں باوجود اُن واقعات کے جو آئندہ پیش آئے اُسے بردیہ کی واپسی کا ہمیشہ یقین رہا۔ اُسی کی اُلفت۔ محبت و یاد و اُمید میں اُس نے ہمہ تن اپنے تئیں اپنی بچی کی تعلیم و تربیت اور معمر ملکہ کی خدمت اور خبر گیری میں صرف کردیا۔ پریسس بڑی ہو کر اپنے حُسن و جمال میں لاثانی نکلی اور ماں کی زبانی سُن سُن کر اُس کے دل میں اپنے مفقود باپ کی عزت و محبت سب سے زیادہ مستحکم ہو گئی۔

گرمیوں کے زمانہ میں سافو بابل کے باغات معلقہ میں قیام پذیر ہوئی جہان کا سنداننہ اور راتوسا جب اُس سے ملنے آتیں تو تینوں اُس پری جمال دختر فرعون کو یاد کرتے جس کی وجہ سے کیا کیا واقعات ظہور میں آئے اور کتنی سلطنتیں تہ و بالا ہو گئیں۔

باب تیسواں

کمبوجیہ کی موت

ہماری داستان اب قریب الاختتام ہے صرف کمبوجیہ کی جسمانی موت کا

حال لکھنا رہ گیا۔ وہ دماغی حیثیت سے تو کبھی کا مر چکا تھا۔ نیز بعض اُن لوگوں کا انجام بھی جن کا تعلق ہمارے قصہ سے ہے مذکور کرنا ضروری ہے۔ ملکہ کی روانگی کے کچھ عرصہ بعد نوکراتیس میں یہ خبر آئی کہ اروتز۔ لیدیہ کے ستریپ نے اپنے پُرانے دشمن پولی کراتیس کو دھوکہ دیکر سارڈیس بُلایا اور وہاں پکڑ کر اُسے سولی پر چڑھا دیا۔ اس طرح اماسس کی پیشین گوئی صحیح نکلی اور ساموس کے جابر کا خاتمہ بُری طرح ہوا۔ ستریپ سے بلا بادشاہ کی اجازت کے یہ حرکت سرزد ہوئی۔ اب مملکت میدیہ میں ایسے نئے نئے انقلابات ہو رہے تھے کہ لوگوں کا خیال تھا کہ خاندان ہخامنش کے زوال کا زمانہ قریب آ پہنچا ہے۔ کمبوجیہ کا قیام ایک عرصہ دراز تک ایک دور دراز ملک میں ہونے کی وجہ سے لوگوں کے دلوں سے اسکا خوف جاتا رہا تھا اور باغیوں و سرکشوں کی ہمتیں بڑھ گئیں تھیں۔ اُس کی دیوانگی نے رعایا کی نظروں میں اسے حقیر کر دیا تھا اور جب انھیں یہ معلوم ہوا کہ صحرائے لیبیا اور حبش میں اُسی کی حماقت سے ایرانی لشکر کو ہزیمت نصیب ہوئی تو رہا سہا رعب و وقار بھی غائب ہو گیا اور وہ آتش نفرت و حقارت جسے مجوسی عرصہ سے سُلگا رہے تھے یکایک بھڑک اٹھی۔ اولاً میدیہ بعدہٗ اہل اشور اور آخر میں ایران کی وفادار رعایا نے بھی کھلم کھلا علم بغاوت بلند کر دیا۔ کمبوجیہ جس شخص کو نائب سلطنت بنا کر آیا تھا یعنی موبد اعظم اردوستیس سب سے پہلے وہی سرکش و منحرف ہو کر باغیوں کا سرغنہ بن بیٹھا۔ اسنے عوام کو طرح طرح کے لالچ و دھوکے دیے۔ محاصل و لگان کی معافیاں اور بیش بہا تحائف و انعام وغیرہ کے وعدے کئے اور جب اُسے یقین ہو گیا کہ وہ اُسکے طرفدار ہو چلے ہیں تو سوچا کہ خود ہی مالک تاج و تخت کیوں نہ بن جاؤں اور ایک اتنی بڑی چال کھیلا جو آج تک تاریخ میں یادگار رہی ہے۔[1]

[1] دارائے اعظم اپنے کتبہ بہستون میں اس بغاوت کا حال اس طرح لکھتا ہے:۔
"پس کمبوجیا بمصر رفت۔ چوں کمبوجیا بمصر رفت پس رعایا چند (او) شدند۔ پس دروغ در دہیم (ولایات) پیدا شد۔ چہ در فارس۔ چہ در میدیہ در دیگر ولایت ہا۔ پس یک مرد مجوس بود۔ گوماتا نام

اُسے معلوم تھا کہ اس کا بھائی گوماتا جس کے ناک و کان کٹ گئے تھے۔ شہزادہ بردیہ پسر کورش اعظم سے کس قدر مشابہ تھا اس لئے جیوں ہی اُس نے آخر الذکر کے قتل کی خبر سُنی فوراً گوماتا کو بردیہ مشہور کر کے تخت پر بٹھا دیا۔ رعایا نے بھی کچھ مزاحمت نہ کی۔ کیونکہ کمبوجیہ کی مجنونانہ حرکات سے وہ پہلے ہی متنفر تھے اور بردیہ سے حد درجہ الفت کرتے تھے اس لئے دام میں آ گئے اور موبد اعظم کی تدبیر کارگر ہو گئی علاوہ بریں اروسپتس نے اپنے بہت سے ایلچی و نمائندے دور دور کے شہروں و مختلف ولائیتوں کو روانہ کئے اور بدذل رعایا کو یقین دلایا کہ بردیہ کی موت کی افواہیں غلط ہیں۔ وہ زندہ ہے اور اپنے بھائی سے لڑ کر سلطنت پر قابض ہو گیا ہے اور جو شخص اس کا ساتھ دیگا اُسے فوجی خدمت اور ہر قسم کا ٹکس بھی تین سال کے لئے بالکل معاف کر دیا جائیگا۔ یہ سُننا تھا کہ تمام ملک میں دھوم مچ گئی اور سب نے بڑے جوش مسرت کے ساتھ نئے تاجدار کو اپنا حاکم و بادشاہ مان لیا مصنوعی بردیہ یعنی گوماتا اپنے بھائی پروہت اعظم کے ہاتھ میں کٹھ پتلی تھا جو کچھ وہ کہتا تھا آنکھہ بند کر کے اُسی پر عمل کرتا تھا اُس نے فوراً انیسیا دنیتیا یورپادرہ گزرم کے عالی شان محل شاہی پر قبضہ کر کے رعایا کو دن میں ایک بار اپنا درشن دکھانا شروع کیا مگر اتنی دوری و فاصلہ سے کہ وہ اس کے چہرہ کا عیب نہ معلوم کر سکے اور اپنے پیارے شہزادے کی شباہت دیکھ کر دھوکے میں آ گئے بعد ازاں کچھ عرصہ کے بعد گوماتا نے افشائے راز کے خوف سے باہر نکلنا بالکل ترک کر دیا۔ اور اندرون محل روپوش ہو کر شب و روز عیش و عشرت کے مزے لینے لگا اور اسکے بھائی نے جس کے ہاتھ میں کل انتظام سلطنت تھا تمام معزز عہدوں پر اپنے دوستوں۔ مصاحبوں و محبوبیوں کو مقرر کرنا

(بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ) او بلند شد (خروج کرد) او بہ مردم چنیں دروغ گفت من بار دیا پور کورش ہستم۔ پس مردم ہمہ با او ہمراہ شدند" (ایران نامہ)

شروع کر دیا۔ جب سب طرف سے اُسے اطمینان ہو گیا تو اکسا تیس خواجہ سرا کو اس نے مصر روانہ کیا تاکہ فوج کو بھی بردیہ کی تخت نشینی کی اطلاع دیکر کمبوجیہ کے خلاف بغاوت پر آمادہ کرے۔ اس چالاک قاصد نے اس اہم کام کو نہایت خوبی و ہوشیاری کے ساتھ انجام دیا۔ اور ہزاروں سپاہیوں کو اپنا موافق بنا کر موقعہ کا منتظر تھا کہ اتنے میں چند شامیوں کے ہاتھ آگیا جو اُسے پکڑ کر انعام و اکرام کی لالچ سے کمبوجیہ کے پاس تھفس لے گئے۔ بادشاہ نے اس کی جان بخشی کا وعدہ کر کے صحیح واقعات بیان کرنے کا حکم دیا۔ خواجہ سرا نے تمام باتوں کی تصدیق کی اور عرض کیا کہ بردیہ ایران پہونچ کر تاج و تخت کا مالک ہو گیا اور اکثر رعایا نے اس کی اطاعت قبول کر لی ہے۔ کمبوجیہ یہ سن کر ایسا حیران و خوف زدہ ہوا جس طرح کوئی کسی مُردہ کو قبر کے باہر زندہ دیکھکر ہوتا ہے۔ باوجود اپنی مخبوط الحواسی کے اسے یہ اب بھی یاد تھا کہ پرگزاسپ نے اپنی واپسی کے بعد اُسے بردیہ کے قتل کی مبارک باد دی تھی۔ تاہم اُسے شبہ ہوا کہ ممکن ہے کہ سفیر ہی نے نوجوان شہزادے کی جان بچا کر دروغ گوئی سے کام لیا ہو اس لئے فوراً اس نے اسے اپنے سامنے طلب کر کے ملامت و سرزنش کی۔ سفیر بہت متحیر ہوا اور قسمیں کھانے لگا کہ میں نے خود اپنے ہاتھوں سے غریب شہزادے کو نہ صرف قتل ہی کیا بلکہ دفن بھی کیا تھا اس پر قاصد سے یہ سوال کیا گیا کہ اس نے نئے بادشاہ کو کبھی اپنی آنکھوں سے بھی دیکھا ہے۔ اس نے کہا نہیں۔ کیونکہ بادشاہ صرف چند ہی مرتبہ محل کے باہر نکلے تھے اور لوگوں نے صرف دور سے انھیں دیکھا تھا۔ پرگزاسپ فوراً سمجھ گیا کہ ہو نہ ہو اس میں کچھ دال میں کالا ہے۔ اور موبد اعظم کی شرارت و دغابازی معلوم ہوتی ہے۔ اس نے کمبوجیہ کو باغات معلقہ کا وہ واقعہ یاد دلایا۔ جب گوماتا کے ہم شکل بردیہ ہونے کے سبب سے بڑے بڑے لوگوں نے دھوکہ کھایا تھا۔ اور کہا کہ یہ بھی اُسی کی کارستانی معلوم ہوتی ہے اگر نہ ہو تو وہ بخوشی اپنا سر کاٹ کر بادشاہ کے قدموں پر رکھ دیگا۔

کمبوجیہ کو یہ سُنکر پورا یقین ہوگیا اور اُس وقت سے دن رات اسی فکر میں رہنے لگا کہ کس طرح جلدی جا کر بے ایمان مجوسی کو ماروں اور اُس سے بدلہ لوں۔ اس نے افواج شاہی کو تیاری کا حکم دیا۔ اور ایک ہخامنش سردار اریندز نامی کو مصر کا والی مقرر کرکے فوراً مع اپنے تمام لشکر کے ایران روانہ ہوگیا۔ کمبوجیہ کے سر پر اب ایک نیا جنون سوار تھا۔ رات دن اُس نے برابر کر دیئے اور بلا کسی جگہہ آرام لئے نہایت تیزی کے ساتھ کوچ کرتا ہوا ملک شام آیا۔ یہاں ایک دن وہ اپنے اسپ صبا رفتار پر سوار حسب معمول سفر کر رہا تھا کہ یکایک گھوڑا راستہ میں اڑ گیا۔ اس پر اُسے سخت غصہ آیا اور اتنی ٹھوکریں ماریں کہ جانور بیدم ہوکر زمین پر گر پڑا۔ اور اتفاقیہ وہ خنجر جو اُس کی پیٹی میں بندھا ہوا تھا اپنے میان سے نکل کر خود اُسی کے پہلو میں پیوست ہوگیا[1]۔ یہ دیکھکر چاروں طرف سے لوگ دوڑ پڑے اور اُسے اُٹھا کر خیمہ میں لے گئے۔ یہاں کئی دن تک بیہوش رہنے کے بعد ایک روز اُس کی حالت کچھ رو باصلاح نظر آئی اور آنکھیں کھولتے ہی سب سے پہلے اُس نے آریاسپ کو پوچھا۔ بعدہٗ اپنی ماں واتوسا کو یاد کیا مگر یہ معلوں نو مہینے پہلے کبھی کے ایران روانہ ہوگئے تھے۔ بادشاہ کی باتوں سے اب ظاہر ہونے لگا کہ تین سال ہوئے جب اُسے بخار کا پہلا حملہ ہوا تھا اُس وقت سے اب تک کا تمام زمانہ اس کے لئے ایک خواب پریشان تھا۔ یعنی دوران کا جو واقعہ اُس سے بیان کیا جاتا

---

[1] کمبوجیہ کی موت کا حال کتبہ بیستون میں اس طرح لکھا ہے کہ جس سے یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ اُس نے خودکشی کی اس میں مورخین کا اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ اتفاقیہ گھوڑے سے گر پڑا اور اپنے ہی خنجر سے مجروح ہوا۔ اور (۲۰) دن زندہ رہ کر مر گیا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ اُس نے خودکشی کی۔ داریوش کے کتبہ کے الفاظ کا دونوں طرح سے مطلب نکل سکتا ہے۔ مگر راللنس کا خیال ہے کہ خودکشی کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی۔ بظاہر اس کی موت اتفاقیہ ہوئی تھی

(ایران نامہ)

اُسے نیا و عجیب معلوم ہوتا جسے سنکر حد درجہ خود اُسے رنج و افسوس ہوتا۔ سوائے اپنی بھائی
کی موت کے اور یہ کہ پرکزہ اسپس نے اُسی کے حکم سے بردیہ کو قتل کر کے اس کی لاش بحر
احمر کے ساحل کے قریب کہیں دفن کردی تھی اور کوئی بات اُسے یاد نہ تھی پھر بتدریج اُسے
پورے طور سے یہ احساس ہونے لگا کہ ایک عرصۂ دراز تک وہ پاگل و مجنوں رہا ہے
غرضکہ وہ تمام رات اسی تاسف و پشیمانی میں کٹی۔ صبح ہوتے ہی اُس کی آنکھ لگ گئی اور جب
سو کر اٹھا تو اتنی طاقت آگئی تھی کہ کری سمس کو اپنے سامنے طلب کیا اور اُس سے کہا
کہ گزشتہ واقعات کا اعادہ کرے۔ اس معمر و بزرگ شخص نے جو کمبوجیہ کا سچا بہی خواہ
مشیر و دمساز تھا اپنے آقا کے حکم کی تعمیل کی۔ گزشتہ حالات کہہ سنائے اس کے تمام
بیجا حرکات و مظالم بھی بے کم و کاست بیان کر دیئے مگر اُسے امید نہ تھی کہ اس کے مخاطب
پر کچھ اثر پڑیگا یا آیندہ کے لئے وہ متنبہ ہوگا اس لئے جب اس نے اسکے خلاف دیکھا اور
بادشاہ کے مزاج میں ایک عجیب و غریب تغیر پایا تو اُسے سخت حیرت و مسرت ہوئی۔
کمبوجیہ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے وہ اپنے گناہوں پر حد درجہ نادم و پشیمان تھا اور
اپنے جنون پر لعنت بھیج رہا تھا۔ بعدہٗ اُس نے کری سمس کا ہاتھ پکڑ کر بڑی عاجزی سے
معافی مانگی۔ اس کے تحمل و صبر کا شکریہ ادا کیا اور آخر میں یہ کہا کہ جن جن لوگوں پر میں نے
ظلم کیا ہے خصوصاً ملکہ۔ سافو اور اتوسا۔ ان سب سے میری طرف سے ہاتھ جوڑ کر
معافی مانگنا۔ کری سمس نے بادشاہ کے منہ سے یہ الفاظ سُنے تو اُس سے بھی ضبط
نہ ہو سکا۔ بے اختیار رونے لگا۔ اور اپنے آقا کو تسکین و تسلی دیکر کہنے لگا کہ گھبرائیے
نہیں آپ اچھے ہو جائیگا۔ اور اپنی جود و سخا، فیض و کرم سے گزشتہ باتوں کی تلافی کر سکینگے
کمبوجیہ نے گردن کے اشارہ سے ناامیدی ظاہر کی اور باصرار کہا کہ مجھے اُٹھا کر باہر
لے چلو اور ایک بلند مقام پر تخت بچھا کر تمام امرا و وزرا کو سامنے حاضر کرو۔ اس پر طبیبوں
و حکیموں نے بہت منع کیا مگر بادشاہ نے نہ مانا۔ اس کی خواہش پوری کی گئی۔ وہ تخت پر

گدی سے ٹیک لگا کر سیدھا ہو کر بیٹھا اور ایک ایسی بلند آواز سے جو دور تک سنائی دیتی تھی حاضرین سے یہ خطاب کیا " ایرانیو! اب وہ وقت آ گیا ہے کہ میں تمہیں اپنے ایک بہت بڑے راز سے آگاہ کروں کچھ زمانہ ہوا کہ ایک خواب دیکھ کر میں دھوکہ میں پڑ گیا اور اپنے بھائی سے ایک معمولی بات پر ناراض ہو کر میں نے پرگزاسپ کو خفیہ طور پر اس کے قتل کا حکم دیا جس کی تعمیل کی گئی مگر بجائے اسکے اس سے مجھے چین و اطمینان نصیب ہوتا مجھ پر جنون و دیوانگی کا تسلط ہو گیا اور ایسے افعال سرزد ہوئے جو اب میرے انتہائے روحانی تکالیف کا باعث ہیں۔ میں اپنی غلطیوں کا اعتراف کرتا ہوں اور اپنے گزشتہ حرکات پر حد درجہ نادم ہوں۔ ساتھ ہی تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ میرا بھائی بردیہ اب زندہ نہیں ہے تم نے سنا ہوگا کہ مجوس تخت ایران پر قابض ہو گئے ہیں۔ اس فتنہ کا بانی دسرغنہ موبد اعظم اروپستیس یعنی میرا نائب سلطنت ہے جس نے اپنے بھائی گوماتا کو بردیہ مشہور کر کے ایرانیوں کو فریب دیا ہے۔ تمہیں یاد ہوگا کہ یہ وہی گوماتا ہے جسے ایک مرتبہ دیکھ کر کریسس انتافرس اور میرے مکرم و بزرگ چچا گستاشپ بھی دھوکہ میں آ گئے تھے اور اسے میرا بھائی سمجھے تھے۔ ہیہات صد ہزار افسوس کہ مجھ ہی کمبخت نے اپنے ایسے قوت بازو و عزیز برادر کو تہ تیغ کرا دیا جو اگر آج زندہ ہوتا تو ضرور ان بدمعاش مجوس سے ان کی گستاخی و دغابازی کا بدلہ لیتا۔ افسوس کہ مُردے کو کوئی زندہ نہیں کر سکتا۔ پیارے بردیہ کو میں اپنی مدد کے لئے نہیں بلا سکتا اس لئے اب تم ہی لوگوں سے اپنی آخری وصیت کرتا ہوں اور سلطنت کی بہبودی کا ذمہ دار ٹھیراتا ہوں تمہیں میرے بزرگ اجداد فروش کی قسم اور تمام پاک و نیک ارواحوں کا واسطہ ہرگز ہرگز اپنے ملک کی حکومت ان دغاباز مجوس کے ہاتھ میں نہ جانے دینا۔ انہوں نے اس وقت اپنی چالاکی و فریب سے تسلط حاصل کر لیا ہے جس کے جواب میں تم بھی انھیں تدابیر کو عمل میں لانا اور اگر وہ آمادۂ جنگ ہوں تو اپنی پوری قوت کے ساتھ ان کا مقابلہ کرنے میں کبھی کوتاہی نہ کرنا اور جب تک

ان پر غالب نہ آجاؤ آرام سے نہ بیٹھنا۔ یاد رکھو یہ میری آخری وصیت ہے اس پر عمل کروگے تو دنیا کی نعمتیں تم پر کشادہ ہو جائیں گی۔ تم صاحب اولاد ہوگے۔ تمہارے گلّے بڑھیں گے تمہاری کھیتیاں بارور ہوں گی اور ہمیشہ عزت وآبرو کے ساتھ زندگی بسر کروگے۔ لیکن بخلاف اس کے اگر تم نے میرا کہنا نہ مانا تو اہرمن کے پنجۂ لعنت میں گرفتار ہوگے اور ایسی ایسی مصیبتیں نازل ہوں گی کہ نہ صرف تم بلکہ ایران کا ہر بچہ بچہ کفِ افسوس ملتا ہوا اس دنیا سے سدھاریگا۔[۱]"

یہ کہہ کر بادشاہ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔ اور انتہائی ضعف وناتوانی سے پیچھے گر پڑا۔ سردارانِ ایران نے اپنے شہنشاہ کی یہ حالت دیکھی تو کپڑے چاک کر کے آہ وبکا کے نعرے بلند کرنے لگے۔ چند گھنٹوں کے بعد کمبوجیہ، کریسس کی آغوش میں جاں بحق تسلیم ہوگیا۔ دم واپسیں اُسے تنتیس کی یاد پھر آئی۔ اُسی کا نام لبوں پر تھا اور آنکھیں افسوس وندامت سے پُر نم تھیں۔ جب ایرانی مُردے کی لاش کو جسے وہ نجس سمجھتے ہیں چھوڑ کر چلے گئے تو کریسس اس کے قریب دوزانو بیٹھا اور آسمان کی طرف اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر کہنے لگا "کورش اعظم۔ میں نے اپنا وعدہ پورا کردیا۔ اور تیرے اس بدنصیب لڑکے کا آخری وقت تک ساتھ دیا۔"

دوسرے دن یہ شریف ونیک مزاج لیڈیہ کا معزول تاج دار اپنے لڑکے کے ساتھ برنی چلا گیا یہ اس کی جاگیر کا شہر تھا۔ یہاں کئی سالوں تک وہ زندہ رہا۔ رعایا اُسی اپنے باپ کے برابر سمجھتی تھی۔ دارا اس کی بہت عزت کرتا تھا اور اُس زمانہ کے تمام مشہور لوگ اسے نہایت قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

کمبوجیہ کی وفات کے بعد ایران کے سات بڑے بڑے قبیلوں کے سردار اکٹھا جمع ہوئے۔ انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ سب سے پہلے غاصب یا نئے حکمراں کی شناخت

---

[۱] یہ تقریر مورخ ہیروڈ کی کتاب سے ماخوذ ہے (ایبر)

کی جائے۔ اور اس کے متعلق تمام حال دریافت کیا جائے۔ اس لئے اناتس نے اپنا ایک وفادار خواجہ سرا خفیہ طور سے اپنی لڑکی فدیما کے پاس بھیجا جو نینیوا کے محل میں دیگر بیگمات کے ساتھ نئے بادشاہ کے تصرف میں آگئی تھی۔ قاصد کے واپس آنے سے پہلے فوج کا بیشتر حصہ منتشر ہو چکا تھا اور سپاہی اپنے اپنے وطن واپس چلے گئے تھے۔ آخر کار بڑے انتظار کے بعد خواجہ سرا واپس آیا اور اناتس کو بیٹی کی طرف سے یہ پیغام پہونچایا کہ صرف ایک بار نیا بادشاہ مجھ سے ملنے آیا تھا۔ رات کے وقت جب وہ سو گیا تو میں نے اپنی جان خطرے میں ڈال کر اچھی طرح اُسے دیکھ کر یہ معلوم کر لیا کہ اسکے دونوں کان غائب ہیں۔ اس سے پہلے بھی مجھے شبہ تھا کہ یہ غاصب جو بردیہ سے اس قدر زیادہ مشابہ ہے درحقیقت گوماتا برادر اروپنتس ہے۔ کیونکہ یہ راز میرے پرانے دوست بوگس نے جو آج کل خواجہ سراؤں کا سردار ہے مجھ پر افشا کر دیا تھا بوگس کو پروہت اعظم نے ایک دن شوس کی سڑکوں پر بھیک مانگتے دیکھا فوراً اسے اپنے ساتھ لے لیا اور کہنے لگا کہ میں نے تجھے پہچان لیا ہے تو مفرور ملزم ہے جسے قتل کا حکم مل چکا ہے مگر خیر تو اب میرے ساتھ چل۔ مجھے آج کل تجھ ایسے لوگوں کی بہت ضرورت ہے۔ اس دن سے اس نے اُسے اپنے پرانے عہدہ پر بحال کر دیا ہے۔ آخر میں فدیما نے بڑی منت و عاجزی سے کہلا بھیجا کہ کسی نہ کسی طرح مجھے اس کمبخت مجوسی سے جو میرے ساتھ بہت برا برتاؤ کر رہا ہے نجات دلائے۔ میری حالت ناگفتہ بہ ہے اور اگر جلد مدد نہ کیجئے گا تو زہر کھا کر مر جاؤں گی۔ گو کہ اس سے پہلے بھی کسی ہخامنشی سردار کو یقین نہ تھا کہ بردیہ ابھی تک زندہ ہے تاہم فدیما کا یہ پیغام سنکر اُن کے رہے سہے شکوک بھی دور ہو گئے اور اچھی طرح پتہ چل گیا کہ غاصب کون شخص ہے۔ اسکے بعد زیادہ تاخیر کی ضرورت نہ تھی وہ فوراً اپنی باقی ماندہ فوج کے ساتھ مینسیا روانہ ہوئے اور اپنی قوت یا حکمت عملی سے مجوس کا خاتمہ کرنے کی تدابیر

سوچنے لگے۔ بالآخر جب وہ نئے پایۂ تخت کے قریب آئے تو اپنی دوستی کا اعلان کر کے
شہر کے اندر بلا مزاحمت داخل ہو گئے۔ وہاں یہ معلوم ہوا کہ تمام رعایا نئے بادشاہ کی
طرفدار ہو گئی ہے۔ انھوں نے بھی یہ کہنا شروع کیا کہ ہمیں بھی شہنشاہ عالی جاہ کے
سامنے اپنی اطاعت و فرمانبرداری کا اظہار کرنے کی غرض سے دربار میں حاضر ہونے
کی اجازت دی جائے۔ مگر مجوس دھوکے میں نہ آئے اور اپنے قلعہ کے اندر بیٹھے
رہے وہیں سے انھوں نے انعام و اکرام کے لالچ دیکر مینسیا کے میدان میں ایک
فوج جمع کی اور اُسے یقین دلانا چاہا کہ درحقیقت شہزادہ بردیہ ہی ان کا نیا بادشاہ
ہے۔ موجودہ حالت کے لحاظ سے اگر کسی شخص سے انھیں ڈر تھا یا کوئی ان کی مدد
کر سکتا تھا تو وہ پرکزاسپ تھا جس کی ایرانی بڑی عزت کرتے تھے اور جو یہ کہہ کر کہ
میں نے بردیہ کو نہیں مارا اس کی موت کی افواہوں کو بالکل باطل و بے بنیاد ثابت
کر سکتا تھا۔ سفیر آج کل بالکل علیحدہ ایک کنج تنہائی میں اپنی عمر۔ وہ زندگی بسر کر رہا تھا۔
کیونکہ جب سے اس کے دوستوں و ساتھیوں نے بادشاہ کی زبانی قتل بردیہ کا حال
سُنا تھا تو نہایت متنفر ہو کر انھوں نے اس سے ملنا جلنا ترک کر دیا تھا اس لئے
اروسپتیس کو اور بھی اپنی کامیابی کی امید ہوئی۔ ایک دن اُس نے خفیہ طور سے اسے
اپنے پاس بُلایا اور بہت انعام و اکرام کے لالچ دیکر کہا کہ تم ایک بلند مینار پر چڑھ کر
اُن لوگوں سے جو نیچے جمع ہوں گے کہہ دینا کہ دشمن مجھے بردیہ کا قاتل بتاتے ہیں مگر
یہ سراسر غلط ہے۔ میں نے خود اپنی آنکھوں سے نئے شہنشاہ کو دیکھا ہے اور اس امر
کی تصدیق کر سکتا ہوں کہ وہی شہزادہ بردیہ ہے۔ پرکزاسپ اس بات پر راضی ہو گیا
اور اپنے بال بچوں کو بڑی محبت سے رخصت کر کے آتشکدہ میں دعا مانگنے کے بعد
اس وسیع میدان کی طرف جو محل کے قریب تھا روانہ ہوا یہاں لوگ جوق جوق اسکا
اعلان سُننے کے لئے جمع ہو رہے تھے۔ راستہ میں اُسے سفت قبائل کے سردار ملے

جنھوں نے نہایت بیرخی کے ساتھ اس کی طرف سے مُنہ پھیر لیا- یہ دیکھ کر اُس نے باآواز بلند کہا "بیشک میں اسی نفرت وحقارت کا مستحق ہوں- کاش کہ میں تلافی مافات کر کے آپ لوگوں کی نظروں میں قابل معافی ہو سکتا" یہ سُن کر دارا نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو وہ جلدی سے آگے بڑھا اور اُس کا ہاتھ پکڑ کر کہنے لگا "دارا میں تمہیں اپنے فرزند سے زیادہ عزیز سمجھتا ہوں- اگر میں مر جاؤں تو میرے بچوں کی خبر گیری کرنا- اے ذوالجناح دارا! دیکھو اب وقت آگیا ہے- تمہارے بازوؤں کی آزمائش کا یہی موقع ہے دیکھو اُن سے بخوبی کام لینا" یہ کہہ کر بڑے استقلال واطمینان کے ساتھ مینار پر چڑھ گیا اور ایک ایسی بلند آواز سے جو دور دور تک ہزاروں آدمیوں کو سنائی دیتی تھی چلّا کے بولا "آپ سب لوگوں کو معلوم ہے کہ وہ تمام تاجدار جو آج تک اس ملک پر حکمراں اور اس کی عزت وشان وشوکت کا باعث ہوئے ہیں- خاندانِ ہخامنش سے تھے- کورش اعظم نے ایک مہربان باپ کی طرح حکومت کی- کمبوجیہ نے سختی کا برتاؤ کیا اور بردیہ بھی اگر زندہ ہوتا اور میرے ان ہاتھوں نے اسے قتل کر کے بحراحمر کے ساحل پر دفن نہ کر دیا ہوتا تو آج وہ بھی تاج شاہی اپنے سر پر رکھ کر ہمارے لئے باعث رحمت وعظمت ہوتا- متھرا کی قسم! بادشاہ کے حکم سے مجبوراً مجھ سے یہ شرمناک فعل سرزد ہوا- جس کا ابھی تک نہ صرف میرے دل میں ازحد قلق ہے بلکہ میری زندگی تلخ اور میرا آرام وچین حرام ہو گیا ہے- چار برس مجھ پر چار صدیوں کی طرح گزرے ہیں اور ایک ایسے جانور کی مثال جس کے پیچھے شکاری کتے لگے ہوں ملامت، پشیمانی اور انتقام کے دیو ایک لمحہ کے لئے بھی میرا پیچھا نہیں چھوڑتے ہیں- اس لئے اب میں نے مصمم ارادہ کر لیا ہے کہ اس کمبخت وذلیل زندگی کا جہاں تک جلد ہو سکے خاتمہ کر دوں- اور اگر ممکن ہو تو کوئی نیک کام کر کے اس روحانی مصیبت وصعوبت سے نجات پاؤں- گو مجھے یہ معلوم ہے کہ چنود کے پُل پر سے گزرنا میرے لئے محال ہے-

اور آخرت کا عذاب ضرور میری قسمت میں ہے تاہم کم سے کم یہ تو ہو گا کہ لوگ مجھے برا نہ کہیں گے اور وہ کلنگ کا ٹیکہ جو میرے ماتھے پر لگا ہے تھوڑا سا مٹ جائیگا۔

لوگو۔ آگاہ ہو اور جانو! کہ جو شخص کورش اعظم کے پسر ہونے کا دعوی کر رہا ہے اسی نے مجھے انعام و اکرام کی لالچ و طمع دیکر تمہارے سامنے بھیجا ہے کہ اس مینار پر کھڑے ہو کر تمہیں دھوکہ دوں اور یقین دلاؤں کہ یہ غاصب روح رواں ہنجامنش یعنی ہمارا متوفے بردیہ ہے لیکن میں اس کے جھوٹے دعوے کو نفرت سے دیکھتا ہوں اور اس کے وعدے و انعام و اکرام پر لعنت بھیجتا ہوں۔ اور بڑی سی بڑی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ پاک و مقدس متھرا اور بزرگ شاہنشاہوں کے فروش میرے گواہ ہیں یعنی جو شخص تم پر حکومت کر رہا ہے وہ ایک ذلیل پروہت ہے اور موبد اعظم و نائب سلطنت اروسپتیس کا چھوٹا بھائی ہے جس کے دونوں کان و ناک پہلے ایک جرم کی سزا میں جو سب جانتے ہیں قطع کر دیئے گئے تھے۔ اگر تم خاندان ہنجامنش کے احسانات فراموش کرنا چاہتے ہو۔ اگر تم کور باطن و کوتاہ اندیش ہو اور ذلت و خواری کو ترجیح دیتے ہو تو البتہ ان بدذات مجوس کی اطاعت کرو۔ انھیں اپنا حاکم مانو۔ لیکن اگر تمہیں دروغ سے نفرت ہے اور ایک دغاباز و نالائق شخص کو اپنا بادشاہ بنانا باعث ننگ سمجھتے ہو تو میں کہتا ہوں اور پھر کہتا ہوں کہ قبل اس کے کہ پاک و مقدس متھر آسمان سے رخصت ہو جائے ان مجوسیوں کو نکال دو اور خاندان ہنجامنش کے اس سب سے بڑے شریف و نجیب و فرزانہ روزگار یعنی دارا ابسر گستاشپ کو جو مجھے یقین ہے کہ کورش ثانی ضرور ہو گا اپنا شہنشاہ منتخب کرو۔ اب اس لئے کہ تم میرا قول سچ جانو اور یہ نہ سمجھو کہ دارا نے مجھے اپنی طرف سے سکھا پڑھا کر یہاں بھیجا ہے۔ میں اپنی صداقت کا ثبوت دیتا ہوں جس سے امید ہے کہ تمہارے تمام شبہات دور ہو جائیں گے اور تمہیں یقین ہو جائے گا کہ ہنجامنش کی بہبودی و عزت مجھے اپنی جان سے زیادہ عزیز ہے۔ آگاہ ہو کہ تم نے میری رائے

پر عمل کیا تو یزدان پاک تمہاری مدد کرے گا اور تم پر اپنی برکتیں نازل فرمائیگا۔ لیکن اسکے خلاف کیا اور مجوس سے انتقام نہ لیا تو تم پر ابدالآباد تک اس کی لعنت و پھٹکار برسے گی۔ دیکھو بھائیو! میں اب سچائی اور ایمانداری کے ساتھ اس دنیا سے رخصت ہوتا ہوں"۔ یہ کہہ کر وہ مینار کی سب سے اونچی چوٹی پر چڑھ گیا اور وہاں سے بے دھڑک نیچے کود پڑا۔ زمین پر گرتے ہی اُس کا دم نکل گیا اور اس شریفانہ خودکشی نے اُس کی زندگی کی سب سے بڑے گناہ کی تلافی کر دی۔ سب لوگ جو بالکل خاموش و حیرت زدہ اُس کی تقریر سُن رہے تھے یہ حالت دیکھتے ہی اپنے آپے سے باہر ہو گئے اور پکڑو مارو کے نعرے بلند کرتے ہوئے محل شاہی کی طرف بڑھے اور اُس کے دروازے توڑ کر اندر گھسنے والے تھے کہ ساتوں[۱] سرداران ہخامنش نے سامنے آ کر انھیں روک دیا۔ انھیں دیکھتے ہی عوام نے خوشی کے نعرے بلند کئے اور بڑے جوش و خروش سے کہا "شہنشاہ دارا یاوش کی فتح"۔ پھر گستاسپ کے فرزند ذی شان کو لوگ اپنے سروں پر اٹھائے ہوئے لیچلے اور ایک بلند مقام پر کھڑا کر دیا جہاں سے اُس نے بآواز بلند اعلان کیا کہ ہخامنش نے بدذات و غاصب مجوس کا خاتمہ کر دیا ہے۔ یہ سُنتے ہی لوگوں نے پھر نعرۂ خوشی بلند کیا اور کچھ دیر بعد جب ارو سپتس اور گوماتا کے خون آلود سر انھیں دکھائی دیئے تو ان کے جوش کی انتہا نہ تھی۔ وہ سڑکوں پر چلّاتے و نعرے مارتے دوڑتے پھرتے تھے اور جہاں کوئی مجوسی نظر آیا مار ڈالتے تھے۔ غرض کہ یہ خوفناک قتل عام جب تک رات نہ ہوئی برابر جاری رہا۔ اس واقعہ کے چار دن بعد تمام سرداران ہخامنش

[۱] کتبہ بہستون میں دارا اپنے علاوہ چھ سرداروں کا نام لکھتا ہے۔ یہ حسب ذیل ہیں:۔
(۱) انتافرس یا ودفرنا۔ (۲) اتانس۔ یا اتانا۔ (۳) گیریاس یا گاوبرودا۔ (۴) ہدرانس یا وی دارنہ۔ (۵) میگابازوس۔ بگابازیا باغ بخش۔ (۶) اردومنش یا اسپاچنا۔ زمانہ مابعد میں ان کی اولاد کو خاص حقوق عطا کئے گئے اور وہ ہمیشہ شہنشاہ کے مصاحب خاص رہے۔ (ایران نامہ)

ایک جا جمع ہوئے اور دارا پسر گستاسپ کو بوجہ اُس کے مرتبہ اور قابلیت کے اپنا بادشاہ منتخب کیا۔ یہ خبر مشہور ہوتے ہی تمام ایران میں خوشی و مسرت کے شادیانے بجنے لگے دارا نے خود اپنے ہاتھ سے گوماتا کو قتل کیا اور بگا باز پدر دُوہ یا نے اُس کے بھائی موبد اعظم کی خبر لی اور خنجر کے گھاٹ اُتارا۔ جس وقت پر کرہ اسپ لوگوں کے سامنے تقریر کر رہا تھا تو ساتوں سردار یعنی آتانا۔ انتافرس۔ گاوبردا۔ بگاباز۔ اردومنش۔ ویدارنہ۔ اور دارا جو بجائے اپنے معمر باپ کے اُن کے ساتھ شامل ہو گیا تھا محل کے اُس دروازہ سے جہاں زیادہ پہرہ وغیرہ نہ تھا چپکے سے اندر داخل ہو گئے۔ یہاں اُنھیں پتہ لگا کہ مجوس کس جگہ جمع ہیں اور چونکہ وہ محل کے کونے کونے سے واقف تھے اور اکثر محافظ سپاہی بھی اس وقت باہر کا تماشہ دیکھنے میں مصروف تھے اس لئے بآسانی اُن کے سر پر پہنچ گئے یہاں چند خواجہ سراؤں نے جن میں بوگس بھی شامل تھا مقابلہ کرنا چاہا مگر مغلوب ہو کر سب مارے گئے بوگس کو پہچانتے ہی دارا نے بڑے جوش و خروش سے اُس پر حملہ کیا اور ایک ہی وار میں اس کا خاتمہ کر دیا۔ خواجہ سراؤں کے چیخنے چلانے کی آوازیں سُنکر تمام مجوسی گھبرا کر باہر نکلے اور ایرانی سرداروں کو دیکھتے ہی جان توڑ کر مقابلہ کیلئے تیار ہو گئے۔ اروسپتس نے مقتول بوگس کے ہاتھ سے نیزہ چھین کر انتافرس کی ایک آنکھ پر ایسا تاک کر مارا کہ اُسے کور کر دیا۔ پھر اردومنش کا پیر بھی سخت زخمی کیا۔ اتنے میں بگاباز نے سامنے آکر اُس کے سینے میں اس زور سے خنجر مارا کہ موبد اعظم لڑکھڑا کر گرا اور

ا؎ دارا کتبہ بیستون میں اس طرح لکھتا ہے:۔

"مردی نہ در فارس۔ نہ در مید۔ نہ در تخمہ ما کسے کہ آں گاومتا مجوس را از سلطنت محروم بکند۔ تا اینکہ من دبہ ایران، رسیدم۔ پس من از اورمزد کمک خواستم۔ اورمزد (خداوند) مرا یاری کرد۔ دہم روز شدہ بود آں وقت من با مردم (عدہ قلیل)، آں گاومتا مجوس را کشتم ودم دے کہ پیش بودند در ہمراہی با او (مقصود اینکہ گوماتا را با ہم اہیائش بقتل رسانیدم) ایں واقعہ در قلعہ نسایا در میدان اتفاق افتاد۔ گوماتا شش ماہ سلطنت کرد) (ایران نامہ)

تڑپ تڑپ کر جان توڑنے لگا۔ گوماتا نے یہ حال دیکھا تو وہاں سے بھاگا اور ایک کمرے کے اندر گھس کر دروازہ جلدی سے بند کرنے ہی والا تھا کہ دارا و گاو برو ابلائی ناگہانی کی طرح اُس کے سر پر پہنچ گئے گاو بروا نے اُسے پکڑ کر زمین پر دے مارا اور سینہ پر چڑھ بیٹھا۔ کمرہ بالکل تنگ و تاریک تھا۔ دارا کو سخت پس و پیش ہوا کہ اگر مجوسی کو مارتا ہوں تو کہیں اپنے دوست کو ضرر نہ پہنچے گاو بروا کو جیوں ہی یہ معلوم ہوا اُس نے چلّا کر کہا "اب تامل کا موقعہ نہیں ہے۔ جلدی مارو مجھے مضائقہ نہیں اگر میں بھی زخمی ہو جاؤں" تب دارا نے ہاتھ سنبھال کر اپنے خنجر کا وار کیا جو خوش قسمتی سے صرف مجوسی ہی کے سینہ پر پڑا۔ اس طرح ارو ستپس اور گوماتا دونوں دغاباز اپنے کیفر کردار کو پہنچے۔ آخر الذکر جھوٹے سمروس کے نام سے آج تک تاریخ میں مشہور ہے۔ دارا کے انتخاب کے متعلق طرح طرح کی روایتیں مشہور ہوئیں۔ کوئی تو الہامات و علامات آسمانی پر اسے مبذول کرتا تھا اور کوئی اسکے ایک سائیس کی ہوشیاری و چالاکی بتاتا[۱]

[۱] دارا کے انتخاب کے متعلق یونانی مورخ لکھتے ہیں کہ جب گوماتا کا قتل ہو چکا تو وہ ساتوں پنجا منشی سردار جنہوں نے اس بغاوت کے فرو کرنے میں حصہ لیا تھا آپس میں جھگڑنے اور سلطنت کا دعویٰ کرنے لگے۔ بالآخر یہ طے پایا کہ ایک دن بوقت صبح شہر کے باہر ایک ساتھ نکلیں گے جس کسی کا گھوڑا پہلے ہنہنائے وہی بادشاہ ہوگا۔ دارا کا ایک نہایت ہوشیار سائیس تھا۔ اُس نے راستہ میں ایک گھوڑی باندھ دی اور رات کے وقت اپنے مالک کے گھوڑے کو وہاں لیجا کر اُسے دکھا دیا۔ دوسرے دن جب سب نکلے تو دارا جلدی سے اپنا گھوڑا دوڑا کر اُسی مقام پر پہنچا۔ جہاں گزشتہ شب گھوڑے کی مادہ بندھی تھی اس لئے وہ بڑے زور سے ہنہنایا۔ دارا نے بازی جیت لی اور سب نے اُسے اپنا بادشاہ مان لیا۔ یہ حکایت بظاہر غلط معلوم ہوتی ہے کیونکہ اول تو کتبہ بیستون میں دارا صاف طور سے کہتا ہے کہ خود میں نے گوماتا کو مار کر اپنے زور بازو سے سلطنت حاصل کی دوم خاندانی اور ذاتی قابلیتوں کے لحاظ سے بھی سوائے اسکے اور کوئی دوسرا بادشاہ نہیں ہو سکتا تھا۔ (ایران نامہ)

تھا۔ غرض کہ چند ہی ہفتوں بعد پارساگرد میں پسر گستاسپ کا ایک نہایت عالی شان جشن تاج پوشی[۵۱] منعقد ہوا۔ اور اُس کے تھوڑے ہی عرصہ بعد اپنی پیاری اتوسا سے شادی کر کے اس سے بھی زیادہ دھوم دھام کے ساتھ اُس نے خوشیاں منائیں۔ گزشتہ واقعات نے اتوسا کے مزاج میں غیر معمولی صلاحیت پیدا کر دی تھی۔ وہ اپنے پیارے شوہر دارا کے آخری وقت تک بڑی رفیق و ہمدم[۵۲] اور نہایت وفادار بیوی رہی۔ اور اُسکے مشہور و معروف کارناموں میں ہمیشہ حصہ لیتی رہی۔ پرکزاسپ کی پیشین گوئی صحیح نکلی دارا اتنا بڑا بادشاہ گزرا کہ نہ صرف ایران بلکہ تاریخ عالم میں باعثِ فخر[۵۳] ہے۔ وہ ایک نہایت

۵۱۔ تمام شاہان ہخامنش اپنی رسم تاج پوشی کے لئے پارساگرد جاتے تھے جو کورش اعظم بانی سلطنت کا مدفن ہونے کے سبب سے نہایت متبرک سمجھا جاتا تھا۔ عموماً یہ رسم بڑی دھوم دھام کے ساتھ ایک عالی شان معبد میں ادا کی جاتی تھی جہاں موبد اعظم نئے بادشاہ کے سر پر تاج رکھتا تھا۔ (رالنس)

۵۲۔ اتوسا دارا کی سب سے زیادہ چہیتی بیوی تھی۔ اسی کا لڑکا خشایارشا یا زرکسیز ولیعہد سلطنت مقرر ہوا گو کہ دختر گاوبروا کے بطن سے تین بڑے لڑکے موجود تھے۔ (ڈایبر)

۵۳۔ اُس زمانہ میں باستثنائے یونان تمام متمدن دنیا پر درفش کوانی لہراتا تھا۔ ایک طرف فتوحات کا ڈنکا بجتا تھا۔ حدود مملکت میں ترقیاں ہوتی تھیں۔ دوسری طرف استخر۔ شوس۔ و ہمدان میں بڑے بڑے قصر تیار کئے جاتے تھے ملک آباد رعایا خوش حال تھی۔ ہر طرف امن و امان اور عیش و راحت نظر آتا تھا اس حالت کا اندازہ کرنیکے پہلے اُس زمانہ کے تمدن اور مشکلات حکومت پر خیال کرنا چاہئے کہ اتنی وسیع سلطنت جسکے ایک سرے سے دوسرے سرے تک پہونچنے میں ایک سال سے زیادہ صرف ہوتا تھا جس میں مختلف مذاہب و ہزاروں قومیں بستی تھیں جو درحقیقت ایک سلطنت نہ تھی بلکہ دنیا تھی جسکے حکمراں کی ذرا سی غفلت سے ہر جگہ ابتری پیدا ہو جانے کا اندیشہ تھا۔ اس پر چھتیس[۳۶] برس تک جو اس خوبی کے ساتھ حکومت کرے وہ دارا ہی کا حق تھا۔ سچ تو یہ ہے کہ بعدہ اگر ایک جانشین بھی اُسکا ہمسر ہوتا تو ایشیا و یورپ کا نقشہ بالکل بدل جاتا اور دنیا کی تاریخ دوسرے ہی طرز پر لکھی جاتی۔ (ایران نامہ)

قابل و دلیر جنرل تھا اور انتظام سلطنت میں اپنا نظیر نہ رکھتا تھا۔ اس نے اپنی عظیم الشان مملکت پر اس خوبی کے ساتھ حکمرانی کی ہے کہ دنیا کے مشہور و معروف المعروف بادشاہوں میں اس کا شمار کیا جاتا ہے اور یہ صرف اُسی کی قابلیتوں کا نتیجہ تھا کہ اُس کے کمزور جانشین اتنی بڑی سلطنت کو دو سو برس تک اور سنبھال سکے تھے۔ وہ بڑا فیاض و دریا دل تھا۔ اور اپنی رعایا کی جان و مال کا بہت خیال رکھتا تھا۔ کبھی اس نے ان پر جبر و تشدد نہیں کیا اور نہ اپنے حق سے زیادہ یا خلاف قاعدہ کچھ طلب کیا تاہم اُس کا خزانہ[۵۲] ہمیشہ معمور رہا اور

---

[۵۱] دارائے اعظم ایران کا وہ سب سے پہلا حکمراں تھا جس نے انتظام سلطنت ایک مستقل بنیاد پر قائم کیا۔ اس نے اپنے ملک کو ۲۳ یا ۲۸ صوبوں پر منقسم کیا اور ہر صوبہ میں تین حاکم مقرر کئے جس کا اوپر ذکر آچکا ہے۔ ان صوبوں کے نام دیکھنے سے اس کی وسعت سلطنت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ وہ یہ ہیں بابل۔ اشور (اطراف موصل) عربستان۔ مصر۔ یونان۔ لیدیہ۔ یا غربی اناطولیہ۔ سواحل بحر سیاہ۔ ارمنستان۔ خراسان۔ میدیہ۔ کابل۔ خوارزم۔ باختر۔ سغد۔ قندھار۔ ترکستان۔ اسگرو۔ ہرات۔ قفقاز۔ پنجاب۔ کران۔ علاوہ بریں جزائر قبرس و دیگر دو بحر قلزم۔ سواحل شام۔ تراکیا۔ تسالیا۔ بلغاریہ۔ تا دمنہ رود ڈنیوب۔ نیز کشمیر۔ سندھ۔ گجرات کا ایک حصہ و جزائر کمبائی وغیرہ۔ (ایران ہمہ)

[۵۲] دارا نے ہر صوبہ کا ایک مستقل خراج مقرر کیا۔ صرف صوبہ فارس اس سے مستثنےٰ تھا مگر اس کی ایرانی رعایا کو بھی جب بادشاہ ان کی حدود سے گزرتا تو نذریں پیش کرنا ضروری تھا۔ خراج نقد و جنس دونوں طریقوں سے لیا جاتا تھا۔ صوبہ ہندوستان جس کی ڈیڑھ کروڑ روپیہ آمدنی تھی نہایت متمول سمجھا جاتا تھا اور بلوچستان جس کا آج کل بھی یہی حال ہے اُس زمانہ میں بھی سب سے زیادہ غریب و نادار تھا۔ مصر کو علاوہ ایک مقررہ خراج کے اپنی ماہی گیری کی کل آمدنی دینا پڑتی تھی۔ اور ایک لاکھ بیس ہزار ایرانی فوج جو وہاں مقیم تھی اس کا خرچ بھی برداشت کرنا پڑتا تھا۔ بابل سال میں چار ماہ شاہی ضروریات کے لئے غلہ و رسد بہم پہنچاتا تھا۔ باقی آٹھ ماہ دوسرے صوبوں کے ذمہ تھے۔ بابل سے ہر سال پانچ سو خواجہ سرا بھی آتے تھے۔ حبش کا خراج بکثرت غلام۔ عاج اور آبنوس کی لکڑی تھی۔ عرب سے

اس کے انعام واکرام شاہانہ داد ودہش میں کبھی کمی نہ آئی۔ اس نے ٹیکس ومحاصل کا ایک باقاعدہ انتظام کیا۔ رعایا کی فلاح وبہبودی کے لیے جو باتیں اس کے ذہن میں مناسب معلوم ہوئیں اُنہیں جاری کرنے میں کسی دوسرے کی مزاحمت ومخالفت کی مطلق پرواہ نہ کی۔ چنانچہ وہ اپنے ملک کی مالی حالت درست کرنے کیلئے جو تدابیر عمل میں لایا انھیں اُس کے بعض جنگجو وجاہل سردار حقارت سے دیکھتے تھے اور اُسے تاجر یا بیوپاری کہہ کر پکارتے تھے لیکن اُس نے کبھی اس کا خیال نہ کیا اور ہمیشہ اپنی دھن کا پکا رہا۔ یہ اُسی کے زمانہ کی ایک معرکتہ الآرا ایجاد ہے کہ اپنی سلطنت میں جسے اُس زمانہ کی متمدن دنیا کے نصف حصہ سے زیادہ سمجھنا چاہئے اُسی نے سب سے پہلے ایک باقاعدہ سکہ[۵] جاری کیا۔ وہ ہر قوم کے مذہب ورسم ورواج کو عزت کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) کئی سومن لوبان آتا تھا۔ علاوہ بریں مختلف صوبوں کی معدنیات وغیرہ کی آمدنی بھی شاہی خزانہ میں جمع ہوتی تھی۔ یہ سب کچھ شہنشاہ کی مرضی پر منحصر تھا۔ اگر وہ کسی صوبہ سے خوش ہوتا تو اس کا خراج کم یا ایک عرصہ کے لئے بالکل معاف کر دیتا۔ غرض کہ یہ کل آمدنی شاہی خزانہ میں جمع ہوتی تھی اور چونکہ شاہی اخراجات کے دوسرے ذرائع بھی تھے اس لئے اس میں سے بہت کم خرچ ہوتا تھا اور ایک بے شمار دولت جمع تھی جس کا ایک خفیف سا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ دو سو برس بعد جب ایران کے ادبار کا زمانہ آیا تو اُس گئی گذری حالت میں بھی جو مال غنیمت سکندر اعظم کو ملا ہے اُسے لے جانے کے لئے دس ہزار گاڑیوں اور پانچ ہزار اونٹوں کی ضرورت ہوئی تھی اور وہ کل ملا کر کئی کرور روپے سے زیادہ تھا۔

(رالنس۔ سائکس)

۵؎ غالباً یہ فن لیدیہ سے ایران میں آیا لیکن دنیا کے بڑے بادشاہوں میں سب سے پہلا دارائے اعظم تھا جس نے اپنی فوج کو تنخواہ دینے کے لئے ۵۱۶ء ق م۔ باقاعدہ سکے جاری کئے۔ جو دو سو برس تک نہ صرف ایران بلکہ تمام دنیا حتےٰ کہ پنجاب تک میں رائج تھے۔ اشرفی کو دارک۔ دارائی۔ یا "پارسی تیرانداز" کہتے تھے۔ کیونکہ اس پر بادشاہ کی ایک تصویر کندہ تھی جو دو زانو بیٹھا ہوا کمان کھینچے دشمن کی طرف نشانہ

اور جب یہودیوں نے اکباتان کے دفاتر سے کورش اعظم کا وہ فرمان جس سے کمبوجیہ بے خبر تھا۔ نکال کر اس کے سامنے پیش کیا تو اُس نے فوراً اُنھیں اپنے معبد کی ترمیم و تعمیر کی اجازت دیدی۔ اُس نے اُن یونانی اقوام کو جو ایونیان شہروں میں بستی تھیں بخوشی خاطر سوراج بخش دیا۔ اور اگر یونانی خصوصاً اتھنز۔ کے باشندے اس کے ساتھ گستاخانہ پیش نہ آتے تو کبھی اُن کے ملک پر فوج کشی نہ کرتا۔ علاوہ دیگر علوم مختلفہ کے علم سیاست مدن بھی اس نے مصریوں ہی سے حاصل کیا تھا۔ اسلئے اس قوم کی اُس کے دل میں بڑی عزت تھی اور اپنی طرح طرح کی بخشش و انعام سے اُسے سرفراز فرماتا تھا۔ مثلاً مصریوں کی تجارت کو ترقی دینے کی غرض سے اُس نے دریائے نیل اور بحر احمر کے درمیان ایک نہر کھود کر راستہ بنا دیا اور ان کی آمد و رفت کے لئے بڑی سہولتیں ہو گئیں۔ اُس نے اپنے عہد حکومت میں اُس ظالمانہ برتاؤ کی جو کمبوجیہ نے مصریوں کے ساتھ کیا تھا بہت کچھ تلافی کرنا چاہی اور اُنکے علوم و فنون کا ہمیشہ شایق و دلدادہ رہا۔ جب تک وہ زندہ رہا کسی کی مجال نہ تھی کہ مصریوں کے مذہب یا رسم و رواج وغیرہ میں مداخلت کر کے اُن کا دل دُکھائے۔ یا اُنھیں کسی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) مار رہا ہے۔ دارک کا سونا اعلیٰ درجہ کا خالص تھا اور اسکا وزن ۱۳۰ گرین تھا۔ نقرئی سکہ جسے شکت یا سگلوس کہتے تھے وزن میں ۸۶ گرین تھا۔ اس کی قیمت قریباً دو ڈھائی شلنگ انگریزی تھی اور اشرفی میں بیس ملتے تھے۔ یہ درحقیقت بیڑہ جہازات کے فینکی ملاحوں کی تنخواہ ادا کرنے کیلئے مضروب کیا جاتا تھا۔ اسی لئے اسکے ایک طرف مینار کی تصویر تھی اور دوسری طرف بادشاہ مع اپنے رتھبان کے ایک ورشکہ پر سوار نظر آتا تھا۔

ایران میں متعدد دار الضرب تھے مگر ماردیس کا سب سے زیادہ مشہور تھا بعض ستربپ اور باج گزار حاکموں کو بھی اپنا سکہ چلانے کی اجازت تھی۔ مگر صرف نقرئی۔ کیونکہ طلائی اشرفی ضرب کرنے کا سوائے شہنشاہ کے اور کسی کو اختیار نہ تھا۔ (سائکس و رالنس)

قسم کا ضرر پہونچائے۔ معمر و بزرگ پروہت اعظم نیتھوتپ جو بادشاہ کا اوستاد تھا تادم زیست اُس کا ہمدم رہا اور اپنے علم نجوم کی غیر معمولی قابلیت سے ہمیشہ اُسے نہایت مفید صلاح و مشورے دیتا رہا۔ مصری بھی اپنے نئے حکمراں کی شفقت و محبت دیکھ کر اُس کے ایسے گرویدہ ہو گئے کہ دارا کو اپنے شاہانِ سلف کی طرح ایک دیوتا ماننے لگے تھے لیکن افسوس کہ اُس کے بڑھاپے کے زمانہ میں گزشتہ احسانات اُنکے دل سے محو ہو گئے اور خود مختاری کی ہوس نے ایک ایسی حکومت سے جو اگرچہ نہایت نرم و عادلانہ تھی مگر ان کی اپنی نہ تھی انھیں بغاوت و سرکشی پر آمادہ کر دیا۔ اس جد و جہد کا خاتمہ اُس زمانہ میں ہوا جب ان کا مربّی و بہی خواہ دارا مر چکا تھا۔ اور اُس کا لڑکا خشایارشا تخت نشین تھا جس نے مصریوں کو سخت سزائیں دیکر انہیں بغاوت کا خوب مزا چکھایا اور پھر اپنا مطیع و فرمانبردار بنا لیا۔ دارا نے ایک عالی شان و خوشنما محل کوہ رحمت پر جو پرسی پولس (استخر) کے قریب ہے تعمیر کرایا اور اپنے عہد کی ایک ایسی یادگار چھوڑی جس کے کھنڈرات دیکھ کر اب بھی سیّاح دنگ ہوتے ہیں۔[۱]

---

[۱] عہد دارائے اعظم کی جو یادگاریں موجودہ زمانہ میں دریافت ہوئی ہیں انھیں مختصر طور سے ہم بیان کرتے ہیں اور سب سے پہلے استخر اور اُس کے نواح سے شروع کرتے ہیں :-

دریائے پلور میدان مشہد مرغاب کو سیراب کرتا ہوا جہاں پاسارگدہ کے آثار ہیں۔ بہت ہی تنگ و پیچیدہ وادیوں سے ہو کر گزرتا ہے اور بالآخر ایک سرسبز میدان میں آکر رود بند امیر سے مل جاتا ہے اس دوسری وسیع و مسطح سبزہ زار کو میدان مرودشت کہتے ہیں۔ یہاں ایک دوسرے کے قریب تین بڑی بڑی یادگاروں کے نشان موجود ہیں۔ (۱) نقش رستم۔ ہمارے سامنے ایک اونچی سی پہاڑی ہے جسے یہاں کے باشندے حسین کوہ کہتے ہیں۔ اس کے سامنے والے رُخ پر جو اس قدر ڈھالو و سپاٹ ہے کہ بمشکل کسی کا گذر ہو سکتا ہے۔ چار حجرے پتھر میں کھود کر بنائے گئے ہیں۔ یہ دارائے اعظم خشایارشا۔ ارتشیر دراز دست اور دارائے دوم کے مقبرے ہیں۔ یہ باہر سے بشکل صلیب نما

اور اُس زمانہ کی صنعت و حرفت کی تعریفیں کرتے ہیں۔ چھ ہزار مصریوں نے جنھیں

(بقیہ صفحہ گزشتہ) نظر آتے ہیں۔ سامنے ایک چھوٹا سا دروازہ ہے جس کے ادھر اُدھر ستون ہیں جن کی چوٹیاں ایرانی طرز کے مطابق بیلوں کے سروں کے ہیں۔ دروازہ کے اوپر مختلف تصاویر کندہ ہیں جن میں سے ایک قابل ذکر ہے۔ یعنی ایک تخت پر جسے مفتوحہ قومیں اُٹھائے ہوئے ہیں بادشاہ جلوہ گر ہے اُس کے بائیں ہاتھ میں کمان ہے اور داہنا ہاتھ ایک اگن ہوتر کی طرف جس میں مقدس آگ جل رہی ہے اشارہ کر رہا ہے۔ اوپر آفتاب کا نشان اور درشکہ روحانی کی شبیہ ہے۔ یہ دارا کا مزار ہے۔ کیونکہ اس پر اس کا نام کندہ ہے۔ دوسرے مقبروں پر کوئی نام نظر نہیں آتا۔ تیسیاس۔ جو ارتا کسترا یا بہمن اردشیر دراز دست کا یونانی حکیم تھا بیان کرتا ہے کہ جب یہ مقبرہ تیار ہو گیا تو دارا اوپر چڑھ کر اُسے دیکھنا چاہتا تھا مگر کلدانی منجموں نے اُسے منع کیا۔ اس پر بادشاہ کے والدین چڑھنے کے لئے تیار ہو گئے۔ اور چالیس پروہتوں نے جو مقبرہ کے اوپر تھے ایک رسّی کے ذریعہ اُنھیں اوپر کھینچنا شروع کیا۔ مگر یہ ابھی ہوا میں معلّق تھے کہ اتفاق سے ایک سانپ نمودار ہوا جسے دیکھ کر مجوس ایسا ڈرے کہ رسّی اُن کے ہاتھ سے چھوٹ گئی اور دارا کے غریب والدین نیچے گر کر مر گئے اس پر بادشاہ کو ایسا غصّہ اور رنج ہوا کہ اُس نے ان تمام بزدل مجوسیوں کو فوراً قتل کرا دیا۔

دوسری روایت یہ ہے کہ دارا کا چہیتا خواجہ سرا بگا باتس یا بکا پاتا اپنے آقا کی وفات کے بعد سات سال تک اُس کے مزار کی جاروب کشی کرتا رہا اور وہیں مر گیا۔ چوتھے مقبرہ کے سامنے ۲۰۰ گز کی فاصلہ پر ایک مربع عمارت ہے جسے لوگ قبر زردشت کہتے ہیں۔ کرزن کا خیال تھا کہ یہ گستاشپ پدر دارا کی قبر ہے۔ مگر دوسرے محققین اُسے ایک آتشکدہ کہتے ہیں جہاں بادشاہ مقبروں کی زیارت کے بعد پرستش کرنے یا دعا مانگنے آتے تھے۔

مذکورہ بالا مقبرے جس چٹان پر واقع ہیں اُس کے حصہ زیریں میں ساسانی بادشاہوں کی تصاویر کندہ ہیں جنھیں عوام الناس شاہنامہ کے ہیرو رستم سے منسوب کرتے ہیں۔ اسی لئے یہ مقام بھی نقش رستم کے نام سے مشہور ہو گیا۔

(۲) میدان مرودشت کے شمالی حصہ میں شہر استخر کے کھنڈرات نظر آتے ہیں۔ یعقوب کا

کمبوجیہ ایران پکڑ کر لایا اُس کے بنانے میں حصہ لیا تھا اور انھیں معماروں کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) بیان ہے کہ اس شہر کا بانی تہمورث شاہ پیشدادی یا اُس کا لڑکا استخر تھا اور اس کی تکمیل ہوشنگ و جمشید کے زمانہ میں ہوئی۔ فردوسی لکھتا ہے کہ کیکاوس نے اپنے لئے ایک عالیشان محل یہاں بنایا تھا اور بقول طبری اسی شہر میں شاہ گستاشپ نے اوستا کا وہ اصلی نسخہ جو طلائی حروف میں لکھا تھا اور جسے بعدہٗ سکندر نے جلوا دیا تھا۔ ایک خزانہ قلعہ کے اندر محفوظ رکھا تھا شہر کے کھنڈروں کے قریب ہی سمت جنوب ایک بڑا سا چبوترہ ہے جسے تخت طاؤس یا تخت رستم کہتے ہیں۔ غالباً قدیم زمانہ میں بادشاہ اس پر کھڑے ہوکر افواج کا ملاحظہ کرتا تھا۔ اسی نواح میں ایک پہاڑی بنام نقش رجب ہے جس پر ساسانی زمانہ کی متعدد تصاویر کندہ ہیں۔

(۲) نقش رستم سے ۵-۶ میل سمت جنوب اور شیراز سے چالیس میل جانب شمال شہر پرسی پولس کے خاص آثار شروع ہوتے ہیں۔ یہ شہر جس کا قدیم نام "پارسہ کرتہ" یا "پارسیوں کا شہر" تھا۔ پارساگرد سے چالیس میل سمت جنوب واقع تھا اور دارائے اعظم کے بعد شاہان ہخامنش کا پایہ تخت رہا تھا۔ یہاں ایک پہاڑ کے دامن میں جس کا نام کوہ رحمت (شاہ کوہ) ہے وہ مشہور و معروف سنگین چبوترہ ہے جسے تخت جمشید کہتے ہیں اور جس پر شاہان ہخامنش نے دارائے اعظم سے لیکر اردشیر چہارم تک اپنے ایوان و محلات تعمیر کرائے تھے۔ دارا اپنے کتبہ میں شاید اسے ایک قلعہ سے تعبیر کرتا اور لکھتا ہے:۔

"میں نے یہ قلعہ ایسے مقام پر تعمیر کرایا جہاں پہلے کوئی نہ تھا۔ یہ ہرمزد کی مدد سے ظہور میں آیا"

دیودورس یونانی مورخ بھی لکھتا ہے کہ پرسی پولس کا قلعہ نہایت شاندار تھا۔ اس کے پھاٹک برنجی تھے اور اس کے گرد ایک تہری دیوار تھی۔ جس کی وجہ سے تمام محلات محفوظ تھے مگر آج کل اس دیوار کا کہیں نشان نہیں اور نہ اس کی ضرورت معلوم ہوتی ہے کیونکہ چاروں طرف بلند پہاڑیاں ہیں جو قدرتی محافظ و پاسبان ہیں۔

تخت جمشید کی لمبائی پندرہ سو فیٹ۔ چوڑائی نو سو فیٹ اور اونچائی مختلف ہے یعنی

سپرد شاہی مقبروں کی تعمیر بھی تھی - یہ مقبرے پہاڑ کے اندر پتھروں کو کاٹ کر

(بقیہ صفحہ گزشتہ) وسطی حصہ جو سب سے زیادہ اونچا ہے زمین سے چالیس فٹ مرتفع ہے۔ تخت کے شمالی مغربی گوشہ میں ایک عالی شان دوہرا زینہ تھا جس کی دیواریں رنگین تصاویر و نقش و نگار سے مزین تھیں۔ اس زینہ کی سیڑھیاں تعداد میں سو سے زیادہ تھیں مگر ایسی وسیع و بتدریج ڈھلوان کہ دس سوار ایک ہی قطار میں بآسانی اوپر چڑھ سکتے تھے۔ زینہ کے سرے پر پہونچکر قریباً ۲۰ گز آگے چند شکستہ ستون نظر آتے ہیں۔ یہ اُستاند یا باب شاہی تھا۔ اس سے نکل کر جنوب مشرق ۵۷ گز تک سوائے ایک حوض کے اور کوئی نشان معلوم نہیں ہوتا تھا۔ غالباً قدیم زمانے میں اس جگہ ایک خوشنما چمن ہوگا جس کے سامنے خشایارشا کا دربارِ عام تھا۔ آخر الذکر کے آثار چہل منار یا ستون کے نام سے مشہور ہیں۔ مگر درحقیقت اس ایوان کے ۷۲ ستون تھے جن میں اب صرف ۱۳ باقی ہیں۔ اُس کی دیواروں پر نہایت خوشنما نقش و نگار و تصاویر ہیں اور دروازہ پر یہ عبارت کندہ ہے:۔

"منم خشایارشا۔ شاہ بزرگ۔ شاہ شاہان شاہ ولایت ما۔ پُر جان پادشاہ ایں بوم بزرگ و وسیع۔ پور شاہ دارا ہخامنشی۔"

یہاں سے پچاس گز جنوب کی طرف جانے کے بعد دارائے اعظم کا محل جو چبوترہ کے سب سے اونچے حصہ پر واقع ہے نظر آتا ہے اس کے کھنڈرات پر جابجا یہ لکھا ہے "یہ ترچرہ (محل)۔ یہ وِث (قصر) یہ ہدش (مکان) شاہ دارا کا ہے" دارا کی مختلف تصاویر بھی منقش ہیں۔ کسی میں وہ ایک خونخوار جانور سے لڑ رہا ہے اور کسی میں خدام اسکے پیچھے ایک چھتری مور چھل لئے کھڑے ہیں۔ یہاں سے پھر جنوب کی طرف کچھ دور چلنے کے بعد اردشیر سوم کے محل کے کھنڈر نظر آتے ہیں۔ اس پر بھی بانی کا نام کندہ ہے مگر نسبتاً چھوٹا معلوم ہوتا ہے یا شاید ناتمام رہ گیا ہو۔ اس کے بائیں جانب مشرق خشایارشا کا وہ عالی شان محل تھا جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ قدیم دنیا میں صنعتِ انسانی نے اس کا ہمسر پیدا نہیں کیا۔ اس کا کل رقبہ آٹھ ہزار مربع گز سے زیادہ تھا۔ اسکے

بنائے گئے ہیں۔ اور ابھی تک بہت اچھی حالت میں بلندی کوہ پر واقع ہیں جہاں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) زمینوں پر خوشنما تصاویر کندہ تھیں۔ اس کے اندرونی آرائش و زیبائش بھی لاجواب تھی۔ اور جب اپنی اصلی حالت میں ہوگا تو واقعی عجائب عالم میں شمار کیا جاتا ہوگا۔ یہاں سے نکل کر سمت مشرق پچاس گز کے فاصلہ پر چند آثار ہیں جن کا حال زیادہ معلوم نہیں۔ ممکن ہے کہ یہاں ازیر کے زمانہ ولیعہدی کا کوئی محل ہو۔ اب اس سے چالیس گز شمال مغرب اونچے سے ٹیلہ پر ایک شکستہ در ہے جو باب دارا تھا۔ قریب ہی اُس عالی شان عمارت کے آثار ہیں جو دارائے اعظم کا دربار ہال تھا اس کا رقبہ ۲۲۵ مربع فیٹ تھا۔ اس میں ایک سو ستون تھے مگر اب ایک کا بھی پتہ نہیں صرف انکے شکستہ ٹکڑے ادھر اُدھر منتشر نظر آتے ہیں۔ اسکے سنگین دروں و کمانوں کے کھمبوں پر دارا کی مختلف تصاویر ہیں۔ کسی میں وہ خونخوار جانور سے لڑ رہا ہے۔ کسی میں بر سر دربار ہے اور تاج سر پر رکھے تخت پر جلوہ گر ہے یہی وہ خوشنما عالی شان ایوان تھا جسے سکندر فیلقوسی نے شراب کے نشہ میں اپنی معشوقہ تھائی کے اغوا سے جلا کر خاکستر کر دیا اور اُس کے ساتھ شاہان ہخامنش کا بیش بہا کتب خانہ بھی تباہ و برباد ہوگیا۔ یہاں سے ۶۰۔ ۷۰ گز سمت شمال ستونوں کے چند ٹکڑے نظر آتے ہیں جو اُس پیشگاہ یا باب شاہی کے آثار ہیں جس سے دربار عام کو راستہ جاتا تھا۔ قریب ہی ایک حوض ہے اور ایک وسیع چمن ہے جس کے وسط میں ایک مرتفع مقام یا اونچے سے ٹیلہ پر ایک خوشنما بارہ دری بنی ہوگی جہاں شہنشاہ بوقت شام تفریحاً آتا اور اپنے محلات۔ شہر اور ارد گرد کے خوشنما منظر کا لطف اُٹھاتا ہوگا۔ وہ قرب و جوار کی پہاڑیاں جو آج کل برہنہ ہیں اُس زمانہ میں سبزہ و گیاہ سے لدی ہوں گی اور جگہ جگہ سے خوبصورت چشمے و جھرنے بہتے ہوئے عجیب بہار دکھاتے ہونگے۔ اس باغ کی آبپاشی اور دیگر ضروریات کے لئے چبوترہ کے نیچے پانی کی نالیاں نہریں اور سرنگیں تھیں۔ اب بھی کہیں کہیں انکا پتہ لگتا ہے۔ غرضکہ یہ آثار عہد ہخامنش کے صناعی کا ایک لاجواب نمونہ ہیں اور اپنی اصلی حالت میں ایسے شاندار و خوشنما ہونگے جس کا حال پورے طور سے لکھنا قلم کی طاقت سے باہر ہے۔ اب ہمیں صرف یہ بیان کرنا باقی رہ گیا کہ تخت جمشید کی پشت پر کوہ رحمت

انسان کا گزر محال ہے اور بے شمار جنگلی کبوتروں نے اُنہیں اپنا مسکن بنا رکھا ہے

دارا کی ایک دوسری یادگار کوہ بہستون[۱] کی اونچی پہاڑی ہے جو غالباً اُس مقام سے کچھ دور نہ ہوگی جہاں اس نے اتوسا کی جان بچائی تھی۔ اُس کی چکنی وسپاٹ چٹان پر دارا نے ایرانی، میدی و اشوری تینوں زبانوں میں اپنے زمانہ کے مشہور واقعات کندہ کرائے تھے جو صدیوں تک رازِ سربستہ تھے مگر ماہرین

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) واقع ہے جسکے ڈھلواں رُخ پر تین مقبرے ہیں جو نقش رستم سے مشابہ ہیں پہلا و دوسرا اردشیر دوم و سوم کا ہے اور تیسرا جو ناتمام رہ گیا ہے شاید دارائے سوم ایران کے آخری تاجدار کا ہوگا۔ (ماخوذ از پروفیسر جیکسن)

[۱] - بیستون یا بہستون۔

ہمدان اور کرمان شاہ کے راستہ میں اول الذکر سے چار دن کی مسافت پر ایک پہاڑی ہے جسے بہستون کہتے ہیں۔ یہ چار ہزار فیٹ اونچی ہے۔ اس کے دامن یا حصہ زیریں میں چٹان کا ایک بہت بڑا ٹکڑا تراشا ہوا ہے جس پر کوئی کتبہ وغیرہ نہیں ہے اور کہا جاتا ہے کہ فرہاد نے شیریں کے عشق میں یہیں اپنا تیر چلایا تھا۔ مگر اس سے زیادہ عجیب تر وہ کتبہ ہے جو اس عظیم الشان پہاڑی پر جو جبل الطارق کی طرح سپاٹ و ڈھلواں معلوم ہوتی ہے۔ زمین سے تین سو فیٹ کی بلندی پر نظر آتا ہے۔ جس لوح پر وہ کندہ ہے وہ ۲۰ فیٹ لمبی و دس فیٹ چوڑی ہے۔ اس کی تحریر خط میخی میں ہے اور اُس زمانہ کی ہر سہ مروجہ زبانوں یعنی فارسی قدیم میدی یا ترکی و بابلی میں مرقوم ہے۔ مذکورۂ ذیل مثال سے واضح ہوگا۔

خط میخی:- 

ترجمہ قدیم فارسی = ب گ ا (بگا)

ترجمہ جدید فارسی = خ د ا (خدا)

فن نے اب اُنہیں حل کرکے صحیح طور سے پڑھ لیا ہے۔ ہم نے گزشتہ بابوں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) اس کتبہ میں دارائے اعظم نے اپنا نسب نامہ بیان کرکے کمبوجیہ کی لشکر کشی بردیہ کے قتل اور گوماتا کی بغاوت کا ذکر کیا ہے۔ پھر اپنے عروج کا حال بیان کیا ہے۔ اپنے ۱۹ جنگوں و فتوحات کا ذکر کیا ہے۔ اور آخر میں اپنی قوم کو نصیحت کی ہے کہ صداقت اختیار کریں۔ دروغ و بے دین کی بیخ کنی کریں اور اس کے کارناموں کو مشہور کریں۔ پھر یہ دُعا دی ہے کہ جو کوئی اسکے کتبات کی حفاظت کریگا اُسے ہرمز دعمر طولانی بخشے، کثیر الاولاد کرے، اور اس دنیا میں ہمیشہ خوش و خرم رکھے۔ مثلاً ایک نمونہ پیش کیا جاتا ہے جس میں دارا اپنے ۱۹ اسیر بادشاہوں کا ذکر کرتا ہے۔

ثاتئی داریہ وش خشیہ تیا امہ ئی ۹ خشیہ ثیا اوم اگربایم

می گوید دارا شاہ ہستند این ۹ (نفر) بادشاہ (کہ) من بگرفتم

انتر اِما ہمہ رنا۔

اندر این جنگ ہا

اسی چٹان پر مذکورہ بالا کتبات کے نیچے چند تصاویر کا ایک مجموعہ ہے جو نہایت دلچسپ ہے۔ ۹ شخص جنہیں دارائے معلوم و اسیر کیا ہے سامنے کھڑے ہوئے ہیں۔ ان کے ہاتھ پشت پر بندھے ہیں ان کی گردنوں میں ایک رسّی پڑی ہے۔ ہر قیدی کے سر کے اوپر اور تیسرے کے لباس پر بھی اس کا نام کندہ ہے اور ایک لوح پر اس کی بغاوت و سرکشی کا حال مرقوم ہے۔ آٹھ اسیروں کے مختلف لباس و سر برہنہ ہیں۔ نواں جو غالباً تاتاری ہے اس کے سر پر ایک اونچی سی ٹوپی نظر آتی ہے۔ قیدیوں کے سامنے شاہ دارا کھڑا ہے اس کے سر پر تاج ہے۔ ایک ہاتھ میں کمان ہے۔ دوسرے سے باغیوں کی طرف اشارہ کر رہا ہے اور اپنے پیر سے ایک قیدی (دسواں) کے جسم کو کچل رہا ہے۔ جو نیچے لیٹا ہاتھ پھیلائے رحم کا خواستگار ہے۔ بادشاہ کے پیچھے دو ایرانی امیر استادہ ہیں ایک اس کا ترکش بردار و حاجب خاص

میں جن واقعات کا ذکر کیا ہے اُن کا پتہ اس کتبہ سے بخوبی لگتا ہے اور ہیروڈوٹس کے مشہور تاریخ کی تصدیق ہوتی ہے۔ ایرانی کتبہ میں ایک مقام پر لکھا ہے۔ دارا شاہ نے فرمایا :-

"جو کچھ میں نے کیا وہ اہرمزد کے رحم وکرم سے کیا۔ جب بادشاہ باغی ہو گئے تو میں نے ۱۹ لڑائیاں لڑیں۔ میں نے اہرمزد کی مدد سے سب کو شکست دی۔ نو بادشاہوں کو میں نے قید کیا۔ ایک کا نام گوماتا تھا وہ میدی تھا اور اس نے جھوٹ بولا جب یہ کہا کہ میں بردیہ (بر تجبا) پسر کورش ہوں۔ اُس نے ایران کو باغی بنا دیا"

آگے چل کر وہ اُن سرداروں کا نام لیتا ہے جنھوں نے مجوس کا قلع قمع کرنے میں اُس کی مدد کی تھی۔ اور ایک دوسری جگہ لکھا ہے۔ شاہ دارا نے فرمایا :-

"جو کچھ میں نے کیا وہ اہرمزد کی مدد سے کیا۔ اہرمزد نے میری مدد کی اور دوسرے دیوتاؤں نے بھی۔ کیونکہ میں غاصب نہ تھا۔ دروغ گو نہ تھا۔ ظالم نہ تھا۔ نہ میں نہ میرا خاندان۔ جس نے میری نسل کی اعانت کی اُس سے میں مہربانی سے پیش آیا۔ جس نے مخالفت کی اُس کو میں نے سخت سزا دی۔ تم جو میرے بعد بادشاہ ہو گے اس شخص سے دوستی نہ کرنا جو جھوٹا یا باغی ہے۔ اُسے بڑی سختی سے سزا دینا"

یوں فرماتا ہے شاہ دارا :- تم جو میرے کتبات کندہ دیکھو گے اُنھیں خراب و

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) اور دو شخص ہیں دوسرا اُس کا نیزہ بردار گاؤبرداہے۔ نیز دارا کے سر کے اوپر ایک درشکہ روحانی بھی نظر آتا ہے یعنی ایک تصویر بصورت انسانی جو سر سے کمر تک ایک حلقہ کے اندر جس کے دو طرفہ پر نکلے ہیں سایہ افگن نظر آتی ہے۔ مذکورہ بالا ۹ قیدی بابل۔ خوزستان۔ عراق وفارس وغیرہ کے سرکش وباغی حکمران ہیں اور جو شخص نیچے پڑا ہوا ہے وہ غالباً گوماتا یا ایران کا مشہور غاصب مجوس ہے جسے دارا نے خود اپنے ہاتھ سے قتل کیا تھا۔

(سائکس۔ جیکسن۔ ایران نامہ)

برباد نہ کرنا بلکہ جب تک زندہ رہو اُن کی حفاظت کرنا"

اب ہمیں یہ لکھنا باقی رہ گیا کہ دُدہ یا پسرِ بگابازے نے مرتے دم تک کس رفاقت ووفاداری کے ساتھ اپنے آقا و دوست دارا کا ساتھ دیا۔ ایک دن کسی درباری نے بادشاہ کو ایک انار دکھا کر پوچھا "وہ کون سی شے ہے جسے آپ اتنے بار حاصل کرنا چاہتے ہیں جتنے اس پھل میں دانے ہیں"

دارا نے ایک لحظہ توقف کے بعد فوراً جواب دیا۔ "دوہ یا کی رفاقت" دُدہ یا کو بھی آیندہ ایک ایسا موقع ملا کہ اس نے اپنے آقائے محترم کی محبت و احسانات کا ایک عجیب غیر معمولی طریقہ سے بدلہ اُتارا۔ کمبوجیہ کی وفات کے بعد بابل نے بغاوت کر دی تھی۔ دارا نو مہینے تک اس کے محاصرہ میں مصروف رہا لیکن اُسکی تمام کوششیں بے کار گئیں۔ ایک دن وہ عاجز آکر محاصرہ اُٹھانے والا تھا کہ دُدہ یا سامنے حاضر ہوا مگر عجیب ہیئتِ کذائی کے ساتھ یعنی ناک وکان ندارد اور مُنھ سے خون جاری۔ بادشاہ نے گھبرا کر پوچھا کہ یہ کیا ہوا۔ تو اُس نے عرض کیا میں نے خود اپنے ہاتھوں یہ حال بنایا ہے تاکہ اہل بابل کو دھوکہ دیکر حضور کو اس محاصرہ کی تکلیف سے نجات دلاؤں۔ آپ کو معلوم ہوگا کہ کسی زمانہ میں یہ غلام حسینوں کا دلدادہ اپنی صورت پر کیسا نازاں تھا اب میں اُن کے پاس جا کر کہتا ہوں کہ دیکھو دارا نے میری شکل بگاڑ کر مجھ پر یہ ظلم و ستم کیا ہے اور میں تمہاری مدد سے اُس سے بدلہ لینا چاہتا ہوں۔ اُنھیں میری یہ حالت دیکھ کر فوراً یقین آجائیگا اور اپنے لشکر کا کچھ حصہ بھی ساتھ کر دیں گے جسے لیکر میں ان کا اعتبار بڑھانے کیلئے دو تین چھوٹے حملے بھی آپ کی فوج پر کروں گا۔ بالآخر اس طرح مجھے قلعہ کی کنجیاں ملجائینگی اور اس کا دروازہ کھول کر افواجِ شاہی کو اندر داخل کر دوں گا"

بادشاہ نے اپنی خوش رو۔ خوش مزاج و پیارے دوست کی جب یہ حالت دیکھی اور اُسکی صداقت و جان نثاری سے بھرے ہوئے الفاظ جو ایک عجیب لاپروانہ و تمسخرانہ لہجہ

سے ادا کیئے گیئے تھے سُنے تو اس سے ضبط نہ ہو سکا - اس کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہو گیئے۔ ذُوپِیا کو گلے لگا لیا اور جب اس کی تدبیر سے وہ قلعہ جو نا قابلِ تسخیر تھا فتح ہو گیا تو اُس نے ایک آہ سرد بھر کے کہا "سینکڑوں بابل میرے ذُوپِیا پر فدا تھے - کاش کہ وہ میرے لئیے اپنا چہرہ نہ بگاڑتا"

پھر اس نے اپنے دوست کو بابل کا گورنر مقرر کیا اور اُس ملک کی تمام آمدنی بخش دی - اور ہر سال بیش بہا تحائف سے اُسے مالا مال کرتا رہا - اور بعد ازاں اکثر کہا کرتا تھا کہ سوائے کورش اعظم کے جس کا کوئی ہمسر پیدا نہیں ہوا ذُوپِیا کی شرافت ہمت و جان نثاری کی مثال دنیا میں نہیں مل سکتی - الغرض بہت کم ایسے بادشاہ گذرے ہیں جنھیں دارا کی طرح سچّے و صادق دوست نصیب ہوئے ہوں، کیونکہ انکی قدر وہی خوب جانتا تھا اور اُنکے ساتھ احسان و مراعات سے پیش آنا کچھ اُسی کی طبیعت میں قدرت نے ودیعت کیا تھا - جب سلوسن یعنی مقتول پولی کراتیس کا بھائی ایک دن شوس آیا اور اس کے سامنے حاضر ہو کر اپنی گزشتہ خدمات یاد دلانے لگا تو دارا نے اسکے ساتھ دوستانہ خاطر و مدارات کی اپنی فوج و جہاز ساتھ کر دیئے اور سارس کے فتح کرنے میں اس کی پورے طور سے مدد فرمائی - اہل جزیرہ نے ایک نئے جابر کو غیر ملکی کے لشکر کے ساتھ آتا ہوا دیکھا تو بڑی سختی سے مقابلہ کیا مگر آخر میں شکست کھائی تو اس طرح خوشامدانہ کہنے لگے "سلوسن کا آنا مبارک ہو - ہمارے سر آنکھوں پر بیٹھیں، بھلا انھیں ہم کب منع کرتے تھے" رھوڈوفس نے اپنے زمانۂ زندگی میں یونان کے بہت سے انقلاب دیکھ لئے - ہیپاکورس دو شخصوں یعنی ہرمودیوس - ارسٹوجیٹن کے ہاتھوں مارا گیا - اسکا بھائی ہیپیاس جو اتھنز کا جابر تھا ادبار و مصیبت کی گرداب میں پھنس گیا -

لہ یونان میں سب سے پہلے شخصی حکومت تھی - پھر حکومت شرفا - بعد جابرہ (دوسطی صدی ق م) اور سب سے آخر میں جمہوریت قائم ہوئی

رھوڈوفس کی وفات اپنے دوستوں کی آغوش میں ہوئی۔ تھیومپیوس اور کلیاس نے آخر وقت تک اُس کا ساتھ دیا۔ مرتے مرتے وہ یونان کی ترقی وعروج کی حسب کا اُسے پورا یقین تھا دعائیں مانگتی گئی۔ اُس کی موت کے بعد نوکراتیس میں ماتم بپا ہوگیا اور کلیاس نے فوراً ایک قاصد شوسس روانہ کیا تاکہ بادشاہ وسافو کو اس سانحہ جانکاہ سے خبر کرے۔ چند ماہ کے بعد مصر کے سترپ کے پاس دارا کا یہ فرمان پہنچا:-

"بادولت نے نہایت رنج والم کے ساتھ یہ خبر سُنی ہے کہ یونان کی معزز خاتون رھوڈوفس کا ابھی کچھ دن ہوئے کہ نوکراتیس میں انتقال ہوگیا۔ چونکہ ان کی نواسی تخت ایران کے اصلی وارث وحق دار کی بیوہ ہے اور اب بھی ایک ملکہ کی حیثیت رکھتی ہے اور چونکہ ہم نے حال ہی میں شہزادی پرمیس یعنی بردیہ وسافو کی لڑکی اور مرحومہ کی پرنواسی کو اپنی زوجیت[۱] میں لیا ہے اس لئے ضروری ولازم ہے کہ ہر دو

---

[۱] اُس زمانہ کی رسم کے مطابق دارا کی متعدد بیویاں تھیں۔ اُنکے نام حسب ذیل ہیں:-

(۱) اتوسا۔ سب سے زیادہ چہیتی بیوی دختر کورش اعظم۔ جس کے بطن سے پانچ لڑکے ہوئے پہلا لڑکا خشاریا شا یا زرکسیز۔ اپنے پدر کا جانشین ہوا۔

(۲) دختر گاوبروا (یاگبریاس) جس سے ایام شہزادگی میں شادی ہوئی۔ اس سے تین لڑکے تھے۔

(۳) ارتیس تونہ۔ اس سے دو لڑکے ہوئے۔

(۴) فدیما۔ جو خاندان ہنجامنش سے تھی۔ (یہ کمبوجیہ کی فدیما نہیں ہے)

(۵) فراتَ گون۔ اس سے دو لڑکے ہوئے۔

(۶) پرمیس۔ اس سے ایک لڑکا آریومردس نام ہوا۔

(۷) دوسری بیویاں جن سے متعدد لڑکیاں ولڑکے ہوئے۔

(ایران نامہ)

والا مرتبت بیگمات شاہی کے خیال سے مرحومہ کی وفات کا تمام ملک میں ماتم کیا جائے۔ نیز تمہیں حکم دیا جاتا ہے کہ رھوڈوفس جسے ما بدولت ہمیشہ ایک نہایت بزرگ و جلیل القدر خاتون سمجھتے تھے اُس کی خاک اس بیش بہا و خوبصورت ظرف میں رکھ کر جسے سافو اپنی طرف سے روانہ کرتی ہے۔ مصر کے سب سے بڑے اور عظیم الشان یادگار یعنی اہرام بزرگ میں دفن کی جائے اور تمام اعزاز شاہانہ کے ساتھ یہ آخری رسم ادا ہو۔"

دستخط

داریاوش پسر گستاشپ

شہنشاہِ ایران

از قصر جدید۔ استخر

تمّت